بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفاروق

سوانح عمری حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

مؤلفہ

شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

مکتبہ امدادیہ

ملتان ——— پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفاروق

سوانح عمری حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ

مؤلفہ

شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ تعالٰی

مکتبہ امدادیہ

ملتان ــــــ پاکستان

فہرست

تاریخ اور اس کے متعلقات	۱۱
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام و نسب،	
تعلیم و تربیت ، معاش و تجارت	۲۸
قبول اسلام	۳۵
ہجرت	۳۷
اذان کا آغاز، حضرت عمرؓ کی رائے پر	۳۹
سنہ ۱ھ تا وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۴۰
غزوۂ بدر	۴۱
قیدیوں کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی رائے	۴۳
غزوۂ سویق	۴۴
غزوۂ احد سنہ ۳ھ میں حضرت عمرؓ کی	۴۴
ثبات قدمی۔	.
ام المومنین حضرت حفصہؓ کا عقد نکاح۔	۴۸
واقعہ بنو نضیر سنہ ۴ھ	۴۹
جنگ احزاب سنہ ۵ھ	۴۹
واقعہ حدیبیہ سنہ ۶ھ	۵۰
حضرت عمرؓ کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا۔	۵۳
جنگ خیبر سنہ ۷ھ	۵۳
فتح مکہ سنہ ۸ھ	۵۴
غزوۂ حنین سنہ ۸ھ	۵۶
غزوہ تبوک سنہ ۹ھ	۵۷
واقعہ ایلاء سنہ ۹ھ	۵۷
سنہ ۱۰ھ کے مختصر واقعات، حجۃ الوداع	۵۸
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات	۵۸
قرطاس کا واقعہ	۵۸
سقیفہ بنو ساعدہ ، حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا استخلاف۔	۶۲
خلافت صدیقی میں فتوحات	۷۰
فتوحات عراق	۷۴
واقعہ بویب سنہ ۱۳ھ	۸۱
قادسیہ کی جنگ سنہ ۱۴ھ	۹۵
جلولا کی جنگ سنہ ۱۶ھ	۱۱۱
فتوحاتِ شام	۱۱۴
فتح دمشق	۱۱۵
جنگ فحل سنہ ۱۴ھ	۱۱۶
حمص سنہ ۱۴ھ	۱۲۱

marfat.com

یرموک سنہ ۱۵ھ	۱۲۳
بیت المقدس سنہ ۱۶ھ	۱۳۸
حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش سنہ ۱۷ھ	۱۴۲
حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا معزول ہونا	۱۴۴
عمواس کی وبا سنہ ۱۸ھ	۱۴۶
قیساریہ کی فتح سنہ ۱۹ھ	۱۴۹
جزیرہ سنہ ۱۶ھ	۱۵۰
خوزستان سنہ ۱۵ھ	۱۵۱
عراق عجم سنہ ۲۱ھ	۱۵۶
عام لشکر کشی سنہ ۲۱ھ	۱۶۱
آذربیجان سنہ ۲۲ھ	۱۶۴
طبرستان سنہ ۲۲ھ	۱۶۵
آرمینیہ	۱۶۵
فارس سنہ ۲۳ھ	۱۶۶
کرمان سنہ ۲۳ھ	۱۶۹
سیستان سنہ ۲۳ھ	۱۶۹
مکران سنہ ۲۳ھ	۱۷۰
خراسان کی فتح سنہ ۲۳ھ	۱۷۰
مصر کی فتح سنہ ۲۰ھ	۱۷۳
اسکندریہ کی فتح سنہ ۲۱ھ	۱۷۵
حضرت عمرؓ کی شہادت	۱۸۰

حصہ دوم	۱۸۵
فتوحات پر اجمالی نظر	۱۸۵
فتوحات کے اصلی اسباب	۱۸۸
نظام حکومت	۱۹۳
جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ	۱۹۴
مجلس شوریٰ	۱۹۶
انتظامی امور میں عام رعایا کی مداخلت	۱۹۸
خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا۔	۱۹۹
صوبجات اور اضلاع میں ملک کی تقسیم۔	۲۰۲
حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی	۲۰۵
عہدہ داروں کے تقرر کے لئے	۲۰۷
مجلس شوریٰ	
تنخواہ کا معاملہ	۲۰۷
عامل کے مال و اسباب کی فہرست	۲۰۹
زمانہ حج میں عاملوں کی طلبی	۲۱۰
عاملوں کی تحقیقات	۲۱۱
کمیشن	۲۱۲
صیغہ محاصل۔ خراج	۲۱۶
افسران بندوبست	۲۱۹
لگان کی شرح	۲۱۹

marfat.com

عراق کا خراج ۲۲۰
مصر کا خراج ۲۲۲
قانون مالگذاری میں اصلاحات ۲۲۵
بندوبست مالگذاری میں ذمیوں کی رائے لینا۔ ۲۲۸
ترقی زراعت ۲۲۸
محکمہ آبپاشی ۲۲۹
خراجی اور عشری زمین ۲۲۹
دیگر ذرائع آمدنی ۲۳۰
عشور ۲۳۱
صیغہ عدالت، محکمہ قضا ۲۳۲
قضاۃ کا انتخاب ۲۳۶
رشوت سے حفاظت کے وسائل ۲۳۸
انصاف میں مساوات ۲۳۸
عدالت کا مکان ۲۴۰
محکمہ افتاء ۲۴۰
فوجداری اور پولیس ۲۴۲
جیل خانہ کی ایجاد ۲۴۳
بیت المال (خزانہ) ۲۴۳
پبلک ورک (نظارت نافعہ) ۲۴۶
حضرت عمرؓ نے جو نہریں تیار کرائیں۔ ۲۴۶
حضرت عمرؓ نے جو عمارتیں بنوائیں ۲۴۹
سڑکوں اور پلوں کا انتظام۔ ۲۵۰
چوکیاں اور سرائیں۔ ۲۵۰
شہروں کا آباد کرنا۔ ۲۵۱
صیغہ فوج ۲۵۸
حضرت عمرؓ کا فوجی نظام ۲۵۹
صیغہ تعلیم ۲۸۰
اشاعتِ اسلام کا طریقہ ۲۸۱
قرآن مجید کی تعلیم ۲۸۷
بدوؤں کی جبری تعلیم ۲۸۸
کتابت کی تعلیم ۲۸۸
ادب و عربیت کی تعلیم ۲۹۰
حدیث کی تعلیم ۲۹۱
فقہ کی تعلیم ۲۹۱
فقہاء کی تنخواہیں ۲۹۵
عملی انتظام ۲۹۶
اماموں و مؤذنوں کا تقرر ۲۹۶
مساجد کی تعمیر ۲۹۷
مسجد نبوی کی وسعت۔ ۲۹۸
متفرق انتظامات ۲۹۹
سنہ ہجری کا تقرر ۲۹۹

marfat.com

مختلف قسم کے رجسٹر و کاغذات	۳۰۰
سکہ	۳۰۲
ذمیوں کے حقوق	۳۰۳
بیت المقدس کا معاہدہ	۳۰۴
مذہبی امور میں آزادی	۳۰۹
صلیب اور ناقوس کی بحث	۳۱۵
جزیہ کی بحث	۳۱۹
غلامی کا رواج کم کرنا ۔	۳۲۱
سیاست و تدبیر، عدل و انصاف	۳۲۷
حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیات	۳۳۰
اصولِ مساوات	۳۳۲
امیر المومنین کا لقب	۳۳۳
سیاست	۳۳۵
مساکین کے وظیفے	۳۴۶
مہمان خانے	۳۴۶
لاوارث اور یتیم بچوں کی خبر گیری	۳۴۶
قحط کا انتظام	۳۴۶
رفاہ عام	۳۴۷
شکایات سے واقفیت کے ذرائع	۳۴۹
سفارت	۳۴۹
شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری ۔	۳۵۰
امامت اور اجتہاد	۳۵۳
مسئلہ قضاء و قدر	۳۵۴
تعظیم شعائر اللہ	۳۵۵
نبیؐ کے اقوال و افعال اور منصبِ نبوت ۔	۳۵۶
علم اسرار دین	۳۵۷
اسلامی اخلاق کا تحفظ	۳۵۸
آزادی و حق گوئی	۳۶۱
احادیث کا تفحص	۳۶۳
روایت کی چھان بین	۳۶۶
کثرتِ روایت سے روکنا	۳۶۸
فقہ کے تمام سلسلوں کا مرجع حضرت عمرؓ ہیں ۔	۳۷۳
اُصولِ فقہ	۳۷۹
خبر واحد کی حجیت	۳۸۲
قیاس	۳۸۳
استنباط احکام کے اُصول	۳۸۵
خمس کا مسئلہ	۳۸۸
فے کا مسئلہ	۳۹۲
فدک کا مسئلہ	۳۹۸
ذاتی حالات اور اخلاق و عادات	۴۰۱

marfat.com

قوتِ تقریر	۴۰۲
پولٹیکل خطبے	۴۰۵
قوتِ تحریر	۴۰۶
مذاقِ شاعری	۴۰۷
حفظِ اشعار	۴۱۱
علم الانساب	۴۱۳
عبرانی زبان سے واقفیت	۴۱۳
ذہانت	۴۱۴
اصابتِ رائے۔	۴۱۷
متعدد احکام کا حضرت عمر رضؓ کی رائے کے موافق نازل ہونا۔	۴۱۷
عبادات کا اہتمام	۴۱۹
بے تعصبی	۴۲۱
مجلس علمی	۴۲۲
اربابِ صحبت	۴۲۲
اہلِ کمال کی قدردانی	۴۲۶
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین کا لحاظ۔	۴۲۸
تواضع وسادگی	۴۲۹
زندہ دلی	۴۳۱
وسائلِ معاش ، تجارت	۴۳۵
جاگیر	۴۳۵
مشاہرہ	۴۳۵
زراعت	۴۳۵
غذا ۔ لباس	۴۳۶
حلیہ	۴۳۷
اولیات	۴۳۷
ازواج و اولاد	۴۴۰
خاتمہ	۴۴۴

مکتبہ امدادیہ ، ملتان ، پاکستان

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الفاروق جس کا غلغلہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے اوّل اوّل اُس کا نام زبانوں پر اس تقریب سے آیا کہ "المامون" طبع اوّل کے دیباچہ میں ضمناً اُس کا ذکر آ گیا تھا۔ اسکے بعد اگرچہ مصنف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا تاہم نام میں کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلتا گیا یہاں تک کہ اُس کے ابتدائی اجزا ابھی تیار نہیں ہو چکے تھے کہ تمام مُلک میں اس سرے سے اُس سرے تک "الفاروق" کا لفظ بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔

ادھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الفاروق کا سلسلہ رُک گیا اور اُس کے بجائے دوسرے دوسرے کام چھڑ گئے، چنانچہ اس اثنا میں متعدد تصنیفیں مصنف کے قلم سے نکلیں اور شائع ہوئیں۔ لیکن چونکہ نگاہیں فاروق اعظمؓ کے کوکبۂ جلال کا انتظار کر رہی تھیں اُن کو کسی دوسرے جلوہ سے سیری نہیں ہو سکتی تھی۔ سوء اتفاق یہ کہ مجھ کو الفاروق کی طرف سے بیدلی کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ مَیں نے اس تصنیف سے گویا ہاتھ اُٹھا لیا تھا لیکن مُلک کی طرف سے تقاضے کی صدائیں رہ رہ کر اس قدر بلند ہوتی تھیں کہ مَیں مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ رکھ کر اُٹھا لیتا تھا۔ بالآخر ۱۸ اگست ۱۸۹۴ء عیسوی کو مَیں نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا اور مستقل اور مسلسل طریقے پر اس کام کو شروع کیا۔ ملازمت کے فرائض اور اتفاقی موانع وقتاً فوقتاً اب بھی سدِّ راہ ہوتے رہے یہاں تک کہ متعدد دفعہ کئی کئی مہینے کا ناغہ پیش آ گیا لیکن چونکہ کام کا سلسلہ مطلقاً بند نہیں ہوا اس لئے کچھ نہ کچھ ہوتا گیا یہاں تک کہ آج پورے چار برس کے بعد یہ

marfat.com

منزل طے ہوئی اور قلم کے مسافر نے، کچھ دنوں کے لئے آرام لیا۔

شکر کہ جمّازہ بمنزل رسید زورقِ اندیشہ بساحل رسید

یہ کتاب دُو۲ حصّوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّے میں تمہید کے علاوہ حضرت عمرؓ کی ولادت سے وفات تک کے واقعات اور فتوحات مُلکی کے حالات ہیں۔ دوسرے حصّے میں اُن کے مُلکی اور مذہبی انتظامات اور علمی کمالات اور ذاتی اخلاق اور عادات کی تفصیل ہے اور یہی دوسرا حصّہ مُصنّف کی سعی و محنت کا تماشا گاہ ہے۔

اِس کتاب کی صحتِ طبع میں اگرچہ کچھ کم کوشش نہیں کی گئی۔ کاپیاں مَیں نے خود دیکھیں اور بنائیں، لیکن متواتر تجربوں کے بعد مجھ کو اِس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مَیں اِس وادی کا مردِ میدان نہیں۔ کاپیوں کے دیکھنے میں ہمیشہ میری نگاہ سے غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ اور مَیں اِس کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر صاحب مطبع اجازت دیں تو اس قدر کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اس جرم کا مَیں تنہا مجرم نہیں بلکہ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ بہرحال کتاب کے آخر میں ایک غلط نامہ لگا دیا گیا ہے جو کفّارہ جرم کا کام دے سکتا ہے۔

اِس کتاب میں بعض الفاظ کے املا کا طریقہ نیا نظر آئے گا مثلاً اضافت کی حالت میں "مکّہ" اور "مدینہ" کے بجائے "مکے" اور "مدینے"۔ اور جمع کی حالت میں "موقع" اور "مجمع" کے بجائے "موقعے" اور "مجمعے" لیکن یہ میرا طریق املا نہیں ہے بلکہ کاپی نویس صاحب کا ہے۔ اور وہ اِس کے برخلاف عمل کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب سلسلۂ آصفیہ کی فہرست میں داخل ہے۔ لیکن پہلے سلسلۂ آصفیہ کی ماہیّت اور حقیقت سمجھ لینی چاہیئے۔

ہمارے معزز اور محترم دوست شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی بجمیع القابہ کو تمام ہندوستان جانتا ہے۔ وہ جس طرح بہت بڑے مُصنّف، بہت بڑے مترجم،

marfat.com

بہت بڑے زبان داں ہیں۔ اُسی طرح بہت بڑے علم دوست اور اشاعتِ علوم و فنون کے بہت بڑے مُربّی اور سرپرست ہیں۔ اِس دوسرے وصف نے اُن کو اِس بات پر امادہ کیا کہ اُنہوں نے جناب نواب محمد فضل الدین خان سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک سروقار الامرا۔ بہادر۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ مدار المہام دولتِ آصفیہ خلدہا اللہ تعالےٰ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ حضورِ پُرنور رستمِ دوران افلاطونِ زمان فلک بارگاہِ سپہ سالار مظفر الممالک فتح جنگ ہز ہائینس نواب میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ سلطانِ دکن خلد اللہ ملکہٗ کے سایۂ عاطفت میں علمی تراجم و تصنیفات کا ایک مُستقل سلسلہ قائم کیا جائے جو سلسلۂ آصفیہ کے لقب سے ملقب ہو اور وابستگانِ دولتِ آصفیہ کی جو تصنیفات خلعتِ قبول پائیں وہ اِس سلسلے میں داخل کی جائیں۔

جناب نواب صاحب ممدوح کو علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی طرف ابتدا سے جو التفات و توجہ رہی ہے اور جس کی بہت سی محسوس یادگاریں اسوقت موجود ہیں، اُس کے لحاظ سے جناب ممدوح نے اِس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ کئی برس سے یہ مُبارک سلسلہ قائم ہے۔ اور ہمارے شمس العلماء کی کتاب "تمدّنِ عرب" جس کی شہرت عالمگیر ہو چکی ہے اِسی سلک کا ایک بیش بہا گوہر ہے۔

خاکسار کو ۱۸۹۶ء میں جناب نواب ممدوح کی پیشگاہ سے عطیۂ ماہوار کی جو سند عطا ہوئی اُس میں یہ بھی درج تھا کہ خاکسار کی تمام آئندہ تصنیفات اِس سلسلے میں داخل کی جائیں۔

اِسی بنا پر یہ ناچیز تصنیف بھی اِس مبارک سلسلے میں داخل ہے۔

جلد اوّل کے آخر میں اسلامی دُنیا کا ایک نقشہ شامل ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عہد مبارک سے لیکر بنو امیہ کے زمانے تک ہر عہد کی فتوحات کا خاص خاص رنگ دیا گیا ہے جس کے دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر خلیفہ کے وقت میں دُنیا کا کس قدر حصّہ اسلام کے حلقہ میں شامل ہو گیا۔ یہ نقشہ اصل میں جرمن

marfat.com

کے چند لائق پروفیسروں نے تیار کیا تھا۔ لیکن چوں کہ وہ ہماری کتاب کے بیانات سے پورا پورا مطابق نہیں ہوتا تھا، اس لئے ہم نے اصل کتاب کے حاشیہ میں موقع بموقع اُن اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

شبلی نعمانی
مقام اعظم گڈھ
دسمبر ۱۸۹۸ء

marfat.com

حصّۂ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ای ہمہ در پردہ نہاں رازِ تو بی خبر انجام۔ زآغازِ تو

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علیٰ رسولہ محمد وّآلہ واصحابہ اجمعین

تمدّن کے زمانے میں جو علوم وفنون پیدا ہو جاتے ہیں اُن میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جن کا ہیولیٰ پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تمدّن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیار کرلیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا لقب سے مشہور ہو جاتا ہے۔ مثلاً استدلال اور اثباتِ مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب اُن سے کام لیتے تھے، لیکن جب ارسطو نے اِن جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اُس کا نام منطق ہوگیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا، تاریخ و تذکرہ بھی اِسی قسم کا فن ہے، دُنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا۔ تاریخ و تذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے، کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے۔ تفریح اور گرمیِ صحبت کے لئے مجالس میں پچھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔ باپ دادا کی تقلید کے لئے پُرانی عادات و رسوم کی یادگاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں، اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں۔ اِس بنا پر، عرب، عجم، ترک، تاتار۔ ہندی۔ افغانی۔ مصری۔ یونانی۔ غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا یکساں دعویٰ کرسکتی ہیں۔

تاریخ کا عنصر

لیکن اِس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص

عرب کی خصوصیت

marfat.com

خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں۔ جن کو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً انساب کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچّہ بچّہ اپنے آباؤ اجداد کے نام اور ان کے رشتے ناطے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا ایام العرب جس کی بدولت عکاظ کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں سلسلہ بسلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں، یا شاعری جس کا یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے والے بدو جن کو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی زبان آوری کے سامنے تمام عالم کو ہیچ سمجھتے تھے اور درحقیقت جس سادگی اور اصلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر کھینچ سکتے تھے دُنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

عرب میں تاریخ کی ابتدا

اِس بنا پر۔ عرب میں جب تمدّن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے بہت پہلے بادشاہان حیرۃ نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وُہ مدّت تک محفوظ رہے چنانچہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں تصریح کی ہے کہ میں نے ان تالیفات سے فائدہ اُٹھایا۔ اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتدا ہی میں پیدا ہو گیا تھا لیکن چونکہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ عمومًا۔ ایک مدّت کے بعد قائم ہوا اس لئے کوئی خاص کتاب اِس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہؓ المتوفی ۶۰ھ کے زمانے میں عبید بن شربہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا، اور اس کو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہؓ نے اس کو صنعاء سے بُلایا، اور کاتب اور محرّر متعین کئے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلمبند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس کی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب کا نام "کتاب الملوک و اخبار الماضیین" لکھا ہے۔ غالبًا یہ وہی کتاب ہے جس کا مسوّدہ امیر معاویہؓ

marfat.com

کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد، عوانہ بن الحکم المتوفی ۱۴۷ھ کا نام ذکر کے قابل ہے جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہؓ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ ۱۱۷ھ میں ہشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصّل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا، اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

۱۴۳ھ میں جب تفسیر۔ حدیث۔ فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المتوفی ۱۵۱ھ نے منصور عباسی کے لئے خاص سیرتِ نبویؐ پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے مؤرخین کا دعوےٰ ہے کہ فنِ تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ نے آنحضرتؐ کے مغازی قلمبند کیے تھے۔ موسیٰ۔ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہؓ کا زمانہ پایا تھا اس لئے اُن کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے[1]۔

سیرتِ نبوی میں سب سے پہلی تصنیف

اس کے بعد فنِ تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور، مؤرخ پیدا ہوئے، جن میں ابو مخنف، کلبی، واقدی زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام، قریش کے پیشے، قبائلِ عرب کے مناظرات، جاہلیت اور اسلام کے احکام کا توارد۔ اِن مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔ رفتہ رفتہ اِس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک دفترِ بے پایاں تیار ہو گیا اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحبِ قلم کا موضوع اور عنوان جُدا تھا۔

اِس دَور میں بے شمار مؤرخ گزرے۔ ان میں جن لوگوں نے بالتخصیص آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہؓ کے حالات میں کتابیں لکھیں اُن کی مختصر سی فہرست یہ ہے:۔

قدیم مؤرخین

کیفیت	تصنیف	نام مصنّف
	غزوات نبوی	نجیح مدنی

[1] موسیٰ بن عقبہ کے لیے تہذیب التہذیب۔ و مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری، دیکھو۔ ۱۲

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجمل یعنی حضرت علیؓ اور عائشہؓ کی لڑائی کا حال۔	
سیف بن عمر الاسدی	کتاب الفتوح الکبیر	نہایت مشہور مؤرخ ہے۔
معمر بن راشد کوفی	کتاب المغازی	امام بخاری کے اُستاذ الاستاذ تھے
عبد اللہ بن سعد زہری المتوفی ۳۸۰ سنہ ھ	فتوحات خالد بن الولید	
ابوالبختری وہب بن وہب	کتاب صفۃ النبی صلعم وکتاب فضائل الانصار	۲۰۰ سنہ ھ میں انتقال کیا۔
ابوالحسن علی بن محمد بن عبد اللہ المدائنی۔ المتوفی ۲۲۴ سنہ ھ		اِس نے آنحضرتؐ اور خلفاء کے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کئے۔
احمد بن حارث خزاز	کتاب المغازی۔ اسماء الخلفاء وکتابہم۔	مدائنی کا شاگرد تھا۔
عبد الرحمٰن بن عبدہ۔	مناقب قریش	نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ تھا۔
عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ سنہ ھ	کتاب امراء الکوفۃ۔ کتاب امراء البصرۃ۔	مشہور مؤرخ

قدما کی جو تصنیفات آج موجود ہیں

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد، قریب تر زمانے میں لکھی گئیں، ان میں اِن تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے، چنانچہ ہم اُن کے نام اُن کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں:-

marfat.com

عبداللہ بن مسلم بن قیتبۃ المتولد ۲۱۳ھ والمتوفی ۲۷۶ھ۔ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے۔ محدثین بھی اس کے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اسکی مشہور کتاب "معارف" ہے جو مصر وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اُس میں ایسے مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اس کی کتاب کا نام "الاخبار الطوال" ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں، خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیدن ۱۸۸۸ء میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی، المتوفی ۲۳۰ھ نہایت ثقہ اور معتمد مؤرخ ہے، اگرچہ اُس کا استاد واقدی ضعیف الروایۃ ہے لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ اُس نے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات، کو محدثانہ طور پر بہ سند لکھا ہے یہ کتاب طبقات بن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے، اب جرمن میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مؤرخ ہے۔ مجھ کو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے۔ چونکہ اسکو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اس لئے تاریخ کا اچھا سرمایہ بہم پہنچا سکا ہے۔ اس کی کتاب جو "تاریخ یعقوبی" کے نام سے مشہور ہے۔ یورپ میں بمقام لیدن ۱۸۸۳ء میں چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحیی البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا۔ اس کی وسعت نظر، اور صحت روایت، محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔

marfat.com

تاریخ ورجال میں اِس کی دوؔ کتابیں مشہور ہیں ۔ فتوح البلدان ۔ انساب الاشراف ۔ پہلی کتاب کا یہ طرز ہے ۔کہ بلادِ اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ ، یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں ،اور اُن کے متعلق ابتداء سے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں ۔ دوسری کتاب ، تذکرے کے طور پر ہے جس میں حضرت عمرؓ کے حالات بھی ہیں ۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے ۔اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ ۔ قسطنطنیہ میں میری نظر سے گزرا ہے ۔

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے ۔ تاریخ میں اُنہوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے ۔ اور یورپ میں بمقام لیدن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے ۔

ابوالحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۸۶ھ فن تاریخ کا امام ہے ۔ اسلام میں آج تک اِس کے برابر کوئی وسیع النظر مؤرخ پیدا نہیں ہوا ۔ وہ دُنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا ۔ اِس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ ہوتی ، لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بد مذاقی سے اِس کی اکثر تصنیفات ، ناپید ہو گئیں ۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دوؔ کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتنبیہ ۔ مروج الذہب مصر میں چھپ گئی ہے ۔

متاخرین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدما کا دَور کہلاتا ہے ۔ پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دَور شروع ہوتا ہے جو فنِ تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے ۔ متاخرین میں اگرچہ بیشمار مؤرخ گذرے جن میں سے ابن الاثیر ۔ سمعانی ۔ ذہبی ۔ ابوالفداء ۔ نویری ۔ سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا ۔ قدماء کی جو خصوصیات تھیں ، کھو دیں اور خود کوئی

marfat.com

قدما کی خصوصیتیں

نئی بات نہیں پیدا کی۔ مثلاً قدما کی ایک یہ خصوصیت تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی۔ متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اس کے کہ اُس پر کچھ اضافہ کر سکیں، تغیر اور اختصار کے ساتھ اس کا قالب بدل دیا، تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلقان نے "من خیار التواریخ" کہا ہے اور در حقیقت اسکی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کر دیں، لیکن جہاں تک زمانے کا اشتراک ہے ایک بات بھی اُس میں طبری سے زائد نہیں مل سکتی اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انہوں نے اپنی تصنیف کا مدار، صرف ابن الاثیر پر رکھا "وھلم جرًا"۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ متاخرین نے قدما کی کتابوں کا جو اختصار کیا اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی، وہی اُس تمام واقعہ کی رُوح تھی، چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اِسکی بہت سی مثالیں آئیں گی۔

قدما میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح بسندِ متصل نقل کرتے تھے۔ متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا، ایک اور خصوصیت قدما میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت و تمدن پر جُدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن ضمناً اُن جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اُس نے فلسفۂ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے۔ اِسی طرح اُس کا شاگرد علامہ مقریزی بھی نکتہ چینی کے بجائے، مدح و ستائش کا مستحق ہے۔

بہرحال "الفاروق" کی تالیف کے لیے جو سرمایہ کام آ سکتا تھا وہ یہی قدما کی تصنیفات تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرہ کے فن نے آج جو ترقی کی ہے اُس کے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چنداں کار آمد نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ فن تاریخ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے؟

marfat.com

تاریخ کی تعریف

تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ "فطرت کے واقعات، نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کئے ہیں، اور انسان نے عالمِ فطرت پر جو اثر ڈالا ہے، ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے"۔ ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے "ان واقعات اور حالات کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ، گذشتہ زمانے سے، کیوں کر بطور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے"۔ یعنی چونکہ یہ مسلّم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن، معاشرت، خیالات مذاہب موجود ہیں۔ سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں جو خواہ مخواہ ان سے پیدا ہونے چاہیئے تھے۔ اس لئے اُن گذشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور اُن کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ ہر موجودہ واقعہ گزشتہ واقعات سے کیوں کر پیدا ہوا، اسی کا نام تاریخ ہے۔

اِن تعریفات کی بنا پر تاریخ کے لئے دو باتیں لازمی ہیں۔

تاریخ کے لئے کیا چیزیں لازم ہیں

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے۔ اُس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلمبند کئے جائیں، یعنی تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب، ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ مہیا کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

قدیم تاریخوں کے نقص اور اُسکے اسباب

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ رعایا کے اخلاق و عادات، اور تمدن و معاشرت، کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا، فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں لیکن اِن میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخوں تک محدود نہیں، بلکہ کُل ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا، اور ایسا ہونا مقتضائے اسباب تھا۔ ایشیا میں ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا، اور فرمانروائے وقت، کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں ہیچ ہوتی تھیں، اس کا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آتے اور چونکہ اُس زمانے میں قانون اور

marfat.com

قاعدہ جو کچھ تھا، بادشاہ کی زبان تھی، اس لئے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا۔

واقعات میں سلسلۂ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے۔ اس لئے فلسفۂ تاریخی کے اصول و نتائج پر اُن کی نظر نہیں پڑسکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیر میں روایت کا پلہ ہمیشہ درایت سے بھاری رہا بلکہ انصاف یہ ہے کہ درایت سے جس قدر کام لیا گیا نہ لئے جانے کے برابر تھا۔ اخیر اخیر میں ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اُس کے اصول و آئین منضبط کئے۔ لیکن اُس کو اس قدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام لے سکتا۔ اُس کے بعد مسلمانوں میں علمی تنزل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جس کی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناتمام رہا یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں ان کو مختلف فنون سے رابطہ ہوتا ہے۔ مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے، انتظامی اُمور قانون سے، اخلاقی تذکرے علم الاخلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ مؤرخ اگر ان تمام علوم کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے ورنہ اُس کی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی جیسی کہ ایک عامی کی ہو سکتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشا۔ پرداز کا گزر ہو جو انجینئری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دل کش پیرائے میں کرے گا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ لیکن اگر اُس کے بیان میں خاص انجینئری کے علمی اصول اور اس کی باریکیاں ڈھونڈی جائیں تو نہ مل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھ کر بھی فنِ جنگ کے اصول پر کوئی

marfat.com

معتد بہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی ۔

انتظامی اُمور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پتہ نہیں لگتا کہ مؤرخین خود قانون دان نہ تھے۔ اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہوتا جو تاریخ کے ساتھ فنِ جنگ، اُصولِ قانون، اصولِ سیاست، علم الاخلاق سے بھی، آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوتا ۔

واقعات کی صحت کا معیار

یہ بحث تو اِس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے۔ اور جس قدر ہوتے ہیں اُن میں اسباب وعلل کا سلسلہ نہیں ملتا۔ لیکن اِن کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے۔ وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود اُن کی صحت پر کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے؟ واقعات کے جانچنے کے صرف دو[۲] طریقے ہیں۔ روایت[۱]۔ درایت[۲]۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اُس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اُس واقعہ میں موجود تھا اور اُس سے لے کر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔ اِس کے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابط تھے یا نہیں۔

درایت سے یہ مراد ہے کہ اصولِ عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

روایت

اِس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ اُنہوں نے جس قدر اعتناء کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ اُنہوں نے ہر قسم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اِس تفحص اور تلاش سے بہم پہنچائے کہ اُس کو ایک مستقل فن بنا دیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اصل میں احادیث نبوی کے لئے شروع ہوا تھا لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے محروم نہ رہا۔ طبری۔ فتوح البلدان طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات بسندِ متصل مذکور ہیں۔ یورپ نے فنِ تاریخ کو آج کمال کے درجے پر پہنچا دیا ہے لیکن اِس خاص امر میں وہ مسلمان مؤرخوں سے بہت پیچھے ہیں۔ ان کو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ جرح

marfat.com

وتعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت کے اُصول بھی اگرچہ موجود تھے چنانچہ ابن حزم ابن القیم خطابی ابن عبدالبر نے درایت متعدد روایتوں کی تنقید میں اِن اُصولوں سے کام لیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ اِس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہیئے تھی نہیں ہوئی"۔ اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا البتہ علامہ ابن خلدون نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اُصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کئے چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

ان الاخبار اذا اعتمد فیها علی مجرد النقل ولم تحکم اصول العادة وقواعد السیاسة وطبیعة العمران والاحوال فی الاجتماع الانسانی ولا قیس الغائب منها بالشاهد والحاضر بالذاهب فربما لم یؤمن فیها من العثور۔

خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کرلیا جائے اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضاء کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گذشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزش ہوگی۔

علامہ موصوف نے تصریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے، پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیئے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن بھی ہے یا نہیں، کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ اِن موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعدِ تمدّن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق بیان کئے گئے اُن کی آج کہاں تک تلافی کی جا سکتی ہے یعنی ہم اپنی کتاب (الفاروق) میں کس حد تک اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔

marfat.com

اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمرؓ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اس کی تلافی ہوسکتی ہے۔ مثلاً الاحکام السلطانیہ لابن الوردی و مقدمہ ابن خلدون وکتاب الخراج سے حضرت عمرؓ کے طریقِ حکومت و آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوسکتی ہیں، اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع سے خاص صیغۂ قضا کے متعلق ان کا طریقِ عمل معلوم ہوتا ہے۔ کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری و محاسن الوسائل الی اخبار الاوائل میں اُن کی اوّلیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان والتبیین للجاحظ میں اُن کے خطبات منقول ہیں۔ کتاب العمدۃ لابن رشیق القیروانی سے ان کا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ میدانی نے کتاب الامثال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کئے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں اُن کے اخلاق اور عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں اُن کے فقہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

یہ تمام تصنیفات[1] میرے پیش نظر ہیں اور میں نے اُن سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ریاض النضرۃ للمحب الطبری میں بھی حضرت عمرؓ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اُسمیں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں اس لئے میں نے دانستہ اُس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لئے درایت کے اُصول سے بہت بڑی مدد مِل سکتی ہے۔

درایت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور اُس کے اُصول و قاعدے نہایت

[1] ان تصنیفات میں سے کتاب الاوائل اور کتاب العمدہ کا قلمی نسخہ میرے کتب خانہ میں موجود ہے۔ سیرۃ العمرین، اخبار القضاۃ اور محاسن الوسائل کے نسخے قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں، اور میں نے ان سے ضروری عبارتیں نقل کر لی تھیں باقی کتابیں چھپ گئی ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔

marfat.com

خوبی سے منضبط ہو گئے ہیں ان میں سے جو اُصول ہمارے کام میں آسکتے ہیں حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ واقعہ مذکورہ، اُصول عادت کے رُو سے ممکن ہے یا نہیں؟

۲۔ اُس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟

۳۔ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں؟

۴۔ اِس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اُس میں اُس کے قیاس اور رائے کا کس قدر حصّہ شامل ہے؟

۵۔ راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اِس امر کا احتمال ہے کہ راوی اُس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں۔

۶۔ اِس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقۂ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کِس کِس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں۔

ان اُصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور اِن کے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جس قدر تاریخیں متداول ہیں ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمرؓ کے نہایت سخت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اِس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اُس زمانے کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا، اور اسی کے ساتھ قدیم زمانے کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تعصب آتا گیا ہے اُسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئی ہیں۔ تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج۔ تاریخ طبری وغیرہ) میں یہ روایت اِس قید کے ساتھ منقول ہے

اصول درایت سے جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے

کہ جس وقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اُس وقت عیسائی ناقوس نہ بجائیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ قبیلہ تغلب کے عیسائی اپنے بچوں کو اصطباغ نہ دینے پائیں لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ "جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں اُن کے بچوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے۔"

یا مثلاً بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے تحقیر اور تذلیل کے لئے عیسائیوں کو ایک خاص لباس پہننے پر مجبور کیا تھا لیکن زیادہ تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے چنانچہ اسکی مفصل بحث آگے آئے گی۔

یا مثلاً وہ روائتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتی ہیں ان میں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جس قدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے اُسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئیں ہیں۔ فدک۔ قرطاس۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر ابن سعد۔ بیہقی۔ مسلم۔ بخاری۔ سب نے نقل کیے ہیں لیکن جس قدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے اُسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے چنانچہ اس کا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئے گا۔

انہی اصولِ عقلی کی بنا پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہوں گے۔ مثلاً یہ مسلّم ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے واقعات سو برس کے بعد تحریر میں آئے اس بنا پر یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلیں مثلاً صف آرائی کی کیفیت، فریقین کے سوال و جواب۔ ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی۔ پہلوانوں کے داؤ پیچ۔ اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعدِ حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود رہے۔

marfat.com

اِس لئے اُن کی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں اکبر نے ہندوستان میں جو آئین اور قاعدے جاری کئے ایک ایک بچّہ اُن سے واقف ہے اور اُن کی نسبت کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا جس کی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اُس کے لئے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ انتظامات مُدّت تک قائم رہے اور اکبر کے نام سے اُن کو شہرت تھی۔

حضرت عمرؓ کے خُطبے اور حکمت آمیز مقولے جو منقول ہیں اُن کی نسبت یہ قیاس کرنا چاہیئے کہ جو فقرے زیادہ پُر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں کیونکہ ایک فصیح مقرّر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہ جاتے ہیں اور اُن کا مدت تک چرچا رہتا ہے جن میں کوئی خاص نُدرت اور اثر ہوتا ہے۔ اِسی طرح خطبوں کے وہ جُملے ضرور قابلِ اعتماد ہیں جن میں احکامِ شرعیّہ کا بیان ہے کیونکہ اِس قسم کی باتوں کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے تھے۔

جو واقعات اُس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابلِ ذکر نہ تھے اور باوجود اس کے اِن کا ذکر آجاتا ہے اُن کی نسبت سمجھنا چاہیئے کہ اصل واقعہ اُس سے زیادہ ہوگا۔ مثلاً ہمارے مؤرخین رزم و بزم کی معرکہ آرائیوں اور رنگینیوں کے مقابلے میں انتظامی اُمور کے بیان کرنے کے بالکل عادی نہیں ہیں۔ بااِیں ہمہ حضرت عمرؓ کے حال میں عدالت۔ پولیس۔ بندوبست۔ مردم شماری وغیرہ کا ضمناً جو ذکر آجاتا ہے اُس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہیئے کہ جس قدر قلمبند ہوا۔ اُس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زہد و تقشف۔ سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سیکڑوں روایتیں مذکور ہیں اور بے شبہ اور صحابہؓ کی نسبت یہ اوصاف اُن میں زیادہ تھے۔ لیکن اِس کے متعلق اُن تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہیئے جو حلیۃ الاولیاء۔ ابنِ عساکر۔ کنز العمال۔ ریاض النضرہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عموماً گرمیٔ محفل کا سبب ہوتی تھیں اور عوام اُن کو نہایت ذوق سے سنتے تھے اِس لئے اُن میں خود بخود مبالغہ کا رنگ آتا گیا ہے۔ اِس کی تصدیق اِس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں اُن میں یہ روایتیں بہت

marfat.com

کم پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے میں نے اس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں اُن میں بڑی احتیاط کی ہے اور ریاض النضرۃ و ابن عساکر و حلیۃ الاولیاء وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظرانداز کیا ہے۔

تاریخ کا طرزِ تحریر

اخیر میں طرزِ تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضرور ہے۔ آجکل کی اعلیٰ درجے کی تاریخیں جنہوں نے قبولِ عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشاء پردازی سے مرکب ہیں اور اس طرز سے بڑھ کر اور کوئی طرز مقبولِ عام نہیں ہو سکتا۔ لیکن درحقیقت تاریخ اور انشاء پردازی کی حدیں بالکل جدا جدا ہیں۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔

تاریخ اور انشاپردازی کا فرق

نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی حصّہ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اُس کی ہیئت، شکل، سمت، جہت، اطراف، اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے۔ بخلاف اس کے مصوّر صرف ان خصوصیتوں کو لے گا یا اُن کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھلائیگا جن میں کوئی خاص اعجوبگی ہے اور جن سے انسان کی قوتِ منفعلہ پر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مؤرّخ لکھے گا تو سادہ طور پر واقعہ کے تمام جزئیات بیان کر دیگا لیکن ایک انشاء پرداز ان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سہراب کی مظلومی و بیکسی اور رستم کی ندامت و حسرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے؛ اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے کے نظر نہ آئیں۔

مؤرخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے۔ یورپ میں آجکل جو بڑا مؤرّخ گزرا ہے اور جو طرزِ حال کا موجد ہے رینکی ہے اس کی تعریف ایک پروفیسر نے ان الفاظ میں کی ہے: "اس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ ملک کا ہمدرد بنا نہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق پتہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اُس کا ذاتی اعتقاد کیا ہے۔"

یہ امر بھی جتا دینا ضرور ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلے

marfat.com

پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے اسباب وعلل کے سلسلے پیدا کرنے کے لئے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس لئے مؤرخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں لیکن یہ اُس کا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اس قدر مخلوط نہ کردے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کرسکے۔ اہلِ یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے لئے ایسی ترتیب اور انداز سے لکھتے ہیں کہ واقعہ بالکل اُن کے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کرسکتا۔

اِس کتاب کی ترتیب اور اُصول تحریر کے متعلق چند اُمور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

۱۔ بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں اور مختلف عنوانوں کے تحت میں آسکتے ہیں اس لئے اِس قسم کے واقعات کتاب میں مکرّر آگئے ہیں اور ایسا ہونا ضرور تھا لیکن یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوان کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اُس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھلائی گئی ہے۔

۲۔ کتابوں کا حوالہ زیادہ تر اُنہیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابلِ تحقیق تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

۳۔ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم رتبہ ہیں مثلاً ازالۃ الخفاء وریاض النضرۃ وغیرہ اُن کا جہاں حوالہ دیا ہے اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اُس روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کرلی گئی تھی۔

غرض کئی برس کی سعی ومحنت اور تلاش وتحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

من کہ یک چند زدم مہر خموشی برلب — کس چہ داند کہ دریں پردہ چہ سودا کردم
پیکرے تازہ کہ خواہم بہ عزیزان بنمود — لختے از ذوق خودش نیز تماشا کردم
محفل از بادۂ دوشینہ نیاسود ہنوز — بادہ تند تر از دوش بہ مینا کردم

marfat.com

باز خواہم کہ دمم در تنِ اندیشہ رواں! | من کہ دریوزۂ فیض از دمِ عیسیٰ کردم
ہمنشیں نکتۂ حکمت ز شریعت می جست | لختے از نسخۂ روح القدس املا کردم
شاہدِ راز کہ کس پردہ ز رویش نگرفت | گرہ از بندِ قبائش بہ فسوں وا کردم
بسکہ ہر بار گہر پاش گذشتم زیں راہ | دشتِ معنی ہمہ پر لولوی لالا کردم

نام و نسب۔ سنِ رشد و تربیت

سلسلۂ نسب یہ ہے عمرؓ بن خطاب بن نُفیل بن عبد العُزّیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قُرط بن رُزاح بن عدی۔ بن کعب بن لوے بن فہر بن مالک۔

اہلِ عرب عموماً عدنان۔ یا قحطان کی اولاد ہیں۔ عدنان کا سلسلہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ عدنان کے نیچے گیارھویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے انہی کی اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے۔ قریش کی نسل میں دس شخصوں نے اپنے زورِ لیاقت سے بڑا امتیاز حاصل کیا، اور اُن کے انتساب سے دس جدا نامور قبیلے بن گئے۔ یعنی ہاشم۔ اُمیہ۔ نوفل۔ عبد الدار۔ اسد۔ تیم۔ مخزوم۔ عدی۔ جمح۔ سہم۔ حضرت عمرؓ۔ عدی کی اولاد سے ہیں۔ عدی کے دوسرے بھائی مُرّۃ تھے۔ جو رسول اللہ صلعم کے اجداد سے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلعم سے آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔

قریش چونکہ خانۂ کعبہ کے مجاور بھی تھے اس لئے دنیاوی جاہ وجلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا چتر بھی اُن پر سایہ فگن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلاؤ سے، اُن لوگوں کے کاروبار کے مختلف صیغے پیدا ہو گئے تھے، اور ہر صیغے کا اہتمام جُدا جُدا تھا مثلاً خانۂ کعبہ کی نگرانی۔ حجاج کی خبر گیری۔ سفارت۔ شیوخِ قبائل کا انتخاب۔ فصلِ مقدمات۔ مجلس شوریٰ وغیرہ وغیرہ۔ عدی جو حضرت عمرؓ کے جدِ اعلیٰ تھے اِن صیغوں میں سفارت کے صیغے

marfat.com

کے افسر تھے، یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے ہے، اس کے ساتھ منافرہ کے معرکوں میں ثالث بھی یہی ہوا کرتے تھے۔ عرب میں دستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی کو افضلیت کا دعوےٰ ہوتا تو ایک لائق اور پایہ شناس شخص ثالث مقرر کیا جاتا اور دونوں اُس کے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے۔ کبھی کبھی ان جھگڑوں کو اس قدر طول ہوتا کہ مہینوں معرکے قائم رہتے۔ جو لوگ ان معرکوں میں حَکَم مقرر کئے جاتے اُن میں معاملہ فہمی کے علاوہ، فصاحت اور زورِ تقریر کا جوہر بھی درکار ہوتا تھا۔ یہ دونوں منصب عدیؔ کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے جدامجد — حضرت عمرؓ کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اس وجہ سے بڑے بڑے عالی رتبہ لوگوں کے مقدمات اِن کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے آتے تھے۔ رسول اللہ صلعم کے جدامجد عبدالمطلب اور حرب بن اُمیّہ میں جب ریاست کے دعویٰ پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حَکَم مانا۔ نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اُس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے :-

اَتُنَافِرُ رَجُلاً هُوَ اطوَلُ مِنكَ قَامَةً وَاوَسَمُ وَسَامَةً وَاَعْظَمُ مِنْكَ هَامَةً وَاكثر مِنكَ وَلَداً وَاجْزَلُ مِنكَ صَفَداً وَاِنِّي لَاقُولُ هٰذا وَانّكَ لبَعِيْدُ الغضبِ رفيع الصوت فى العَرَبِ جلد المرِيْدَة لحبُل العشيرة ۔

حضرت عمرؓ کے برادر عم زاد زید — نفیل کے دو بیٹے تھے۔ عمرو، خطّاب۔ عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن ان کے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی تھے نہایت عالی دماغ شخص تھے۔ وہ اُن ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے، اپنے اجتہاد سے بُت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور مُوَحِّد بن گئے تھے ان میں زید کے سوا باقیوں کے نام یہ ہیں۔ قس بن ساعدہ ورقہ بن نوفل۔

ا۔ یہ تمام تفصیل عقد الفرید باب فضائل العرب میں ہے۔

marfat.com

زید بُت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ بُرا کہتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے اس پر تمام لوگ ان کے دشمن ہو گئے جن میں حضرت عمرؓ کے والد، خطّاب سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ خطّاب نے اِس قدر اُن کو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکّہ معظمہ سے نکل گئے اور حرا میں جا رہے، تاہم کبھی کبھی چھُپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے۔ زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں۔ جن سے اُن کے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہو سکتا ہے دو شعر یہ ہیں[1]:-

ادبًّا واحدًا ام الفَ ربٍّ	ایک خدا کو مانوں۔ یا ہزاروں کو؟ میں نے
ادِینُ اِذَا انقسمتِ الامورُ	لات اور عزیٰ (بتوں کے نام تھے) سب کو
ترکتُ اللاتَ والعزّیٰ جمیعًا	خیر باد کہا اور سمجھ دار آدمی ایسا ہی کرتا
کذٰلِکَ یفعَلُ الرّجلُ البصیر	ہے۔

حضرت عمرؓ کے والد خطّاب

خطّاب حضرت عمرؓ کے والد، قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے[2]، قبیلہ عدی، اور بنو عبد الشمس میں مدّت سے عداوت چلی آتی تھی۔ اور چونکہ بنو عبد الشمس کا خاندان بڑا تھا اِس لئے غلبہ انہیں کو رہتا تھا۔ عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطّاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر بنو سہم کے دامن میں پناہ لی۔ اِس پر بھی مخالفوں نے بڑے زور کی دھمکی دی تو خطّاب نے یہ اشعار کہے:

ایوعِدُنِی ابو عمرو و دونی	رجالٌ لاینھنھا الوعید
رجالٌ مِن بنی سہم بن عمرو	الی ابیاتھم یاوی الطرید

کل آٹھ شعر ہیں اور علامہ ازرقی نے تاریخ مکّہ میں اُن کو بتمامہا نقل کیا ہے۔ عدیؔ کا تمام خاندان مکّہ معظمہ میں مقام صفا میں سکونت رکھتا تھا لیکن جب اُنہوں نے بنو سہم سے تعلّق پیدا کیا تو مکانات بھی انہی کے ہاتھ میں بیچ ڈالے، لیکن خطّاب کے متعدّد مکانات صفا میں بھی باقی رہے جن میں سے ایک مکان حضرت عمرؓ کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان۔ صفا

[1] زید کا مفصل حال اسد الغابہ۔ کتاب الاوایل۔ اور معارف ابن قتیبہ میں ملیگا۔ [2] کتاب المعارف ابن قتیبہ۔

marfat.com

ومروہ کے بیچ میں تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اُس کو ڈھا کر حاجیوں کے اُترنے کے لئے میدان بنا دیا لیکن اُس کے متعلق بعض دکانیں مدت تک حضرت عمرؓ کے خاندان کے قبضے میں رہیں۔[1]

خطاب نے متعدد شادیاں اونچے اونچے گھرانوں میں کیں، چنانچہ حضرت عمرؓ کی ماں جن کا نام ختنمہ تھا ہشام بن المغیرہ کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ اس رتبے کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلے سے لڑنے کے لئے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے اُن کو صاحب الاعنّہ کا لقب حاصل تھا۔ حضرت خالدؓ۔ انہی کے پوتے تھے۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمرؓ کے نانا تھے ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمرؓ کی ولادت

حضرت عمرؓ مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے ان کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن العاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسے میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً ایک غل اُٹھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ اِس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی، اُن کے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اور کیونکر معلوم ہوتے۔ اُس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر فاروق اعظمؓ ہونے والا ہے۔ تاہم نہایت تفحص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات بہم پہنچے جس کا یہاں نقل کرنا ناموزوں نہ ہوگا۔

سن رشد

سن رشد کو پہنچ کر خطاب ان کے باپ نے اُن کو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب نہایت بیرحمی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمرؓ کو یہ مصیبت انگیز

[1] تاریخ مکہ للازرقی ذکر رباع بنی عدی بن کعب

marfat.com

خدمت انجام دینی پڑتی تھی اُس کا نام ضجنان تھا جو مکہ معظمہ سے قریب، قدید سے ۱۰ میل کے فاصلے پر ہے، خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا اُدھر گزر ہوا تو اُن کو نہایت عبرت ہوئی۔ آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ "اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں نمدے کا کُرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا، میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں"۔[1]

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمرؓ، اُن شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً معمول تھے۔ عرب میں اِس وقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمۂ شرافت خیال کی جاتی تھیں، نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی، اور مقرری تھی۔ نسب دانی کا فن حضرت عمرؓ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں بتصریح لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ، اور اُن کے باپ اور دادا نُفیل۔ تینوں بہت بڑے نساب تھے[2]۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے خاندان میں جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں سفارت اور اور فیصلۂ منافرہ یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے اور ان کے انجام دینے کے لئے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا۔ حضرت عمرؓ نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جاحظ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل کیا یہاں تک کہ عکاظ کے دنگل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے۔ عُکاظ۔ جبلِ عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اِس غرض سے میلا لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہلِ فن جمع ہو کر اپنے کمالات کے جوہر دکھلاتے تھے، اِس لئے صرف وہی لوگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے۔ نابغہ ذبیانی۔ حسان بن ثابت۔ قس بن ساعدۃ۔ خنساء جن کو شاعری اور ملکہ تقریر میں

[1] طبقات بن سعد [2] کتاب مذکور مطبوعہ مصر۔ ص۔ ۱۱۷ و ۱۲۲

marfat.com

تمام عرب مانتا تھا اِسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں بسند۔ یہ روایت نقل کی ہے کہ "عکاظ کے دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے۔" اِس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اِس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا۔

شہسواری کی نسبت اِن کا کمال عموماً مسلّم ہے چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اُچھل کر سوار ہوتے تھے اور اِس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔

قوتِ تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مُصرّح شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مورخین نے باتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دے دیا تھا، اور یہ منصب صرف اُس شخص کو مِل سکتا تھا جو قوتِ تقریر اور معاملہ فہمی میں کمال رکھتا تھا۔

اِس کتاب کے دوسرے حِصّے میں ہم نے اِس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ اشعار اُن کو یاد تھے۔ اِس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ یہ مذاق اُنہوں نے جاہلیت ہی میں عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہوگا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہوگئے تھے کہ اِس قسم کے چرچے بھی چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔

اِسی زمانے میں اُنہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اِس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔ علامہ بلاذری نے بہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں ۱۷ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے اُن میں سے ایک عمرؓ بن خطّاب تھے۔[1]

اِن فنون سے فارغ ہوکر وہ فکرِ معاش میں مصروف ہوئے۔ عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا اِس لئے اُنہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل اُن کی بہت

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۷۱

marfat.com

بڑی ترقیوں کا سبب ہوا۔ وہ تجارت کی غرض سے دُور دُور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے، خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ دانی، یہ تمام اوصاف جو اُن میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے سب انہی سفروں کی بدولت تھے۔ ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں گے لیکن افسوس ہے کہ کسی مورخ نے ان پر توجّہ نہیں کی، علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں صرف اِس قدر لکھا ہے کہ :۔

ولعمر بن الخطاب اخبار کثیرۃ فی اسفارہ فی الجاھلیۃ الی الشام والعراق مع کثیر من ملوک العرب والعجم وقد اتینا علی مبسوطھا فی کتابنا اخبار الزمان والکتاب الاوسط۔

عمرؓ بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے جو سفر کئے اور اُن سفروں میں جس طرح وہ عرب وعجم کے بادشاہوں سے ملے۔ اس کے متعلق بہت سے واقعات ہیں جن کو میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔

علّامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فنِ تاریخ کی جان ہیں لیکن قوم کی بدمذاقی سے مدّت ہوئی کہ ناپید ہو چکیں، مَیں نے صرف اِس غرض سے کہ حضرت عمرؓ کے اِن حالات کا پتہ لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محدّث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں جس کی بعض جلدیں میری نگاہ سے گزری ہیں حضرت عمرؓ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکوں، اور تجارت کے تجربوں نے اُن کو تمام عرب میں روشناس کر دیا اور لوگوں پر اُن کی قابلیت کے جوہر روز بروز کھُلتے گئے۔ یہاں تک کہ قریش نے ان کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا۔ قبائل میں جب کوئی پُرخطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر بنا کر بھیجتے۔

marfat.com

قبولِ اسلام اور ہجرت

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتابِ رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوتے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل نامانوس نہیں رہی تھی چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعیدؓ اسلام لاتے۔ سعید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہوگئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیمؓ بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بالکل بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوتے یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لاچکے تھے اُن کے دشمن بن گئے۔ لبینہ اُن کے خاندان میں ایک کنیز تھی جس نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اسکو بے تحاشا مارتے۔ اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اُترتا نہ تھا، ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کرسکے۔ آخر مجبور ہوکر فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کردیں۔ تلوار کمر سے لگا سیدھے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے۔ کارکنانِ قضا نے کہا ع

آمد آں یارے کہ ما مے خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیمؓ بن عبداللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر، ہے؟ بولے کہ محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں"۔ انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لاچکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پاکر چپ ہوگئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لئے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ بہن نے کہا کچھ نہیں۔ بولے کہ تمہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہوگئے ہو۔

marfat.com

یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہوگئے اور جب اُن کی بہن بچانے کو آئیں تو اُن کی بھی خبر لی یہاں تک کہ اُن کا بدن لہولہان ہوگیا۔ اِسی حالت میں اُن کی زبان سے نکلا کہ عُمرؓ! جو بن آئے کر و لیکن اسلام، اَب دِل سے نہیں نکل سکتا" اِن الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دِل پر ایک خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، اُن کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لاکر سامنے رکھ دیئے۔ اُٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ایک ایک لفظ پر اِن کا دِل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اِس آیت پر پہنچے اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلعم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا، پناگزیں تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانہ مُبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف گئے تھے، اور اِس تازہ واقعہ کی کسی کو اطلاع نہ تھی، اِس لئے صحابہؓ کو تردد ہُوا، لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا کہ "آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر، ورنہ اُسی کی تلوار سے اُس کا سر قلم کر دیا جائے گا"۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور اُن کا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟۔ نبوت کی پُر رعب آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لئے"۔ آنحضرتؐ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہؓ نے مِل کر اِس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔[1]

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دَور پیدا کر دیا، اِسوقت تک اگرچہ ۴۰-۵۰ آدمی اسلام لا چکے تھے، عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہؓ سید الشہداء،

[1] انساب الاشراف بلاذری وطبقات ابن سعد و اسد الغابہ و ابن عساکر و کامل ابن الاثیر۔

marfat.com

نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔ تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی۔ علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے، اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کے ساتھ دفعۃً یہ حالت بدل گئی۔ اُنہوں نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا، کافروں نے اوّل اوّل ان پر بڑی شدت کی لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جاکر نماز ادا کی۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا ہے فَلَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ قَاتَلَ قُرَیْشًا حَتّٰی صَلّٰی عِنْدَ الْکَعْبَةِ وَصَلَّیْنَا مَعَہٗ یعنی جب عمرؓ اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور اُن کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی۔

حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں واقع ہوُا۔

ہجرت

حضرت عمرؓ کی ہجرت

اہل قریش، ایک مدت تک، آنحضرتؐ کے دعوائے نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے، لیکن اسلام کو جس قدر شیوع ہوتا جاتا تھا اُن کی بے پروائی، غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب ایک جماعتِ کثیر اسلام کے حلقے میں آگئی تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹا دینا چاہا۔ حضرت ابوطالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کرسکے لیکن اُن کے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور جس کو جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا، یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گزرا کہ اس کی تفصیل ایک نہایت درد انگیز داستان ہے۔

اسی اثناء میں۔ مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کرلیا تھا اس لئے آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر

marfat.com

جائیں۔ سب سے پہلے ابو سلمہؓ عبدالله بن اشہل پھر حضرت بلالؓ مؤذن اور عمار یاسرؓ نے ہجرت کی، ان کے بعد حضرت عمرؓ نے بیس ۲۰ آدمیوں کے ساتھ مدینے کا قصد کیا۔ صحیح بخاری میں ۲۰ کا عدد مذکور ہے لیکن ناموں کی تفصیل نہیں۔ ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے ہیں

حضرت عمرؓ کے ساتھ جن لوگوں نے ہجرت کی۔

اور وہ یہ ہیں۔ زیدؓ بن خطاب، سعیدؓ بن زیدؓ بن خطاب۔ خنیسؓ بن حذافہ سہمی۔ عمروؓ بن سراقہ۔ عبداللهؓ بن سراقہ۔ واقد بن عبدالله تمیمی۔ خولیٰ بن ابی خولیٰ۔ مالک بن ابی خولیٰ۔ ایاس بن بکیر۔ عاقل بن بکیر۔ عامرؓ بن بکیر۔ خالدؓ بن بکیر۔ ان میں سے زیدؓ حضرت عمرؓ کے بھائی۔ سعیدؓ بھتیجے۔ خنیسؓ داماد، اور باقی دوست احباب تھے۔

حضرت عمرؓ کا قیامگاہ

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی، مہاجرین، زیادہ تر قبا میں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی یہیں رفاعہؓ بن عبدالمنذر کے مکان پر ٹھہرے قبا کو عوالی بھی کہتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں ان کے فرودگاہ کا نام عوالی، ہی لکھا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی، یہاں تک کہ ۱۳ سنہ نبوی ۶۲۲ء میں خود جناب رسالت پناہ نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طالع ہوا۔

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے آنحضرتؐ نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا۔ انصار کو بلاکر اُن میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جس کا یہ اثر ہوا کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا تھا انصاری۔ اسکو اپنی جائداد، مال، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا۔ اِس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے۔ اِس رشتہ کے قائم کرنے میں آنحضرتؐ طرفین کے رُتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہوتا تھا اُسی رُتبے کے انصاری کو اُس کا بھائی بناتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کو جس کا بھائی قرار دیا اُن کا نام عتبان بن مالک تھا جو قبیلہ بنی سالم کے سردار تھے۔[۱]

مہاجرین اور انصار میں اخوت

حضرت عمرؓ کے اسلامی بھائی

---

[۱] دیکھو سیرۃ ابن ہشام۔ حافظ ابن حجر نے مقدمۂ فتح الباری (صفحہ ۳۲۱) میں عتبان کے بجائے اوس بن خولی کا نام لکھا ہے۔ اور اسی کی تعمیم کی ہے۔ لیکن تعجب ہے، کہ خود علامۂ موصوف نے اصابۃ میں ابن سعد کے حوالہ سے عتبان ہی کا نام لکھا ہے، اور اوس بن خولی کا جہاں حال لکھا ہے، حضرت عمرؓ کی اخوت کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

آنحضرتؐ کے تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہؓ نے قبا رہی میں قیام رکھا۔ حضرت عمرؓ بھی یہیں مقیم رہے لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن ناغہ دے کر بالالتزام آنحضرتؐ کے پاس جاتے، اور دن دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتے۔ ناغہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ اُن کے برادر اسلامی، عتبانؓ بن مالک آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرتؐ سے سُنتے حضرت عمرؓ سے جاکر روایت کرتے، چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم، باب النکاح وغیرہ میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینے میں پہنچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض وارکان محدود اور معین کئے جائیں کیوں کہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا، یہی وجہ تھی کہ اب تک روزہ۔ زکوٰۃ۔ نماز جمعہ۔ نماز عید۔ صدقہ فطر۔ کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں، یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آنحضرتؐ نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہؓ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرتؐ کی تجویز تھی، بہرحال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پاتی تھی کہ حضرت عمرؓ آنکلے اور اُنہوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے اُسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔[1]

اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان، نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے، حضرت عمرؓ کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار اعظم اُنہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاذان۔

marfat.com

سنہ ۱ ہجری تا وفات رسول اللہ صلعم
۶۲۳ء

غزوات و دیگر حالات

سنہ ۱ ہجری سے ، آنحضرتؐ کی دفات تک ، حضرت عمرؓ کے واقعات اور حالات ۶۲۳ء درحقیقت سیرت نبویؐ کے اجزاء ہیں ۔ آنحضرتؐ کو جو لڑائیاں پیش آئیں ، غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے ، وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کئے گئے ، اشاعتِ اسلام کے لئے جو تدبیریں اختیار کی گئیں ، ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمرؓ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو ۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ سیرتِ نبویؐ سے بدل جاتا ہے ۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے کارنامے ، گو کتنے ہی عظیم الشان ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ کے سلسلہ حالات سے وابستہ ہیں اس لئے جب قلمبند کئے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ کا نام نامی قرار پائے گا اور حضرت عمرؓ کے کارنامے ضمناً ذکر میں آئیں گے ۔ اس لئے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں اور جن واقعات میں حضرت عمرؓ کا خاص تعلق ہے اُن کو کسی قدر تفصیل سے لکھا جائے ۔ اس صورت میں اگرچہ حضرت عمرؓ کے کارنامے نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے کیوں کہ جب تک واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے ۔ اُس کی اصلی شان قائم نہیں رہتی ، تاہم اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی ۔

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ اُن واقعات کو لکھتے ہیں ۔

آنحضرتؐ نے جب مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کر دیا جائے گا تو وہ زیادہ زور پکڑ جائیں گے ۔ اس خیال سے اُنہوں نے مدینہ پر حملے کی تیاریاں شروع کیں ۔ تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابلِ ذکر معرکہ

marfat.com

نہیں ہوا، صرف اِس قدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینے کی طرف بڑھے لیکن آنحضرتؐ نے خبر پاکر اُن کو روکنے کے لئے تھوڑی تھوڑی سی فوجیں بھیج دیں اور وہ وہیں رُک گئے۔

غزوہ بدر ۲ھ ۶۲۴ء ۲ھ میں بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اِسکی ابتداء یوں ہوئی کہ ابوسفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لے کر شام سے واپس آرہا تھا راہ میں یہ (غلط) خبر سُن کر کہ مسلمان اُس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ اُمنڈ آیا۔ رسول اللہ صلعم یہ خبر سُن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔ عام مورخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہوسکتی اُس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ	جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر سے (مدینہ)
وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ	سچائی پر نکالا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناخوش
يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ	تھا، وہ تجھ سے سچی بات پر جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ
كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ	سچی بات ظاہر ہوگئی۔ گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے
يَنْظُرُوْنَ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى	ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں۔ اور جبکہ خدا دو گروہوں
الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ	میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے
اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ	کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ ہاتھ آئے۔

ان آیتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ۔

(۱) جب آنحضرتؐ نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ ہچکچاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جانا ہے۔

(۲) مدینے سے نکلنے کے وقت۔ کافروں کے دو گروہ تھے ایک غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ

marfat.com

یعنی ابوسفیان کا کاروانِ تجارت، اور دوسرا قریشِ مکّہ کا گروہ جو مکّہ سے حملہ کرنے لئے سروسامان کے ساتھ نکل چکا تھا۔

اِس کے علاوہ ابوسفیان کے قافلے میں کل ۴۰ آدمی تھے اور آنحضرتؐ مدینے سے تین سو بہادروں کے ساتھ نکلے تھے، تین سو آدمی ۴۰ آدمیوں کے مقابلے کو کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے۔ اس لئے اگر آنحضرتؐ قافلے کے لوٹنے کے لئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان اُن کے مقابلے کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے۔

بہرحال ۸۔ رمضان ۲ھ ہجری کو آنحضرتؐ ۳۱۳ آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے، مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کے ساتھ ۹۵۰ کی جمعیت تھی جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے۔ مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریباً ۷ منزل ہے۔ معرکہ ہوا اور کفّار کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۱۴ آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸۔ انصار تھے۔ قریش کی طرف ۷۰ مقتول اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، اور بڑے بڑے رؤسا مکّہ تھے، اور اُن کے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمرؓ اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر، جانبازی و پامردی، کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہؐ کے دست و بازو رہے۔ لیکن اُن کی شرکت کی مخصوص خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمرؓ کے قبیلے میں سے ایک متنفس بھی شریکِ جنگ نہیں ہوا[1]۔ اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جا سکتا ہے صرف حضرت عمرؓ کے رعب و داب کا اثر تھا۔

(۲) حضرت عمرؓ کے ساتھ اُن کے قبیلہ اور حلفاء کے ۱۲۔ آدمی شریکِ جنگ تھے، جن

---

[1] طبری کبیر میں ہے ولم یکن بقی من قریش بطن الا نفر منھم ناس الا بنی عدی بن کعب لم یخرج منھم رجل واحد صفحہ ۱۳۰۷۔

marfat.com

کے یہ نام ہیں۔ زیدؓ۔ عبداللہؓ بن سراقہ۔ عمروؓ بن سراقہ۔ واقدؓ بن عبداللہ۔ خولیؓ بن ابی خولی۔ مالکؓ بن ابی خولی۔ عامرؓ بن ربیعہ۔ عامرؓ بن بکیر۔ عاقلؓ بن بکیر۔ خالدؓ بن بکیر۔ ایاسؓ بن بکیر۔

(۳) سب سے پہلے جو شخص اس معرکہ میں شہید ہوا وہ مہجعؓ حضرت عمرؓ کا غلام تھا[1]۔

(۴) عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمرؓ کا ماموں تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے مارا گیا[2]۔ یہ بات حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر۔ اُن پر کبھی غالب نہیں آسکتا تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ اس کی پہلی مثال ہے۔

اِس معرکے میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوتے اُن کی تعداد کم و بیش ۷۰ تھی اور ان میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے معزز سردار تھے مثلاً حضرت عباس۔ عقیل۔ (حضرت علی کے بھائی) ابوالعاص بن الربیع۔ ولید بن الولید۔ اِن سرداروں کا ذِلّت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سماں تھا جس نے مسلمانوں کے دِل پر بھی اثر کیا یہاں تک کہ رسول اللہؐ کی زوجہ مبارکہ سودہؓ کی نظر جب اُن پر پڑی تو بے اختیار بول اُٹھیں کہ اَعْطَیْتُمْ بِاَیْدِیْکُمْ ھَلَّا مُتُّمْ کِرَامًا۔ تم مطیع ہو کر آئے ہو۔ شریفوں کی طرح لڑ کر مر نہیں گئے۔

اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ اِن لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہؐ نے قیدیوں کے (معاملے میں حضرت عمرؓ کی رائے) تمام صحابہؓ سے رائے لی، اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں، حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں، اِس لئے اِن سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملے میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کر دے۔ علیؓ عقیل کی گردن ماریں، حمزہؓ عباس کا سر اُڑا دیں، اور فلاں شخص جو میرا عزیز ہے اِس کا کام میں تمام کر دوں[3]۔

آنحضرتؐ نے شانِ رحمت کے اقتضا سے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ

[1] ابن ہشام صفحہ ۴۹۰ [2] ابن ہشام صفحہ ۵۰۹ واستیعاب [3] طبری صفحہ ۱۳۵۵۔

marfat.com

لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ الخ

کسی پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اُس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ خوب خونریزی نہ کرے۔

بدر کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹایا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا، مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف پر ایک مدت سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ آنحضرتؐ جب مدینہ میں تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے برخلاف دشمن کو مدد نہ دیں گے اور کوئی دشمن مدینہ پر چڑھ آئے گا تو مسلمانوں کی مدد کریں گے۔" لیکن جب آنحضرتؐ بدر سے فتحیاب آئے تو اُن کو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر، اُن کے برابر کے حریف نہ بن جائیں، چنانچہ خود چھیڑ شروع کی اور کہا کہ "قریش والے فنِ حرب سے نا آشنا تھے ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اس کو کہتے ہیں۔" نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہؐ سے جو معاہدہ کیا تھا، توڑ ڈالا۔ آنحضرتؐ نے شوال سنہ ۲ھ میں اُن پر چڑھائی کی اور بالآخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے۔ اسلام کی تاریخ میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اُس کی ابتدا، اسی سے ہوئی تھی۔

قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بے تاب تھے۔ ابوسفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لوں گا غسل تک نہ کروں گا چنانچہ ذوالحجہ سنہ ۲ھ میں دو سو (۲۰۰) شتر سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑا اور اُن کو قتل کر دیا۔ رسول اللہؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے تعاقب کیا لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔ غزوہ سویق

اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ شوال سنہ ۳ھ ۶۲۵ء میں جنگِ احد کا مشہور معرکہ واقع ہوا۔

غزوۂ احد سنہ ۳ھ

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور اور بہت سے سردارانِ قریش

نے ابوسفیان سے جاکر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذِمّہ اُٹھاؤ تو اَب بھی بدر کا انتقام لیا جاسکتا ہے، ابوسفیان نے قبول کیا اور اُسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ کنانہ اور تھامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہوگئے۔ ابوسفیان اِن سب کا سپہ سالار بن کر بڑے سروسامان کے ساتھ مکّہ سے روانہ ہوا اور ماہِ شوال، بُدھ کے دن مدینہ منوّرہ کے قریب پہنچ کر مقام کیا، آنحضرتؐ کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ رُوکا جائے، لیکن صحابہؓ نے نہ مانا اور آخر آنحضرتؐ مجبور ہوکر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے، قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں ۲۰۰ سوار اور ۷۰۰ سو زرہ پوش تھے۔ میمنہ کے افسر خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ (اُسوقت تک یہ دونوں صاحب اسلام نہیں لائے تھے) اِدھر کُل ۷۰۰ آدمی تھے جن میں سَو زرہ پوش اور صرف دو سو سوار تھے۔ مدینے سے قریباً تین میل پر اُحد ایک پہاڑ ہے۔ اُس کے دامن میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن جبیر کو ۵۰ تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر متعیّن کیا کہ اُدھر سے کفّار حملہ نہ کرنے پائیں۔ ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے زبیرؓ نے اپنی رکاب کی فوج کو لے کر حملہ کیا اور قریش کے میمنہ کو شکست دی۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، ابودجانہؓ، دشمن کی فوج میں گھُس گئے اور اُن کی صفیں اُلٹ دیں۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیر اندازوں نے سمجھا کہ اَب معرکہ ہوچکا اِس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہوئے۔ تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعتہً عقب سے بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کیا۔ مسلمان چونکہ ہتھیار ڈال کر غنیمت میں مصروف ہوچکے تھے۔ اِس ناگہانی زد کو نہ رُوک سکے۔ کفّار نے رسول اللہ صلعم پر پتھروں اور تیروں کی بوچھار کی۔ یہاں تک کہ آپؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ پیشانی پر زخم آیا، اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چُبھ گئیں۔ اِس کے ساتھ آپؐ ایک گڈھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظر سے چھُپ گئے۔
اسی برہمی میں یہ غُل پڑ گیا کہ رسول اللہؐ مارے گئے۔ اِس خبر نے مسلمانوں کے استقلال کو اور متزلزل کردیا اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہوکر رہ گیا۔

marfat.com

اِس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ اخیر وقت تک کس قدر صحابہؓ ثابت قدم رہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اُحد میں آنحضرتؐ کے ساتھ صرف سات انصار اور دو قریشی یعنی سعدؓ اور طلحہؓ رہ گئے تھے۔ نسائی اور بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہؓ کے سوا اور کوئی آنحضرتؐ کے ساتھ نہ رہا تھا۔ محمد بن سعد نے ۱۴ آدمیوں کا نام لیا ہے، اِسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں[۱]۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اِن روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ لوگ جب اِدھر اُدھر پھیل گئے تو کافروں نے دفعۃً عقب سے حملہ کیا اور مسلمان سراسیمہ ہو کر جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملتا گیا، لوگ آنحضرتؐ کے پاس پہنچتے گئے۔"

تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرتؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ لوگ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انہوں نے مدینے سے اِدھر دم نہیں لیا۔ کچھ لوگ جان پر کھیل کر لڑتے رہے کہ رسول اللہؐ کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے مایوس ہو کر سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ حضرت عمرؓ اس تیسرے گروہ میں تھے۔ علامہ طبری نے بسند متصل جسکے رُواۃ ابن حمید، سلمہ، محمد بن اسحاق، قاسم بن عبد الرحمٰن بن رافع ہیں۔ روایت کی ہے کہ اس موقع پر جب انسؓ بن نضر نے حضرت عمرؓ اور طلحہؓ اور اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں، تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو، اِن لوگوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے تو شہادت پائی۔ انسؓ بولے کہ رسول اللہؐ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تم بھی انہی کی طرح لڑ کر مر جاؤ" یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی[۲]۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے خود حضرت عمرؓ کی زبانی نقل کیا ہے کہ انسؓ بن نضر۔ میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہؐ پر کیا گزری؟ میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انسؓ نے کہا رسول اللہؐ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے" یہ کہہ کر تلوار میان سے کھینچ لی اور اس قدر

[۱] یہ پوری تفصیل فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ہفتم صفحہ ۲۷۷ میں ہے [۲] طبری صفحہ ۱۴۰۲

لڑے کہ شہادت حاصل کی۔[1] ابنِ ہشام میں ہے کہ انسؓ نے اِس واقعہ میں ستّر زخم کھائے۔

طبری کی روایت میں یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھیوں میں طلحہؓ کا نام بھی ہے اور یہ مُسلّم ہے کہ اِس معرکہ میں اُن سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا تھا۔ بہرحال یہ امر تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمرؓ میدانِ جنگ سے نہیں ہٹے اور جب آنحضرتؐ کا زندہ ہونا معلوم ہُوا تو فوراً خدمتِ اقدس میں پہنچے۔ طبری اور سیرت بن ہشام میں ہے۔

فلمّا عرفَ المسلمونَ رسولَ اللہِ نھضوا بہٖ و نھض نحو الشعب معہ علی بن ابی طالب وابوبکر بن ابی قحافہ وعمر بن الخطاب وطلحۃ ابن عبید اللہ والزبیر بن العوام والحارث بن صمۃ۔

پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرتؐ کے پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لے کر پہاڑ کے درہ پر چڑھ گئے۔ اُس وقت آپ کے ساتھ حضرت علیؓ۔ حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ طلحہؓ بن عبید اللہ۔ زبیرؓ بن العوام۔ اور حارثؓ بن صمۃ تھے۔

علامہ بلاذری صرف ایک مورخ ہیں جنہوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمرؓ کے حال میں یہ لکھا ہے۔

وکانَ مِمّنْ انکشفَ یومَ اُحُدٍ فغفرَ لہٗ۔

یعنی حضرت عمرؓ اُن لوگوں میں تھے جو اُحد کے دن بھاگ گئے تھے۔ لیکن خدا نے اُن کو معاف کر دیا۔

علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی خلافت کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کئے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ اِن سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبد اللہؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں کیونکہ اس کا باپ اُحد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبد اللہؓ کا باپ (یعنی خود حضرت عمرؓ) نہیں رہا تھا۔

[1] کتاب الخراج صفحہ ۲۵

marfat.com

لیکن یہ روایت قطع نظر اس کے کہ درایۃً غلط ہے کیونکہ معرکۂ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا ننگ تھا جس کو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اصولِ روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ علامہ موصوف نے جن رواۃ کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے اُن میں عباس بن عبداللہ الباکسائے اور غیض بن اسحاق ہیں اور یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔ اس کے علاوہ اور تمام روایتیں اس کے خلاف ہیں۔

اِس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

خالد ایک دستۂ فوج کے ساتھ آنحضرتؐ کی طرف بڑھے، رسول اللہؐ اُس وقت تیس صحابہؓ کے ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ خدایا! یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور اُن لوگوں کو ہٹا دیا۔[1]

ابوسفیان سالارِ قریش درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمدؐ ہیں یا نہیں؟ آنحضرتؐ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا نام لے کر کہا کہ یہ دونوں اِس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ پکار کر کہا "او دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہیں"۔ ابوسفیان نے کہا اعلُ ہُبَل یعنی "اے ہُبَل (ایک بُت کا نام تھا)، بلند ہو" رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو "اللہُ اَعلیٰ وَاَجَلّ" یعنی خدا بلند و برتر ہے۔[2]

حضرت حفصہؓ کا عقد رسول اللہؐ کے ساتھ

اِس سال حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ، رسول اللہؐ کے عقد میں آئیں۔ حفصہؓ کا نکاح، جاہلیت میں خُنیسؓ بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا خُنیس کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے خواہش کی کہ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ سے درخواست کی۔ وہ بھی چُپ رہے۔ کیونکہ ان دونوں

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۷۶ و طبری صفحہ ۱۴۱۱ [2] سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۸۲ و طبری صفحہ ۱۴۱۷

صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلعم. حضرت حفصہؓ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں. چنانچہ شعبان سنہ ۳ھ میں آنحضرتؐ نے حفصہؓ سے نکاح کیا۔

واقعہ بنونضیر سنہ ۴ھ ۶۲۶ء سنہ ۴ھ ۶۲۶ء میں بنونضیر کا واقعہ پیش آیا۔ اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ مدینۂ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے آنحضرتؐ نے اُن سے صُلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ان میں سے بنوقینقاع نے بدر کے بعد نقضِ عہد کیا اور اس جُرم میں مدینے سے نکال دیئے گئے۔ دوسرا قبیلہ بنونضیر کا تھا۔ یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے. سنہ ۴ھ میں آنحضرتؐ ایک معاملے میں استعانت کے لئے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عمرو بن حجاش تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرتؐ کے سر پر پتھر کی سِل گرا دے، وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرتؐ کو خبر ہو گئی۔ آپ اُٹھ کر چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔ اُنہوں نے انکار کیا اور مقابلے کی تیاریاں کیں، آنحضرتؐ نے اُن پر قابو پا کر جلا وطن کر دیا، چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے؛ کچھ خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں حکومت قائم کر لی[۱]۔

خیبر والوں میں سلام بن ابی الحقیق. کنانہ بن الربیع اور حُیی بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ یہ لوگ خیبر میں پہنچ کر مطمئن ہوئے تو آنحضرتؐ سے انتقام لینا چاہا۔ مکۂ معظمہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی، قبائل عرب کا دَورہ کیا، اور تمام مُلک میں ایک آگ لگا دی۔

جنگ خندق یا احزاب سنہ ۵ھ ۶۲۷ء چند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم نیچے جمع ہو گئے اور شوال سنہ ۵ھ میں ابوسفیان کی سپہ سالاری میں اِس سیلاب نے مدینہ کا رُخ کیا۔ آنحضرتؐ نے مدینے سے باہر نکل کر سلع[۲] کے آگے ایک خندق تیار کرائی۔ عرب میں خندق کا رواج نہ تھا اس لئے کفّار کو اس کی کچھ تدبیر بن نہ آئی۔ مجبوراً محاصرہ کر کے ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور رسد وغیرہ بند کر دی۔ ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ کفّار کبھی کبھی خندق اُتر کر حملہ کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اِس غرض سے

۱ے طبری صفحہ ۱۴۵۲ ۲ے یہ مدینے سے ملا ہوا ایک پہاڑ ہے۔

marfat.com

خندق کے اِدھر کچھ کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو معیّن کر دیا تھا کہ دشمن اُدھر سے نہ آنے پائے۔ ایک حصّے پر حضرت عمرؓ معیّن تھے چنانچہ یہاں اُن کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے۔

ایک دن کافروں نے حملے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے زبیرؓ کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور ان کی جماعت درہم برہم کر دی۔[1] ایک اور دن کافروں کے مقابلے میں اِس قدر اُن کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے پاس آکر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا میں نے بھی ابتک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اِس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو پانچسو سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علیؓ کی ہاتھ سے مارا گیا۔ اِس کے مارے جانے کے بعد اُدھر تو قریش میں کچھ بددلی پیدا ہوئی، اِدھر نعیمؓ بن مسعود نے جو اسلام لا چکے تھے اور کافروں کو اِن کے اسلام کی خبر نہ تھی جوڑ توڑ سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوا دی۔ مختصر یہ کہ کُفر کا ابرِ سیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹتا گیا اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

واقعہ حدیبیہ ۶ھ ۶۲۸ء

۶ھ ۶۲۸ء میں آنحضرتؐ نے صحابہؓ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ (مدینہ سے چھ میل پر ایک مقام ہے)، پہنچ کر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اِس طرح چلنا مصلحت نہیں، چنانچہ رسولؐ اللہ کی خدمت میں عرض کی اور آپ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوا لیے۔ جب مکہ معظمہ دو منزل رہ گیا تو مکّے سے بشر بن سفیان نے آکر یہ خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ "مسلمانوں کو مکّہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے"، رسولؐ اللہ نے چاہا کہ اکابرِ صحابہؓ میں کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو لڑنا مقصود نہیں چنانچہ حضرت عمر رضؓ کو اِس خدمت

---

[1] یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے لیکن میں نے کسی کتاب میں اسکی سند نہیں پائی۔

marfat.com

پر مامور کرنا چاہا۔ انہوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی شخص میرا حامی موجود نہیں۔ عثمانؓ کے عزیز واقارب وہیں ہیں اس لیے اُن کو بھیجنا مناسب ہوگا۔ آنحضرتؐ نے اِس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک رکھا اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشہور ہوگیا کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہؐ نے یہ سُن کر صحابہؓ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے جہاد پر بیعت لی۔ اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی یہ واقعہ بیعۃ الشجرۃ کے نام سے مشہور ہوا قرآن مجید کی اس آیت میں لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اُس کو بیعۃ الرضوان بھی کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (غزوۂ حدیبیہ) میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کو بھیجا کہ فلاں انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں۔ عبداللہ بن عمرؓ باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرتؐ لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں، اُنہوں نے بھی جاکر بیعت کی، حضرت عمرؓ کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سج رہے ہیں عبداللہؓ نے اُن سے بیعت کا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ اُسی وقت اُٹھے اور جاکر آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہؐ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہوسکتے۔ بڑے رد وبدل کے بعد اِن شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اِس دفعہ مسلمان اُلٹے واپس جائیں، اگلے سال آئیں لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے اور اِس اثناء میں اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہؐ کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہؐ اُسکو قریش کے پاس واپس بھیج دیں لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو اُن کو اختیار ہوگا کہ اُس کو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں

marfat.com

زیادہ مفید تھی۔ حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا، معاہدہ ابھی لکھا نہیں جا چکا تھا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اِس طرح دب کر کیوں صُلح کی جائے، اُنہوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی، لیکن حضرت عمرؓ کو تسکین نہیں ہوئی، خود رسول اللہ کے پاس گئے اور اس طرح گفتگو کی۔

یا رسول اللہ! کیا آپ رسولِ خُدا نہیں ہیں؟

رسول اللہ۔ بے شک ہوں۔

حضرت عمرؓ۔ کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہ۔ ضرور ہیں۔

حضرت عمرؓ پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں۔

رسول اللہ صلعم۔ میں خُدا کا پیغمبر ہوں اور خُدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمرؓ کی یہ گفتگو اور خصوصاً اندازِ گفتگو اگرچہ خلافِ ادب تھا چنانچہ بعد میں ان کو سخت ندامت ہوئی اور اِس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے، نفلیں پڑھیں، خیرات دی، غلام آزاد کیے۔[۱] تاہم سوال وجواب کی اصل بنا اِس نکتہ پر تھی کہ رسول اللہ کے کون سے افعال۔ انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے رسالت کے منصب سے چنانچہ اِس کی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حِصّے میں آئے گی۔

غرض معاہدۂ صلح لکھا گیا اور اس پر بڑے بڑے اکابر صحابہؓ کے جس میں حضرت عمرؓ بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ کا قصد کیا، راہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بُلا کر فرمایا کہ مجھ پر آج ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دُنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، یہ کہہ کر آپؐ نے یہ آیتیں پڑھیں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔[۲]

---

[۱] طبری صفحہ ۱۵۴۶ [۲] صحیح بخاری واقعہ حدیبیہ

marfat.com

محدثین نے لکھا ہے کہ اِس وقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ الگ رہتے تھے۔ صُلح ہو جانے سے آپسمیں میل جول ہُوا، اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز زیادہ پھیلتے گئے۔ اس کا یہ اثر ہُوا کہ دُو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے ۱۸ برس ماقبل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے۔ جس بنا پر رسُول اللہ نے صُلح کی تھی اور ابتداءً حضرت عُمرؓ کی فہم میں نہ آسکی، وہ یہی مصلحت تھی اور اسی بنا پر خدا نے سورۂ فتح میں اِس صُلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر کیا۔

اس زمانے تک کافرہ عورتوں کا عقد نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُمْسِکُوا بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ تو یہ امر ممنوع ہوگیا۔ اِس بنا پر حضرت عمرؓ نے اپنی دونوں بیویوں کو جو کافرہ تھیں طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا اُمّ کلثوم بنت جرول تھا۔ اِن دونوں کے طلاق دینے کے بعد، حضرت عمرؓ نے جمیلہؓ سے جو ثابت بن ابی الافلح کی بیٹی تھی نکاح کیا، حضرت عمرؓ کے فرزند عاصمؓ اُنہی کے بطن[۱] سے تھے

حضرت عمرؓ کا اپنی بیویوں کا طلاق دینا

اسی سال رسول اللہ صلعم نے سلاطین اور والیانِ ممالک کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔

جنگ خیبر سنہ ۷ ھ ۶۲۹ء

سنہ ۷ ھ میں خیبر کا مشہور معرکہ پیش آیا۔ اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلۂ بنو نضیر کے یہودی جو مدینہ منورہ سے نکالے گئے تھے خیبر میں جا کر آباد ہوتے، اِنہی میں سے سلام و کنانہ وغیرہ نے سنہ ۵ ھ میں قریش کو جا کر بھڑکایا اور اُن کو مدینہ پر چڑھا لائے۔ اس تدبیر میں اگرچہ اُن کو ناکامی ہوئی لیکن انتقام کے خیال سے وہ باز نہ آئے اور اُس کی تدبیریں کرتے رہتے تھے، چنانچہ سنہ ۶ ھ میں قبیلۂ بنی سعد نے ان کی اعانت پر آمادگی ظاہر کی۔ آنحضرتؐ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علیؓ کو بھیجا۔ بنو سعد بھاگ گئے اور ۵۰۰ پانچسو اونٹ غنیمت میں ہاتھ آئے[۲]۔ پھر قبیلۂ غطفان کو آمادہ کیا چنانچہ جب آنحضرتؐ۔ خیبر کی طرف بڑھے تو سب سے پہلے اسی قبیلہ نے سدِ راہ ہونا چاہا۔ ان حالات کے لحاظ سے ضرور تھا کہ یہودیوں کا زور توڑ دیا جائے ورنہ مسلمان اُن کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

۱؎ فتح الباری مطبوعۂ مصر جلد ۷ صفحہ ۳۵۰ ذکر حدیبیہ ۲؎ طبری واقعات سنہ ۶ ھ ۳؎ مواہب لدُنیہ و زرقانی ذکر سریّۃ علیؓ الی بنی سعد۔

غرض ۷ھ میں آنحضرت نے چودہ سو[۱۴] پیدل اور دو سو[۲] سواروں کے ساتھ خیبر کا رُخ کیا۔ خیبر میں یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنا لیے تھے مثلاً حصنِ ناعم، حصن قموص، حصنِ صعب وطیح اور سلالم، یہ سب قلعے جلد جلد فتح ہو گئے لیکن وطیح وسلالم جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرت نے حضرت ابوبکرؓ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا لیکن وہ ناکام آئے۔ پھر حضرت عمرؓ مامور ہوئے۔ وہ برابر دو دن جا جا کر لڑے لیکن دونوں دن ناکام رہے۔ آنحضرتؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو عَلَم دوں گا جو حملہ آور ہوگا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہؓ، عَلَمِ نبوی کی اُمید میں بڑے سر و سامان سے ہتھیار سج سج کر آئے۔ اِن میں حضرت عمرؓ بھی تھے اور اُن کا خود بیان ہے کہ "میں نے کبھی اس موقع کے سوا عَلَم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی"، لیکن قضا و قدر نے یہ فخر، حضرت علیؓ کے لئے اُٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی اور حضرت علیؓ کو بُلا کر عَلَم ان کو عنایت فرمایا۔ مرحب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا اور اُس کے قتل پر اس معرکہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

خیبر کی زمین آنحضرتؐ نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی۔ چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام ثمغ تھا حضرت عمرؓ کے حصے میں آیا، حضرت عمرؓ نے اُسکو خُدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے۔ اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

اسی سال آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ قبیلۂ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا اُن لوگوں نے حضرت عمرؓ کی آمد سُنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

۸ھ ۶۳۰ء میں مکہ فتح ہوا۔ اِس کی ابتدا یوں ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صُلح قرار پائی تھی اُس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائلِ عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے سایۂ امن میں آئے۔ چنانچہ قبیلۂ خزاعہ نے آنحضرت صلعم کا

marfat.com

اور خاندان بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا۔ اِن دونوں قبیلوں میں مدت سے اَن بن تھی اور بہت سے معرکے ہو چکے تھے۔ لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صُلح وقوع میں آئی اور شرائط معاہدہ کی رُو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے۔ لیکن چند ہی روز کے بعد بنو بکر نے نقضِ عہد کیا اور قریش نے اُن کی اعانت کی یہاں تک کہ خزاعہ نے حرم میں جاکر پناہ لی تب بھی ان کو پناہ نہ ملی۔ خزاعہ نے جاکر آنحضرتؐ سے استغاثہ کیا، ابوسفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لئے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے تجدید صُلح کی درخواست کی، آنحضرتؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اُٹھ کر حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ آپ اِس معاملے کو طے کرا دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے اِس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل نا اُمید ہو گیا۔

آنحضرتؐ نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں، اور رمضان ۸ھ میں ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ مقام مرالظہران میں نزولِ اجلال ہوا تو حضرت عباسؓ، آنحضرتؐ کے خچر پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے، اُدھر سے ابوسفیان آرہا تھا حضرت عباسؓ نے اُس سے کہا۔ آ۔ میں تجھ کو رسولؐ اللہ سے امن دلا دوں ورنہ آج تیری خیر نہیں، ابوسفیان نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباسؓ کے ساتھ ہولیا۔ راہ میں حضرت عمرؓ کا سامنا ہوا، ابوسفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ حضرت عباسؓ اِس کی سفارش کے لئے جارہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے۔ اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدتوں کے بعد اس دشمنِ اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن مار دوں۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ عمرؓ! ابوسفیان اگر عبدِ مناف کے خاندان سے نہ ہوتا اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا، تو تم اِس طرح اُس کی جان کے خواہاں نہ ہوتے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "خدا کی قسم میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اُس وقت ہوئی تھی جب آپ اسلام لائے تھے۔" آنحضرتؐ نے حضرت عباسؓ کی سفارش قبول کی اور ابوسفیان کو امن دیا۔

marfat.com

آنحضرتؐ بڑے جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوتے اور در کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جو بعینہٖ تاریخوں میں منقول ہے، پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لیکر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف فرما ہوئے، لوگ جوق جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ آنحضرتؐ سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے۔ جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرتؐ بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مَس نہیں کرتے تھے، حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو، چنانچہ تمام عورتوں نے اُنہیں کے ہاتھ پر آنحضرتؐ سے بیعت کی۔

غزوۂ حنین

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوۂ حُنین[۱] کے نام سے مشہور ہے۔ ہوازن عرب کا مشہور اور معزز قبیلہ تھا، یہ لوگ ابتداء سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے آنحضرتؐ جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے چنانچہ اُسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ مکہ پہنچے۔ تو مکہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑے سرو سامان سے روانہ ہو کر حُنین میں ڈیرے ڈالے، آنحضرتؐ نے یہ خبر سُنی تو بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) کی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے، حنین میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ مسلمانوں نے پہلے حملے میں ہوازن کو بھگا دیا[۲] لیکن جب غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوتے تو ہوازن نے حملہ کیا اور اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں میں ہل چل پڑ گئی اور بارہ (۱۲) ہزار آدمیوں میں سے معدودے چند کے سوا باقی سب بھاگ نکلے، اس معرکہ میں جو صحابہؓ ثابت قدم رہے، ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے، اور ان میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں، چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحاق نے جو امام بخاری کے شیوخِ حدیث میں داخل ہیں اور مغازی و سیر کے امام مانے جاتے ہیں کتاب المغازی میں لکھا ہے[۳] "و بقی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفر من المہاجرین والانصار واہل بیتہ وغیر

---

[۱] حنین۔ عرفات کے پیچھے ایک وادی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے نو(۹) میل ہے [۲] تاریخ طبری [۳] صحیح مسلم غزوہ حنین

از مہاجرین و انصار و اہل بیت باز ماندہ بودند۔ مثل ابوبکرؓ و علیؓ و عمرؓ و عباسؓ " الخ[1]

لڑائی کی صورت بگڑ کر پھر بن گئی یعنی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور ہوازن کے چھ ہزار[2] ہزار آدمی گرفتار ہوتے۔

۹ھ/۶۳۱ء میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم، عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے آنحضرتؐ نے یہ سُن کر صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا، اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا اس لئے لوگوں کو زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی چنانچہ اکثر صحابہؓ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے آدھا لاکر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا[2]۔ غرض اسلحہ اور رسد کا سامان مہیا ہو گیا تو آنحضرتؐ مدینہ سے روانہ ہوئے لیکن مقام تبوک میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی اس لئے چند روز قیام فرما کر واپس آئے۔

اسی سال آنحضرتؐ نے ازواجِ مطہراتؓ سے ناراض ہو کر اُن سے علیحدگی اختیار کی اور چونکہ لوگوں کو آپؐ کے طرزِ عمل سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آپؐ نے تمام ازواج کو طلاق دیدی اس لئے تمام کو نہایت رنج و افسوس تھا تاہم کوئی شخص آنحضرتؐ کی خدمت میں کچھ کہنے سُننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حاضر خدمت ہونا چاہا لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمرؓ نے پکار کر دربان سے کہا کہ "شاید رسول اللہؐ کو یہ گمان ہے کہ میں حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہؐ کی زوجہ مطہرہ) کی سفارش کے لئے آیا ہوں، خدا کی قسم اگر رسول اللہؐ حکم دیں تو میں جا کر حفصہؓ کی گردن مار دوں[3]"۔ آنحضرتؐ نے

---

[1] ابن اسحاق کی اصل کتاب میں نے نہیں دیکھی لیکن اس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ زبانِ فارسی میں میری نظر سے گزرا ہے اور عبارت منقولہ اسی سے ماخوذ ہے، یہ ترجمہ ۶۱۲ھ میں سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا اور اس کا ایک نہایت قدیم نسخہ الہ آباد کے کتب خانۂ عام میں موجود ہے۔

[2] ترمذی، ابوداؤد میں یہ واقعہ فضائل ابوبکرؓ کے تحت میں منقول ہے لیکن غزوہ کی تعیین نہیں ہے۔

[3] صحیح مسلم باب الطلاق۔

marfat.com

فوراً بلالیا، حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دی؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں" حضرت عمرؓ نے کہا۔ تمام مسلمان مسجد میں سوگوار بیٹھے ہیں، آپؐ اجازت دیں تو اُن کو یہ مژدہ سُنا آؤں، اِس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے انہیں واقعات کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ عمرؓ! تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے ہو یہاں تک کہ اب ازواجؓ کے معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔"

سنہ ۱۰ھ ۶۳۲ء میں تمام اطرافِ عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آ گئے۔

اِسی سال آنحضرتؐ نے حج کے لئے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور یہ حج آپؐ کا اخیر حج تھا

سنہ ۱۱ھ ۶۳۳ء ماہِ صفر میں آنحضرتؐ نے رومیوں کے مقابلے کیلئے اسامہؓ بن زید کو مامور کیا اور تمام اکابرِ صحابہؓ کو حکم دیا کہ اُن کے ساتھ جائیں، لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرتؐ بیمار ہو گئے اور یہ تجویز ملتوی رہ گئی۔

آنحضرتؐ بروایت مشہور ۱۳ دن بیمار رہے۔ بیہقی نے بہ سند صحیح ۱۰ دن کی تعداد بیان کی ہے۔ سلیمان تیمی نے بھی اپنی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے[1]۔ بیماری کی حالت یکساں نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اِس قدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ عین وفات کے دن نمازِ فجر کے وقت طبیعت اِس قدر بحال تھی کہ آپؐ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسم فرمایا۔

قرطاس کا واقعہ

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپؐ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے"۔ اِس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر

[1] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۹۸

کہا کہ آنحضرتؐ کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے"، حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہؐ بہکی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) (روایت میں ھجو کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں)۔

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اِس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہؐ صلعم، بسترِ مرگ پر ہیں اور اُمت کے درد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں "کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے" یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصبِ نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لئے اُس میں سہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمرؓ بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں۔ ہم کو قرآن کافی ہے"، طرّہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ ہی نے آنحضرتؐ کے اِس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔ (نعوذ باللہ)

یہ اعتراض ایک مُدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اِس پر بڑی طبع آزمائیاں کی ہیں۔ لیکن چونکہ اِس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اُصولِ درایت سے کسی نے کام نہیں لیا اِس لئے اصل مسئلہ نامنفصل رہا اور عجیب عجیب بیکار بحثیں پیدا ہوگئیں یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھیڑا گیا کہ پیغمبرؐ سے ہذیان ہونا ممکن ہے کیونکہ ہذیان انسانی عوارض میں ہے اور آنحضرتؐ عوارضِ انسانی سے بری نہ تھے۔

یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے اِس سے کسی امر پر استناد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اِس بحث کے لئے پہلے واقعات ذیل کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

(۱) آنحضرتؐ کم و بیش ۱۳ دن تک بیمار رہے۔

(۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بتصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرتؐ نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا اس لئے اِس

marfat.com

واقعہ کے بعد آنحضرتؐ چار دن تک زندہ رہے۔

(۳) اِس تمام مدتِ بیماری میں آنحضرتؐ کی نسبت، اور کوئی واقعہ اختلالِ حواس کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

(۴) اِس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہؓ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اس کے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے) بااینہمہ بجز عبداللہؓ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اِس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

(۵) عبداللہؓ بن عباس کی عمر اُس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔

(۶) سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اُس موقع پر عبداللہؓ بن عباس خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ اُنہوں نے کس سے سُنا[1]

(۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرتؐ نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہؐ بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں۔[2]

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرتؐ کے اختلالِ حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں، تو صرف اِس قدر کہنے سے کہ "قلم دوات لاؤ" لوگوں کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کرلو کہ انبیاءؑ سے ہذیان سرزد

---

[1] بخاری باب کتابۃ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عباس اِس واقعہ میں موجود تھے۔ اس لئے محدثین نے اس پر بحث کی ہے اور بدلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے۔ دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم۔

[2] علامہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر ان کو ناز ہے کہ لوگوں نے یہ لفظ انکار اور استعجاب کے طور پر کہا تھا یعنی یہ کہ آنحضرتؐ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے خدانخواستہ آنحضرتؐ کا قول ہذیان تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جائے؟ یہ تاویل لگتی ہوئی ہے۔ لیکن بخاری وسلم کی بعض روایتوں میں ایسے صاف الفاظ ہیں جن میں اِس تاویل کا احتمال نہیں مثلاً ھجر ھجر (دو دفعہ) یا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَھْجُرُ (صحیح مسلم) ۱۲

ہو سکتا ہے لیکن اس کے یہ تو معنی نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے۔ ایک پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ "قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھ دوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو" اس میں ہذیان کی کیا بات ہے؟[1] یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اس قدر بہر حال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرتؐ ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔

پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے، اس کے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہؓ میں سے صرف حضرت عبداللہؓ بن عباس اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ ان کی عمر اُس وقت کل ۱۳-۱۴ برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے، ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اُس کو سمجھنا چاہیئے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا، اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلعم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

غرض آنحضرتؐ اس واقعہ کے بعد چار دن تک زندہ رہے اور اس اثناء میں وقتاً فوقتاً بہت سی ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، عین وفات کے دن آپؐ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا اور حضرت ابوبکرؓ اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔[2] لیکن حضرت عمرؓ وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرتؐ نے ۱۲۔ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت

---

[1] ہمارے نکتہ سنجوں نے یہ مضمون آفرینی کی ہے کہ چونکہ رسول اللہ لکھنا نہیں جانتے تھے اس لئے آپکا یہ فرمانا کہ "میں لکھ دوں" ہذیان کا قرینہ تھا لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ لکھنے کے معنی لکھوانے کے بھی آتے ہیں اور یہ مجاز عموماً شائع اور ذائع ہے ۱۲

[2] طبری صفحہ ۱۸۱۳۔

عائشہؓ کے گھر میں انتقال کیا ۔ سہ شنبہ کو دو پہر ڈھلنے پر مدفون ہوئے ۔ جماعتِ اسلام کو آپؐ کی وفات سے جو صدمہ ہوا اُس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ عام روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اِس قدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جا کر اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرتؐ نے وفات پائی اُس کو قتل کر ڈالوں گا، لیکن اور قراین اِس روایت کی تصدیق نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک چونکہ مدینے میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کے لئے آنحضرتؐ کی وفات کا منتظر تھا اِس لئے حضرت عمرؓ نے مصلحۃً اِس خبر کے پھیلنے کو روکا ہو گا اسی واقعہ نے روایتوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اِس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اِس قیاس سے مطابق نہیں ہو سکتیں۔

سقیفۂ بنی ساعدہ، حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی اور اِس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے، کس کے قیاس میں آ سکتا ہے کہ رسول اللہؐ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں، اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسندِ حکومت اوروں کے قبضے میں نہ آ جائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل اُن لوگوں سے (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) سرزد ہوا جو آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کیے جاتے ہیں، اِس فعل کی ناگواری اُس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرتؐ سے فطری تعلق تھا حضرت علیؓ و خاندانِ بنی ہاشم، اُن پر فطرتی تعلق کا پورا اثر ہوا اور اِس وجہ سے اُن کو آنحضرتؐ کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے اِن باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

marfat.com

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ (و ابو بکرؓ وغیرہ) آنحضرتؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفۂ بنی ساعدہ کو چلے گئے، یہ بھی سچ ہے کہ اُنہوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا اُن پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ اُنہوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؓ سے بھی بزور منوانا چاہا۔ گو بنو ہاشم نے آسانی سے اُن کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ کیا خلافت کا سوال، حضرت عمرؓ وغیرہ نے چھیڑا تھا۔

۲۔ کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے۔

۳۔ کیا حضرت علیؓ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے۔

۴۔ ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمرؓ وغیرہ نے کیا، وہ کرنا چاہیئے تھا یا نہیں۔

دو پہلی بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب، مسند ابو یعلیٰ[۱] کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ جس سے واقعہ کی کیفیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

بینما نحن فی منزل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیک عنی فانا عنک مشاغیل یعنی با مر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال لہ قد حدث۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہؐ کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب! (حضرت عمرؓ) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا کہ چلو ہٹو، ہم لوگ آنحضرتؐ کے بندوبست میں مشغول ہیں۔ اُس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار۔ سقیفۂ بنی ساعدہ

[۱] دیکھو فتح الباری جلد ۷، صفحہ ۲۳

امرفان الانصار اجتمعوا فی سقیفة بنی ساعدة فادرکوا ھم ان یحدثوا امرا یکون فیہ حرب نقلت لابی بکر انطلق۔

میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اِس لئے جلد پہنچکر اُن کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے اُس وقت میں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ چلو۔

اِس سے ظاہر ہو گا کہ نہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے، خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفۂ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی یہ کیفیت ہے کہ اُس وقت جماعتِ اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کی جا سکتی تھی۔ بنوہاشم جس میں حضرت علیؓ شامل تھے۔ مہاجرین جن کے رئیس وافسر حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ تھے۔ انصار جن کے شیخ القبیلہ عبادہ تھے۔ اِن تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے تو علانیہ اپنا ارادہ اظہار کر دیا تھا۔ بنوہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے دن حضرت علیؓ مکان سے باہر نکلے، لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ رسولؐ اللہ کا مزاج کیسا ہے۔ چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی۔ حضرت علیؓ نے کہا خدا کے فضل سے آپؐ اچھے ہو گئے" حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے، میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسولؐ اللہ عنقریب اِس مرض میں وفات پائیں گے، کیونکہ مجھ کو اِس کا تجربہ ہے کہ خاندانِ عبدالمطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے، آؤ چلو، رسولؐ اللہ سے پوچھ لیں کہ آپؐ کے بعد یہ منصب (خلافت) کس کو حاصل ہو گا،، اگر ہم اِس کے مستحق ہیں تو رسولؐ اللہ ہمارے لئے وصیّت فرماویں گے، حضرت علیؓ نے کہا میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرتؐ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید نہیں رہے گی[1]،،

---

[1] صحیح بخاری باب مرض النبی مع فتح الباری۔

marfat.com

اِس روایت سے حضرت عباسؓ کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کو آنحضرتؐ کی وفات کا اُس وقت تک یقین نہ تھا اِس لیے اُنہوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اِس کے علاوہ اُن کو اپنے انتخاب کیے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام بنو ہاشم اور اُن کے اتباع شریک تھے اور حضرت علیؓ اُن کے پیشرو تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی زبانی روایت ہے۔[1]

کَانَ مِن خبرنا حین توفی اللہ نبیّہ ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرھم فی سقیفۃ بنی ساعدۃ وخالف عنا علی والزبیر ومن معھما واجتمع المھاجرون الی ابی بکر۔	ہماری سرگذشت یہ ہے کہ جب خُدا نے اپنے پیغمبرؐ کو اُٹھا لیا تو انصار نے قاطبۃً ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے، اور علیؓ و زبیرؓ اور اِن کے ساتھیوں نے مخالفت کی۔ اور مہاجرین ابوبکرؓ کے پاس جمع ہوئے۔

یہ تقریر۔ حضرت عمرؓ نے ایک بہت بڑے مجمع عام میں کی تھی جس میں سینکڑوں صحابہؓ موجود تھے۔ اِس لئے اِس بات کا گمان نہیں ہو سکتا کہ اُنہوں نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو۔ ورنہ لوگ اُن کو وہیں ٹوکتے۔ امام مالک کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہو گیا ہے، اس کے یہ الفاظ ہیں۔[2]

وَانّ علیا والزبیر ومن کان معھما تخلفوا فی بیت فاطمۃ بنت رسول اللہ۔	اور علیؓ و زبیرؓ اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، وہ حضرت فاطمہؓ زہراء کے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جمع ہوئے۔

تاریخ طبری میں ہے[3]

وتخلف علی والزبیر واخترط	اور حضرت علیؓ و زبیرؓ نے علیحدگی اختیار کی اور

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی [2] فتح الباری شرح حدیث مذکور [3] تاریخ طبری صد ۱۸۲۰

marfat.com

الزبیر سیفہ وقال لا اغمدہٗ حتی یبایع علیؑ۔

زبیرؓ نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا کہ جب تک علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے میں تلوار کو میان میں نہ ڈالوں گا۔

اِن تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ ۔

۱۔ آنحضرتؐ کے وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے ، انصار ، مہاجرین ، بنو ہاشم ۔

۲۔ مہاجرین حضرت ابو بکرؓ ، اور بنو ہاشم حضرت علیؓ کے ساتھ تھے ۔

۳۔ جس طرح حضرت عمرؓ وغیرہ آنحضرتؐ کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے ، حضرت علیؓ کو بھی آنحضرتؐ کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا ۔ سقیفہ میں حضرت علیؓ کا نہ جانا اِس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے غم والم میں مصروف تھے اور اُن کو ایسے پُر درد موقع پر خلافت کا خیال نہیں آسکتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ بھی کہ سقیفہ میں مہاجرین وانصار جمع تھے اور اِن دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علیؓ کے دعوے کی تائید نہ کرتا کیونکہ مہاجرین ۔ حضرت ابو بکرؓ کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعدؓ بن عبادہ تھے ۔

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بیجا تھا یا بجا ؟ اس کو ہر شخص جو ذرا بھی اُصولِ تمدن سے واقفیت رکھتا ہو بآسانی سمجھ سکتا ہے ۔ آنحضرتؐ نے جس وقت وفات فرمائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا ہوا پڑا تھا جو مدت سے اِس بات کے منتظر تھے کہ رسولؐ اللہ کا سایہ اُٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں ۔ اِس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع وفزع اور گریہ وزاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے اور ایک منتظم حالت قائم ہو جائے انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر ، حالت کو اور نازک کر دیا کیونکہ قریش جو انصار کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار اُن کے مقابلے کو نکلے تو عتبہ نے آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے کہا کہ محمدؐ ! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے ، کسی طرح انصار

marfat.com

کے آگے سرِ تسلیم خم نہیں کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے، تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اُس میں صاف اِس خیال کو ظاہر کیا اور کہا وانّ العرب لا تعرف ھذا الامر الا لھذا الحیّ من قریش۔ اِس کے علاوہ انصار میں خود دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور اِن میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اِس حالت میں ضرور تھا کہ انصار کے دعوے خلافت کو دبادیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کرلیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے ان میں سب سے بااثر اور بزرگ اور معمّر حضرت ابوبکرؓ تھے، اور فوراً اُن کا انتخاب ہو بھی جاتا لیکن لوگ، انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں، حضرت عمرؓ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعتہً حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بعیت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمانؓ۔ ابوعبیدہؓ جراح عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بھی ہاتھ بڑھائے اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ اِس کارروائی سے ایک اٹھتا ہوا طوفان رُک گیا، اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے اِدّعا پر رُکے رہے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بزور اُن سے بعیت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؓ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے، حضرت فاطمہؓ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا بنت رسول اللہ! خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اِس طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے، گھر میں آگ لگا دوں گا۔" اگرچہ سند کے اعتبار سے اِس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اِس روایت کی رُواۃ کا حال ہم کو نہیں معلوم ہو سکا تاہم درایت کے اعتبار سے اِس واقعہ کے اِنکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمرؓ کی تندی اور تیز مزاجی

لہ ابن الماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ اوّل صرف پانچ شخصوں نے بعیت کی تھی۔

marfat.com

سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمرؓ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کاروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اُسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چل کر جناب امیر علیہ السّلام اور امیر معاویہؓ میں واقع ہوئیں۔

حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کی مدّت سوا دو برس ہے کیونکہ انہوں نے جمادی الثانی ۱۳ھ میں انتقال کیا۔ اِس عہد میں اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمرؓ ہی کی شرکت سے انجام پائے تاہم اُن واقعات کو ہم۔ الفاروق۔ میں نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہد صدیقی کے واقعات ہیں۔ اور اُس شخص کا حصہ ہیں جس کو حضرت ابو بکرؓ کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابو بکرؓ کو اگرچہ مدّتوں کے تجربہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارِ گراں، حضرت عمرؓ کے سوا اور کسی سے اُٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب، انہوں نے عام رائے کے اندازہ کرنے کے لیے اکابر صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو بُلا کر پوچھا انہوں نے کہا کہ عمرؓ کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اُن کی سختی اِس لئے تھی کہ میں نرم تھا، جب کام اُنہی پر آپڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عثمانؓ کو بُلا کر پوچھا۔ اُنہوں نے کہا میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمرؓ کا باطن، ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں اُن کا جواب نہیں،، جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا چنانچہ طلحہؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے، عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے، آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجیے کہ خدا کو کیا جواب دیجیے گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ

میں نے تیرے بندوں پر اُس شخص کو افسر مقرّر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا" یہ کہہ کر حضرت عثمانؓ کو بُلایا اور عہد نامۂ خلافت لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غش آگیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھدیے کہ "میں عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں" تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ کیا لکھا تھا مجھ کو پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمانؓ نے پڑھا تو بیساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور کہا کہ خُدا تم کو جزائے خیر دے" عہد نامہ لکھا جا چکا تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام کو دیا کہ جا کر مجمع عام میں سنائے، پھر خود بالاخانہ پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ عمرؓ کو مقرّر کیا۔ کیا تم لوگ اس پر راضی ہو، سب نے سمعنا و اطعنا کہا۔ پھر حضرت عمرؓ کو بُلا کر نہایت مؤثر اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمرؓ کے لئے عمدہ دستور العمل کے بجائے کام آئیں۔

marfat.com

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں مرتدین عرب اور مدعیانِ نبوّت کا خاتمہ ہو کر فتوحاتِ مُلکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی ۱۲ھ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرۃ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ ۱۳ھ ۶۳۴ء ہجری میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ اِن مہمات کا ابھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام اِنہی مہمات کا انجام دینا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اِن واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضرور ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کو فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عربِ بائدہ کے نام سے مشہور ہے اگرچہ اس کے حالات بالکل نامعلوم ہیں، تاہم اس قدر مشہور ہے کہ عادؔ اور عمالقہؔ نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب عربا، جو یمن کے فرمانروا تھے اُن کی حکومت ایک زمانے میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے اور سلطنتِ فارس کے ساتھ ان کو ہمسری کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومتِ فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہوئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا اور بیت المقدس کی بربادی نے اُس کے نام کو شہرت دے دی ہے، جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اس کے مطیع ہو گئے اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہوتی گئیں، یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ اور چونکہ اُس زمانے میں سلطنتِ فارس میں طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی، عربوں نے مستقل حکومت قائم کر لی جس کا پہلا فرمان روا مالک بن فہم عدنانی تھا۔ اِس خاندان میں جذیمۃ الابرش کی سلطنت نہایت وسیع

marfat.com

ہوئی۔ اس کا بھانجا عمرو بن عدی جو اس کے بعد تخت نشین ہوا اُس نے حیرۃ کو دار السلطنت قرار دیا اور عراق کا بادشاہ کہلایا۔ اس دَور میں اِس قدر تمدّن پیدا ہو گیا تھا کہ ہشام کلبی کا بیان ہے کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انہی کتابوں سے معلوم کیے جو حیرۃ میں اُس زمانے میں تصنیف ہوئی تھیں"۔[1] اسی زمانے میں اردشیر بن بابک نے طوائف الملوکی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو باجگزار بنالیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرمانروا رہا لیکن درحقیقت وہ سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاپور بن اردشیر جو سلسلۂ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا تھا اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگزار ہو گئے اور امراء القیس کندی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا اس لئے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ سابور ذی الاکتاف جب صغرسنی میں فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی یہاں تک کہ قبیلہ عبد القیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا اور ایاد نے عراق کے صوبے دبا لئے۔ شاپور بڑا ہو کر بڑے عزم واستقلال کا بادشاہ ہوا اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ ہجر میں پہنچ کر نہایت خونریزی کی اور قبیلہ عبد القیس کو برباد کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ رؤسائے عرب جو گرفتار ہو کر اُس کے سامنے آتے تھے اُن کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا، چنانچہ اِسی وجہ سے عرب میں وہ ذوالاکتاف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطینِ حیرۃ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانے میں تھا، عیسوی مذہب قبول کر لیا۔ اور اس تبدیلِ مذہب پر یا اور کسی سبب سے پرویز نے اُس کو قید کر دیا اور قیدی میں اُس نے وفات پائی۔ نعمان نے اپنے ہتھیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت

---

[1] ہشام کلبی نے یہ تشریح کتاب التیجان میں کی ہے۔

رکھوا دیئے تھے جو قبیلۂ بکر کا سردار تھا۔ پرویز نے اُس سے وہ چیزیں طلب کیں اور جب اُس نے انکار کیا تو ہرمزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کہ بزور چھین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے ذی قار ایک مقام میں بڑے سروسامان سے جمع ہوئے اور سخت معرکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی، اس لڑائی میں جناب رسول اللہؐ بھی تشریف رکھتے تھے اور آپؐ نے فرمایا کہ

هٰذا اوّل يُومٍ انتصفتِ العربُ من العجمِ

یعنی "یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا۔"

عرب کے تمام شعراء نے اس واقعہ پر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے ۶ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اس کے کہ ان خطوط میں جنگ و جدل کا اشارہ تک نہ تھا پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ "میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے"۔ اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ باذان کو جو یمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیجو کہ محمدؐ کو گرفتار کر کے دربار میں لائے۔" اتفاق سے اسی زمانے میں پرویز کو اُس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور معاملہ یہیں تک رہ گیا۔

رومی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلیح و غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور زیادہ قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کہلانے لگے تھے۔ لیکن یہ لقب خود ان کا خانہ ساز لقب تھا ورنہ جیسا کہ مورخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے درحقیقت وہ رومی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔

ان لوگوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور اس وجہ سے اُن کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح وہ بھی اسلام کے دشمن نکلے۔ ۶ھ میں جب رسول اللہ صلعم نے قیصرِ روم

marfat.com

کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا اور دحیہ کلبی (جو خط لے کر گئے تھے) واپس آتے ہوئے ارضِ جذام میں پہنچے۔ تو انہی شامی عربوں نے دحیہ پر حملہ کیا اور ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح جب رسول اللہؐ نے حارث بن عمیرؓ کو خط دے کر بصرے کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمرو بن شرجیل نے ان کو قتل کرا دیا۔ چنانچہ اس کے انتقام کے لیے رسول اللہؐ نے ۸ھ میں لشکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس لڑائی میں زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر طیارؓ، عبداللہؓ بن رواحہ، جو بڑے رتبہ کے صحابہ تھے شہید ہوئے اور گو خالدؓ کی حکمت عملی سے فوج صحیح و سلامت نکل آئی تاہم نتیجۂ جنگ درحقیقت شکست تھا۔

۹ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملے کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلعم خود پیشقدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو اُن کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اُس وقت عارضی طور سے لڑائی رُک گئی۔ لیکن رومی اور غسانی مسلمانوں کی فکر سے کبھی غافل نہیں رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہؐ کی نسبت مشہور ہوا کہ آپؐ نے ازواج مطہراتؓ کو طلاق دے دی تو ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے جا کر کہا کچھ تم نے سُنا!! حضرت عمرؓ نے فرمایا ؟ کیوں کہیں غسانی تو نہیں چڑھ آئے؟ اسی حفظِ ماتقدم کے لیے ۱۱ھ ہجری میں رسول اللہؐ نے اسامہؓ بن زید کو سردار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور بڑے بڑے نامور صحابہؓ مامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اسامہؓ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہؐ نے بیمار پڑ کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابوبکرؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ وہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بن چکا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "تم میں جو شخص مارا جائے گا شہید ہو گا اور جو بچ جائے گا مُدافع عن الدین ہو گا یعنی دین کو اُس نے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہو گا۔" اِن واقعات سے ظاہر ہو گا کہ حضرت ابوبکرؓ

marfat.com

نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمرؓ نے جس کی تکمیل کی اُسکے کیا اسباب تھے؟ اِس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

فتوحاتِ[1] عراق[2]

فارس کی حکومت کا چوتھا دَور جو ساسانی کہلاتا ہے نوشیروانِ عادل کی وجہ سے بہت نام آور ہے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اِس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زور آور رہی۔ لیکن اس کے مرنے کے ساتھ دفعۃً ایسی ابتری پیدا ہوگئی کہ ایوانِ حکومت مدّت تک متزلزل رہا۔ شیرویہ اُس کے بیٹے نے کُل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم و بیش ۱۵ تھے قتل کرا دیا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا اردشیر ۷ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دربار کے ایک افسر نے اُس کو قتل کر دیا، اور آپ بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ سنہ ہجری کا بارھواں[12] سال تھا۔ چندروز کے

---

[1] جغرافیہ نویسوں نے عراق کے دو حصّے کیے ہیں۔ یعنی جو حصّہ عرب سے ملحق ہے اُس کو عراق عرب اور جو حصّہ عجم سے ملحق ہے اس کو عراق عجم کہتے ہیں۔ عراق عرب کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں جزیرہ، جنوب میں بحرِ فارس، مشرق میں خوزستان اور مغرب میں دیار بکر ہے جس کا مشہور شہر موصل ہے۔ دارالسلطنت اِس کا بغداد ہے اور جو بڑے بڑے شہر اس میں آباد ہیں وہ بصرہ، کوفہ، واسط وغیرہ ہیں ۱۲۔ [2] ہمارے مورخین کا عام طریقہ ہے کہ وہ سنین کو عنوان قرار دیتے ہیں۔ لیکن اِس میں نقص ہے کہ واقعات کا سلسلہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً وہ ایران کی فتوحات لکھتے آتے ہیں کہ سنہ ختم ہوا چاہتا ہے اور ان کو اُس سنہ کے تمام واقعات لکھنے ہیں، اِس لئے قبل اِس کے کہ ایران کی فتوحات تمام ہوں یا موزوں موقع پر اُن کا سلسلہ ٹوٹے۔ شام و مصر کے واقعات کو جو اسی سنہ میں پیش آئے تھے چھیڑ دینا پڑتا ہے۔ اس لئے میں نے ایران کی تمام فتوحات کو ایک جا۔ شام کو ایک جا، اور مصر کو ایک جا لکھا ہے ۱۲

marfat.com

بعد درباریوں نے اُس کو قتل کرکے جوان شیر کو تخت نشین کیا۔ وہ ایک برس کے بعد قضا کرگیا۔ اب چونکہ خاندان میں یزدگرد کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا اولادِ ذکور باقی نہیں رہی تھی۔ پوران دخت کو اِس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ یزدگرد۔ سن شعور کو پہنچ جائے گا تو وہی تاج و تخت کا مالک ہوگا۔[1]

پرویز کے بعد جو انقلاباتِ حکومت ہوتے رہے اُس کی وجہ سے مُلک میں جا بجا بے امنی پھیل گئی، چنانچہ پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہوگیا کہ فارس میں کوئی وارثِ تاج و تخت نہیں رہا۔ برائے نام ایک عورت کو ایوان شاہی میں بٹھا رکھا ہے۔ اِس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلۂ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد حیرۃ۔ و اُبلّہ کی طرف غارت گری شروع کی۔[2] یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالدؓ سیف اللہ یمامہ اور دیگر قبائلِ عرب کی مہمات سے فارغ ہو چکے تھے۔ مثنیٰؓ۔ نے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰؓ خود اگرچہ اسلام لاچکے تھے لیکن اسوقت تک اُن کا تمام قبیلہ عیسائی یا بت پرست تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت سے واپس آکر انہوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔[3] اِن نومسلموں کا ایک بڑا گروہ لے کر عراق کا رُخ کیا۔ اِدھر حضرت ابوبکرؓ نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا۔ خالدؓ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کرلیے اور حیرۃ پر عَلَمِ فتح نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے۔ اور چونکہ یہاں نعمان بن منذر نے خورنق ایک مشہور محل بنایا تھا وہ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

---

[1] شیرویہ کے بعد سلسلۂ حکومت کی ترتیب اور ناموں کی تعیین میں مورخین اِس قدر مختلف ہیں کہ دو مورخ بھی باہم متفق نہیں۔ فردوسی کا بیان سب سے الگ ہے۔ میں نے بلحاظ قدیم العہد اور فارسی النسل ہونے ابوحنیفہ دینوری کے بیان کو ترجیح دی ہے ۱۲

[2] اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری ۱۲ [3] فتوح البلدان بلاذری صہ ۲۴۱

marfat.com

عراق کی یہ فتوحات خالد کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں لیکن اُن کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں۔ خالد نے مہمات عراق کا خاتمہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اُدھر شام کی مہم درپیش تھی اور جس زور شور سے وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اُس کے مقابلہ کا وہاں پُورا سامان نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ربیع الثانی ۱۳ھ ہجری میں خالد کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور مثنیٰؓ کو اپنا جانشین کرتے جائیں۔ خالدؓ اُدھر روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعتہً رُک گئیں۔

حضرت عمرؓ۔ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی۔ بیعتِ خلافت کے لئے تمام اطراف و دیار سے بیشمار آدمی آتے تھے اور تین دن تک اُن کا تانتا بندھا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اِس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمع عام میں جہاد کا وعظ کیا لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق۔ حکومتِ فارس کا پایۂ تخت ہے۔ اور وہ خالدؓ کے بغیر فتح نہیں ہوسکتا اِس لیے سب خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اِس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے۔ مثنیٰؓ شیبانی نے اُٹھ کر کہا کہ "مسلمانو میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے وہ مردِ میدان نہیں ہیں۔ عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کرلیا ہے اور عجم ہمارا لوہا مان گئے ہیں۔" حاضرین میں سے ابوعبید ثقفی بھی تھے جو قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے۔ وہ جوش میں آکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ اَنَا لھٰذا یعنی "اس کام کے لئے میں حاضر ہوں" ابوعبید کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرما دیا۔ اور ہر طرف سے غلغلہ اُٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ اور مُضافات سے ہزار[1] آدمی انتخاب کئے اور ابوعبید کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابوعبید کو آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا یعنی صحابی نہ تھے۔ اس وجہ سے اُن کی افسری پر کسی کسی کو خیال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ "عمر!

---

[1] بلاذری صہ ۲۵۰ ۔ یہ بلاذری کی روایت ہے ابوحنیفہ دینوری نے ۵ ہزار تعداد لکھی ہے ۱۲

marfat.com

صحابہؓ میں سے کسی کو یہ منصب دو۔ فوج میں سیکڑوں صحابہؓ ہیں اور اُنکا افسر بھی صحابیؓ ہی ہوسکتا ہے " حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا اور کہا کہ "تم کو جو شرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اِس شرف کو تم نے خود کھو دیا۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جو لوگ لڑنے سے جی چرائیں وہ افسر مقرر کئے جائیں "۔ تاہم چونکہ صحابہؓ کی دلجوئی ضرور تھی۔ ابوعبید کو ہدایت کی کہ اِن کا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں اُن سے مشورہ لینا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اُس نے ایرانیوں کو چونکا دیا تھا چنانچہ پوران دخت نے رستم کو جو فرخ زاد گورنرِ خراسان کا بیٹا۔ اور نہایت شجاع اور صاحبِ تدبیر تھا دربار میں طلب کیا اور وزیرِ حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ وسپید کا مالک ہے یہ کہہ کر اُس کے سر پر تاج رکھا اور درباریوں کو جن میں تمام امرا اور اعیانِ سلطنت شامل تھے تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں"۔ چونکہ اہلِ فارس اپنی نااتفاقیوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے۔ اُنہوں نے دِل سے اِن احکام کی اطاعت کی، اِس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز میں تمام بدانتظامیاں مِٹ گئیں اور سلطنت نے پھر وہی زور وقوت پیدا کرلی جو ہرمزد پرویز کے زمانے میں اُسکو حاصل تھی۔

رستم نے پہلی تدبیر یہ کی کہ اضلاعِ عراق میں ہر طرف ہرکارے اور نقیب دوڑا دیئے جنہوں نے مذہبی حمیّت کا جوش دلا کر تمام مُلک میں مسلمانوں کے برخلاف بغاوت پھیلا دی۔ چنانچہ ابوعبیدؓ کے پہنچنے سے پہلے پہلے فرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ برپا ہوگیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے اُن کے ہاتھ سے نکل گئے، پوران دُخت نے رستم کی اعانت کے لیئے ایک اور فوجِ گراں تیار کی اور نرسی و جاپان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جاپان، عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عرب سے اُس کو خاص عداوت تھی۔ نرسی۔ کسرے کا خالہ زاد بھائی تھا اور عراق کے بعض اضلاع، قدیم سے اُس کی جاگیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے۔

marfat.com

اِدھر ابو عبید و مثنیٰ - حیرہ تک پہنچ چکے تھے۔ کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا، مصلحت دیکھ کر خفان کو ہٹ آتے - جاپان نمارق پہنچکر خیمہ زن ہوا۔

ابو عبید نے اس اثنا میں فوج کو سر و سامان سے آراستہ کرلیا - اور پیشقدمی کر کے خود حملے کے لئے بڑھے ، نمارق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں - جاپان کے میمنہ و میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے - لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہو گئے - مردان شاہ - بدقسمتی سے اُسی وقت قتل کر دیا گیا - لیکن جاپان اِس حیلے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اُسکو گرفتار کیا تھا وہ اُس کو پہچانتا نہ تھا جاپان نے اُس سے کہا کہ اِس بڑھاپے میں مَیں تمہارے کس کام کا ہوں مجھ کو چھوڑ دو - اور معاوضے میں مجھ سے دو جوان غلام لو - اُس نے منظور کرلیا - بعد کو ، لوگوں نے جاپان کو پہچانا تو غُل مچایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے - لیکن ابو عبید نے کہا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں۔

ابو عبید نے اِس معرکہ کے بعد کسکر کا رُخ کیا جہاں نرسی فوج لئے پڑا تھا - سقاطیہ میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں - نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور خود کسریٰ کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ - میمنہ اور میسرہ پر تھے - تاہم نرسی اِس وجہ سے لڑائی میں دیر کر رہا تھا کہ پایہ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں - ابو عبید کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی - اُنہوں نے بڑھ کر جنگ شروع کر دی - بہت بڑے معرکہ کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی - ابو عبید نے خود سقاطیہ میں مقام کیا اور تھوڑی سی فوجیں ہر طرف بھیجدیں کہ ایرانیوں نے جہاں جہاں پناہ لی ہے اُن کو وہاں سے نکال دیں -

فرّخ اور فراوندا د جو بارو سما اور زوابی کے رئیس تھے مطیع ہو گئے چنانچہ اظہار خلوص کے لئے ایک دن ابو عبید کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے -

marfat.com

ابو عبید نے دریافت کیا کہ یہ سامان کُل فوج کے لئے ہے یا صرف میرے لئے؟ فرُّخ نے کہا اِس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام نہیں ہو سکتا تھا۔ ابو عبید نے دعوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اِس شکست کی خبر سُن کر رستم نے مردان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا اور جس کو نوشیروان نے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا تھا چار ہزار فوج کے ساتھ اِس سامان سے روانہ کیا کہ درفش کاویانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا اور فتح وظفر کا دیباچہ سمجھا جاتا تھا اُس کے سر پر سایا کرتا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جس کا نام مروحہ تھا دونوں حریف صف آرا ہوئے۔ چونکہ بیچ میں دریا حائل تھا بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم اِس پار اُتر کر آؤ یا ہم آئیں۔ ابو عبید کے تمام سرداروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم کو اِسی طرف رہنا چاہیئے لیکن ابو عبید جو شجاعت کے نشے میں سرشار تھے سمجھے کہ یہ نامردی کی دلیل ہے۔ سرداروں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جانبازی کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں۔" مردان شاہ جو پیغام لے کر آیا تھا اُس نے کہا ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ "عرب مردِ میدان نہیں ہیں"۔ اِس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا اور ابو عبید نے اُسی وقت فوج کو کمربندی کا حکم دے دیا۔ مثنیٰ اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسرانِ فوج اِس رائے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت وشان میں اُن کا رتبہ ابو عبید سے بڑھ کر تھا۔ جب ابو عبید نے اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اگرچہ ہم کو قطعی یقین ہے کہ اِس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہوگی تاہم اِس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں؛ غرض کشتیوں کا پُل باندھا گیا اور تمام فوج پار اُتر کر غنیم سے معرکہ آرا ہوئی۔ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا اِس لئے مسلمانوں کو موقع نہیں مِل سکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کر سکتے۔

marfat.com

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا، بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے لٹکتے تھے اور بڑے زور سے بجتے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں۔ سوار۔ سمور کی لمبی ٹوپیاں اوڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ مہیب نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا، بدک کر پیچھے ہٹے۔ ابو عبید نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا، گھوڑے سے کود پڑے۔ اور ساتھیوں کو للکارا کہ جانبازو! ہاتھیوں کو بیچ میں لے لو اور ہودوں کو سواروں سمیت اُلٹ دو۔" اس آواز کے ساتھ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی۔ ابو عبید یہ دیکھ کر پیل سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونڈ پر تلوار ماری کہ مشک سے الگ ہو گئی۔ ہاتھی نے بڑھ کر اُن کو زمین پر گرا دیا اور سینے پر پاؤں رکھ دیے کہ ہڈیاں تک چور چور ہو گئیں۔

ابو عبید کے مرنے پر اُن کے بھائی حکم نے عَلَم ہات میں لیا اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے۔ اُس نے ابو عبید کی طرح اُن کو بھی پاؤں میں لپیٹ کر مَسَل دیا۔ اس طرح سات آدمیوں نے جو سب کے سب ابو عبید کے ہم نسب اور خاندانِ ثقیف سے تھے، باری باری عَلَم ہاتھ میں لئے اور مارے گئے۔ آخر میں مثنیٰ نے عَلَم لیا۔ لیکن اُس وقت لڑائی کا نقشہ بگڑ چکا تھا اور فوج میں بھاگڑ پڑ چکی تھی۔ طُرّہ یہ ہوا کہ ایک شخص نے دوڑ کر پُل کے تختے توڑ دیے کہ کوئی شخص بھاگ کر جانے نہ پائے۔ لیکن لوگ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگے تھے کہ پُل کی طرف رستہ نہ ملا تو دریا میں کود پڑے۔ مثنیٰ نے دوبارہ پُل بندھوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگتوں کو اطمینان سے پار اُتار دے خود بچی کھچی فوج کے ساتھ دشمن کا آگا روک کر کھڑے ہوئے اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو دباتے آتے تھے رُک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حساب کیا گیا تو معلوم

marfat.com

ہوا کہ نو ہزار ۹۰۰۰ فوج میں سے صرف تین ہزار ۳۰۰۰ رہ گئی۔

اسلام کی تاریخ میں۔ میدانِ جنگ سے فرار کرنا نہایت شاذ اور نادر وقوع میں آیا ہے اور اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آگیا ہے تو اُس کا عجیب افسوس ناک اثر ہوا ہے اس لڑائی میں جن لوگوں کو یہ ذلت نصیب ہوئی تھی وہ مدت تک خانہ بدوش پھرتے رہے اور شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے، اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے مُنہ چھپاتے پھرتے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا۔ لوگ مسلمانوں کی بدقسمتی پر افسوس کرتے تھے اور روتے تھے۔ جو لوگ مدینہ پہنچکر گھروں میں روپوش تھے اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس جاکر ان کو تسلی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم او متحیزاً الی فئۃ میں داخل ہو۔ لیکن ان کو اس تاویل سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔

یہ واقعہ (حسب بیان بلاذری) ہفتہ کے دن رمضان ۱۳ھ میں واقع ہوا۔

اس لڑائی میں نامور صحابیوںؓ میں سے جو لوگ شہید ہوئے وہ سلیطؓ۔ ابوزیدؓ انصاری۔ عقبہؓ وعبد اللہؓ پسران قبطی بن قیس۔ یزیدؓ بن قیس الانصاری۔ ابوامیہؓ الفرازی وغیرہ تھے۔

واقعہ بویب رمضان ۱۴ھ ۶۳۵ء

اس شکست نے حضرت عمرؓ کو سخت برہم کیا اور نہایت زور وشور سے حملہ کی تیاریاں کیں۔ تمام عرب میں خطبا اور نقیب بھیج دیئے جنہوں نے پرجوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگا دی اور ہر طرف سے عرب کے قبائل اُمنڈ آئے۔ قبیلۂ ازد کا سردار مخنف بن سلیم سات سو سواروں کو ساتھ لیکر آیا، بنو تمیم کے ہزار آدمی حصین بن معبد کے ساتھ آئے۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی ایک جمعیت کثیر لے کر پہنچے۔ اسی طرح قبیلہ رباب۔ بنو کنانہ۔ قثعم۔ بنو حنظلہ۔ بنو ضبہ۔ کے بڑے بڑے جتھے اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے۔ یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی

marfat.com

تھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اِس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں" ان دونوں سرداروں کے ساتھ اُن کے قبیلے کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے اِنہی دنوں جریر بجلی دربارِ خلافت میں حاضر ہوا۔ یہ ایک مشہور سردار تھا اور جناب رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی لیکن تعمیل کی نوبت نہیں آئی تھی، حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے عرب کے تمام عُمّال کے نام احکام بھیج دیئے کہ جہاں جہاں اِس کے قبیلے کے آدمی ہوں تاریخ معیّن پر اُس کے پاس پہنچ جائیں۔ جریر۔ یہ جمعیتِ اعظم لے کر دوبارہ مدینہ میں حاضر ہوئے۔

اُدھر مثنیٰ نے عراق کے تمام سرحدی مقامات میں نقیبا بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شاہی دربار میں پہنچائیں۔ پوران دخت نے حکم دیا کہ فوج خاصہ سے بارہ ہزار سوار انتخاب کئے جائیں اور مہران بن مہردیہ ہمدانی افسر مقرر کیا جائے۔ مہران کے انتخاب کی یہ وجہ تھی کہ اُسنے خود عرب میں تربیت پائی تھی اور اِس وجہ سے وہ عرب کے زور و قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا، اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ مہران، پایہ تخت سے روانہ ہو کر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو بیچ میں ڈال کر خیمہ زن ہوا، صبح ہوتے فرات اُتر کر بڑے سروسامان سے لشکر آرائی شروع کی۔ مثنیٰ نے بھی نہایت ترتیب سے صف درست کی۔ فوج کے مختلف حصّے کر کے بڑے بڑے ناموروں کی ماتحتی میں دیئے۔ چنانچہ میمنہ پر بذعور۔ میسرہ پر نسیر۔ پیدل پر مسعود، والنیٹر پر عاصم۔ گشت کی فوج پر۔ عصمہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا تو مثنیٰ نے اِس سرے سے اُس سرے تک ایکبار چکر لگایا اور ایک ایک علم کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔ بہادرو! دیکھنا!

marfat.com

تمہاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ آتے۔"

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج حربہ و ہتیار سے آراستہ ہوجاتی تھی۔ دوسری تکبیر پر لوگ ہتھیار تول لیتے تھے اور تیسرے نعرہ پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ مثنیٰ نے دوسری تکبیر ابھی نہیں کہی تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے اور کچھ لوگ جوش میں آکر صف سے آگے نکل گئے۔ مثنیٰ نے غصّے میں آکر داڑھی دانتوں میں دبالی اور پکارے کہ خدا کے لئے اسلام کو رسوا نہ کرو۔" اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہاں جگہ تھی وہیں آکر جم گیا۔ چوتھی تکبیر کہہ کر مثنیٰ نے حملہ کیا۔

عجمی اس طرح گرجتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گونج اُٹھا۔ مثنیٰ نے فوج کو للکارا کہ گھبرانا نہیں یہ نامردانہ غُل ہے۔ عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بُلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو اور آج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا انہوں نے لبیک کہا۔ مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر لے کر دھاوا کیا اور پہلے ہی حملہ میں مہران کا میمنہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عجمی دوبارہ سنبھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ مثنیٰ نے للکارا کہ مسلمانو! کہاں جاتے ہو؟ میں یہ کھڑا ہوں۔" اس آواز کے ساتھ سب پلٹ پڑے۔ مثنیٰ نے ان کو سمیٹ کر پھر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو مثنیٰ کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے۔ اُن کی رکاب کی فوج بیدل ہوا چاہتی تھی۔ مثنیٰ نے للکارا کہ مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ پروا نہیں شُرفا یوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمہارے عَلَم جھکنے نہ پائیں خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ میرے مرنے سے بیدل نہ ہونا۔"

دیر تک بڑی گھمسان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی

لہ الاخبار الطوال لابی حنیفۃ الدینوری ۱۲

marfat.com

جانبازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا۔ مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اُتر کر اُس کو گود میں لیا اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لِٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ لیکن مثنیٰ کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کا پلہ اِسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کُل کا کُل برباد ہوگیا۔ شہر براز جو ایک مشہور افسر تھا۔ قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا اور بڑی بہادری سے تیغ بکف لڑ رہا تھا کہ قبیلۂ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجہ میں پکارا "میں ہوں تغلب کا نوجوان اور رئیسِ عجم کا قاتل"۔ [1]

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہوگیا، عجم نہایت ابتری سے بھاگے۔ مثنیٰ نے فوراً پل کے پاس پہنچ کر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اِس قدر بے شمار لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا اُدھر گزر ہوا تو انہوں نے جابجا ہڈیوں کے انبار پائے۔

اِس فتح کا ایک خاص نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جو رُعب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ اُن کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنتِ کسریٰ کے دن آخیر آگئے۔ خود مثنیٰ کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم سے لڑ چکا ہوں۔ اُس وقت سو عجمی، ہزار عرب پر بھاری تھے لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔

اِس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل گئے۔

جہاں اب بغداد آباد ہے اُس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے اور بیشمار نقد اور اسباب ہاتھ آیا پایۂ تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ

---

[1] طبری بروایت سیف

marfat.com

زنانہ حکومت، اور آپس کے اختلاف کا یہی نتیجہ تھا؛ اِسی وقت پوران دخت کو تخت سے اُتار کر یزدگرد کو جو سولہ برس[1] کا جوان تھا اور خاندانِ کسریٰ کا وہی ایک نرینہ یادگار رہ گیا تھا تخت نشین کیا۔ رستم اور فیروز جو سلطنت کے دست وبازو تھے اور آپس میں عناد رکھتے تھے درباریوں نے اُن سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہوکر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کئے دیتے ہیں۔ غرض یزدگرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت میں نئے سرے سے جان آگئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہوگئے۔ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کردی گئیں، عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں۔ عجم کا سہارا پاکر وہاں بھی بغاوت پھیل گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمرؓ کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ اور ربیعہ و مضر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوتے ہیں اُن کو طلبی کا حکم بھیجدو کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائیں۔

اِس کے ساتھ خود بڑے سروسامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں، ہر طرف نقیب دوڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی بہادر۔ رئیس۔ صاحب تدبیر۔ شاعر۔ خطیب۔ اہل الرائے ہو۔ فوراً دربارِ خلافت میں آئے۔ چونکہ حج کا زمانہ آچکا تھا خود مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہیں ہوتے تھے کہ ہر طرف سے قبائلِ عرب کا طوفان اُمنڈ آیا۔ سعدؓ بن وقاص نے تین ہزار (۳۰۰۰) آدمی بھیجے جن میں سے ایک ایک شخص تیغ وعَلَم کا مالک تھا۔ حضرموت۔ صدف۔ مذحج، قیس۔ عیلان کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمعیت لے کر آئے۔ مشہور قبائل میں سے یمن کے ہزار۔ بنوتمیم ورباب کے چار ہزار، بنواسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

---

[1] یہ ابوحنیفہ دینوری کی روایت ہے۔ طبری نے ۲۱ برس کی عمر بیان کی ہے۔

marfat.com

حضرت عمرؓ حج کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ لشکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا۔ چنانچہ ہراول پر طلحہؓ۔ میمنہ پر زبیرؓ۔ میسرہ پر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علیؓ کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کئے اور خود مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ کی اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور سب نے مرنے پر کمریں باندھ لیں۔ صرار جو مدینہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچ کر مقام کیا اور یہ اس سفر کی گویا پہلی منزل تھی۔ چونکہ امیرالمؤمنین کا خود معرکۂ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب نہ تھا۔ اس لئے صرار میں فوج کو جمع کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب کی۔ عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ امیرالمومنین! یہ مہم آپکے بغیر سر نہ ہوگی۔ لیکن بڑے بڑے صحابہؓ نے جو معاملہ کا نشیب و فراز سمجھتے تھے اس کے خلاف رائے دی۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ لڑائی کے دونو پہلو ہیں اگر خدا نخواستہ شکست ہوئی اور آپکو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر ایک پُراثر تقریر کی اور عوام کیطرف خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اکابرِ صحابہؓ اس رائے سے متفق نہیں۔ غرض اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمرؓ خود سپہ سالار بن کر نہ جائیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بارِ گراں کے اُٹھانے کے قابل نہیں ملتا تھا۔ ابو عبیدؓ وخالدؓ۔ شام کی مہمات میں مصروف تھے۔ حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی گئی مگر انہوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی حیص وبیص میں تھے کہ دفعتہً عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اُٹھ کر کہا کہ میں نے پا لیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعدؓ بن ابی وقاص۔

سعدؓ بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ کے ماموں تھے ان کی بہادری اور شجاعت بھی مسلم تھی۔ لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا

اِس بنا پر حضرت عمرؓ کو پھر بھی تردّد تھا لیکن جب تمام حاضرین نے عبد الرحمٰنؓ بن عوف کی رائے کی تائید کی تو چار و ناچار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے، لشکر کی تمام مہمات قبضۂ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ اِن معرکوں میں اوّل سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب، فوجوں کی تقسیم۔ وغیرہ کے متعلق ہمیشہ وقتاً فوقتاً احکام بھیجتے رہتے تھے۔ اور ایک کام بھی اُن کی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ سے عراق تک فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمرؓ ہی نے نامزد کر دی تھیں۔ چنانچہ مؤرخ طبری نے نام بنام اُن کی تصریح کر دی ہے۔

غرض سعدؓ نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷، ۱۸ منزلیں طے کر کے ثعلبہ[1] پہنچے اور یہاں مقام کیا۔ ثعلبہ کوفہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا۔ تین مہینے یہاں قیام رہا۔ مثنیٰ موضع ذی قار میں آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے جن میں خاص بکر بن وائل کے چھ ہزار جوان تھے۔ مثنیٰ کو سعدؓ کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر کوفہ پر بڑھیں۔ لیکن جسر کے معرکے میں جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اُسی کے صدمے سے انتقال کیا۔

سعدؓ نے ثعلبہ سے چل کر شراف میں ڈیرے ڈالے۔ یہاں مثنیٰ کے بھائی معنّیٰ اُن سے آ کر ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیتے تھے سعدؓ سے بیان کئے۔ چونکہ حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ جہاں فوج کا پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں، سعدؓ نے اِس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ۔ فرودگاہ کا ڈھنگ۔ رسد کی کیفیت۔ اِن تمام حالات سے اُن کو اطلاع دی۔ وہاں سے ایک مفصّل فرمان آیا جس میں بہت سی ہدایتیں۔ اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے۔ سعدؓ نے اِن احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا

[1] بلاذری نے ثعلبہ اور طبری نے زرود لکھا ہے۔ یہ دونوں مقام آپس میں نہایت متصل اور بالکل قریب ہیں۔

marfat.com

جو کم و بیش تیس ہزار ٹھہری۔ پھر میمنہ و میسرہ وغیرہ کی تقسیم کرکے ہر ایک پر جُدا جُدا افسر مقرر کئے۔ فوج کے جدا جدا حصّوں اور اُن کے افسروں کی تفصیل۔ طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی۔

حصّہ	نام افسر	مختصر حال
ہراول	زہرہ بن عبد اللہ بن قتادہ	جاہلیت میں یہ بحرین کی بادشاہ تھے۔ رسول اللہ کی خدمت اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔
میمنہ (دایاں حصّہ)	عبد اللہ بن المعتصم رضؓ	صحابی تھے۔
میسرہ (بایاں حصّہ)	شرحبیل بن السمط	نوجوان آدمی تھے۔ مُرتدین کی جنگ میں نہایت شہرت حاصل کی تھی۔
ساقہ (پچھلا حصّہ)	عاصم بن عمرو التمیمی	
طلایع (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
مجرد (بیقاعدہ فوج)	سلمان بن ربیعۃ الباہلی	
پیدل	حمال بن مالک الاسدی	
شتر سوار	عبد اللہ بن ذی السہمین	
قاضی وخزانچی	عبد الرحمن بن ربیعۃ الباہلی	
رائد یعنی رسد وغیرہ کا بندوبست کرنے والے	سلمانؓ فارسی	مشہور صحابی ہیں۔ فارس کے رہنے والے تھے۔
مترجم	ہلال ہجری	

marfat.com

منشی	زیاد بن ابی سفیان	
طبیب[1]		

اُمرائے اعشار میں سے ستر وہ صحابہؓ تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ تین سَو وہ جو بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے۔ اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے۔ سات سَو ایسے جو صحابہ نہ تھے لیکن صحابہؓ کی اولاد تھے۔

سعدؓ شراف ہی میں تھے کہ دربارِ خلافت سے ایک اور فرمان آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ "شراف سے آگے بڑھ کر قادسیہ[2] میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آسکو۔"

قادسیہ نہایت شاداب اور نہروں اور پُلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا۔ حضرت عمرؓ جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گذرے تھے۔ اور اس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے۔ چنانچہ سعدؓ کو جو فرمان بھیجا اُس میں قادسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا۔ تاہم چونکہ پُرانا تجربہ تھا سعدؓ کو لکھا کہ "قادسیہ پہنچ کر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ کر بھیجو۔ کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے۔" سعدؓ نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ بھیجے۔ دربارِ خلافت سے روانگی کی اجازت آئی۔ چنانچہ سعدؓ شراف سے چلکر غذیب پہنچے، یہاں عجمیوں کا میگزین رہا کرتا تھا اور وہ مفت ہاتھ آیا۔

[1] افسوس ہے کہ طبری نے طبیبوں کے نام نہیں لکھے صرف اسی قدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے ساتھ طبیب بھیجے۔

[2] یہ کوفہ سے ۴۵ میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا ۱۲

marfat.com

قادسیہ پہنچکر سعدؓ نے ہر طرف ہرکارے دوڑائے کہ غنیم کی خبر لائیں۔ اُنہوں نے آکر بیان کیا کہ رستم (پسر فرخ زاد) جو آرمینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے۔ سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور اُن کو اسلام کی رغبت دلائیں۔ سعدؓ نے سردارانِ قبائل میں سے چودہ نامور شخص انتخاب کئے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ عطارد بن حاجب۔ اشعث بن قیس۔ حارث بن حسان۔ عاصم بن عمر۔ عمرو معدی کرب۔ مغیرہ بن شعبہ۔ معنی بن حارثہ۔ قد و قامت اور ظاہری رعب و داب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن۔ بسر بن ابی رہم۔ حملہ بن جویہ۔ حنظلہ بن الربیع التمیمی۔ فرات بن حیان العجلی۔ عدی بن سہیل۔ مغیرہ بن زرارہ، عقل و تدبیر۔ اور حزم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

ساسانیوں کا پایہ تخت، قدیم زمانے میں اصطخر تھا۔ لیکن نوشیرواں نے مدائن کو دارالسلطنت قرار دیا تھا، اور اُس وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا۔ یہ مقام سعدؓ کی فرودگاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰۔ ۴۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ سُفرا گھوڑے اڑاتے ہوتے سیدھے مدائن پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گذر ہوتا تھا تماشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچکر ٹھہرے۔ اگرچہ اِن کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھا تاہم بیباکی اور دلیری اِن کے چہروں سے ٹپکتی تھی اور تماشائیوں پر اِس کا اثر پڑتا تھا، گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی اور اُس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے سُفراء آتے ہیں۔ یہ سُن کر بڑے سروسامان سے دربار سجایا اور سُفرا کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی جبّے پہنے، کاندھوں پر یمنی چادریں ڈالے، ہاتھوں میں کوڑے لئے، موزے

پڑھائے دربار میں داخل ہوئے پچھلے معرکوں نے تمام ایران میں عرب کی دھاک بٹھادی تھی، یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اس پر ایک ہیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا بُرد۔ اُس نے (فارسی معنی کے لحاظ سے) کہا کہ "جہاں بُرد" پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ ان لوگوں نے کہا "سوط" وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ "پارس را سوختند۔ ان بدفالیوں پر سارا دربار برہم ہُوا جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اِس مُلک میں کیوں آتے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے جواب دینے کے لئے آگے بڑھے۔ پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کئے پھر کہا کہ ہم تمام دُنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں جزیہ یا تلوار۔ یزدگرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دُنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی۔ تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیجدیا جاتا تھا اور وہ تمہارا بل نکال دیتے تھے۔

اس پر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبط نہ کر سکے اور اُٹھ کر کہا کہ یہ لوگ (اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کر کے) رؤسا عرب ہیں اور حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ گوئی نہیں کر سکتے۔ اُنہوں نے جو کچھ کہا یہی زیبا تھا۔ لیکن کہنے کے قابل باتیں رہ گئیں۔ اُن کو میں بیان کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم بدبخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کٹتے مرتے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن خُدا تعالےٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سب سے ممتاز تھا۔ اوّل اوّل ہم نے اُس کی مخالفت کی۔ وہ سچ کہتا تھا تو ہم جُھٹلاتے تھے۔ وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اُس کی بات نے دلوں میں اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خُدا کے حکم سے کہتا تھا۔ اور جو کچھ کرتا تھا خُدا کے حکم سے کرتا تھا۔ اُس نے ہم کو حکم دیا کہ اِس مذہب کو تمام دُنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں۔ جن کو اسلام سے انکار ہو اور جزیہ پر راضی

marfat.com

ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں جبکو دونوں باتوں سے اِنکار ہو اُس کے لئے تلوار ہے"۔ یزدگرد غصّے سے بیتاب ہوگیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ کہہ کر مٹی کا ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ تم میں سب سے معزز کون ہے؟ عاصم بن عمر نے بڑھ کر کہا "میں" ملازموں نے ٹوکرا اُن کے سر پر رکھ دیا۔ وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے سعدؓ کے پاس پہنچے کہ فتح مبارک! دشمن نے اپنی زمین خود ہم کو دے دی"۔

اِس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم جو سلطنتِ فارس کی طرف سے اِس مہم پر مامور تھا ساباط میں لشکر لئے پڑا تھا اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا۔ اِدھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے لئے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے۔ اس عرصے میں بعض بعض رئیس اُدھر سے اِدھر آ گئے۔ اِن میں جوشن ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا۔ اِس حالت نے طول کھینچا تو رعایا جوق جوق یزدگرد کے پاس پہنچکر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہلِ عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ چار ناچار رستم کو مقابلے کیلئے بڑھنا پڑا۔ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ساباط سے نکلا اور قادسیہ پہنچکر ڈیرے ڈالے لیکن فوج جن جن مقامات سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شراب پی کر بدمستیاں کرتے تھے اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ اِن باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنتِ عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوجیں جس دن ساباط سے بڑھیں سعدؓ نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیئے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا رنگ ڈھنگ۔ لشکر کی ترتیب، اُمرا کا رُخ اِن باتوں کے دریافت کے لئے فوجی افسر متعین کئے۔ اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ طلیحہ۔ رات کے وقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے۔ ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا تھان پر بندھا دیکھا۔ تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے

marfat.com

کی باگ ڈور سے اٹکالی۔ اِس عرصے میں لوگ جاگ اُٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ اُس نے قریب پہنچکر برچھی کا وار کیا۔ اُنہوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرا انہوں نے جُھک کر برچھی ماری کہ سینے کے پار ہوگئی۔ اُس کے ساتھ دو اور سوار تھے۔ اُن سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں۔ اتنے عرصے میں تمام فوج میں ہل چل پڑگئی۔ اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ لیکن طلیحہ لڑتے بھڑتے صاف نکل آئے، اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے سعدؓ کے سامنے آکر اسلام قبول کیا اور کہا کہ دونوں سوار جو طلیحہ کے ہاتھ سے مارے گئے میرے ابن عم تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ اسلام کے بعد قیدی کا نام مُسلم رکھّا گیا اور اُس کی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت قدمی اور جانبازی کے جوہر دکھائے۔

رُستم چونکہ لڑنے سے جی چُراتا تھا ایک دفعہ اور صُلح کی کوشش کی۔ سعدؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا کوئی معتمد آدمی آئے تو صُلح کے متعلق گفتگو کی جائے۔ سعدؓ نے ربعی بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب وغریب ہیئت سے چلے۔ عرق گیر کی زرہ بنائی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رسّی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پر چیھڑے لپیٹ لئے۔ اِس ہیئت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ ادھر ایرانیوں نے بڑے سروسامان سے دربار سجایا۔ دیبا کا فرش۔ زرّین گاؤ تکیے۔ حریر کے پردے۔ صدر میں مرصّع تخت۔ ربعی فرش کے قریب آکر گھوڑے سے اُترے۔ اور باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا۔

درباری بے پروائی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتھیار رکھوا

marfat.com

لینا چاہا۔ اُنھوں نے کہا میں بُلایا ہوا آیا ہوں تم کو اس طرح میرا آنا منظور نہیں تو میں اُلٹا پھر جاتا ہوں۔ درباریوں نے رُستم سے عرض کی۔ اُس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی ادا سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے۔ لیکن برچھی جس سے عصا کا کام لیا تھا اُس کی اَنِی کو اس طرح فرش میں چھوتے جاتے تھے کہ پُر تکلّف فرش اور قالین جو بچھے ہوئے تھے جا بجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے۔ تخت کے قریب پہنچکر زمین پر نیزہ مارا جو فرش کو آرپار کرکے زمین میں گڑ گیا۔ رُستم نے پوچھا کہ اس مُلک میں کیوں آتے ہو؟ اُنھوں نے کہا "اس لیے کہ مخلوق کے بجائے خالق کی عبادت کی جائے"۔ رُستم نے کہا میں ارکانِ سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ درباری بار بار ربعی کے پاس آکر ان کے ہتھیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے؟ لیکن جب ربعی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ اور جب اُس کے کاٹ کی آزمائش کے لئے ڈھالیں پیش کی گئیں تو ربعی نے اُن کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ ربعی اُس وقت چلے آئے۔ لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

اخیر سفارت میں مغیرہ گئے، اُس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر ندیم اور افسر تھے تاجِ زر پہن کر کرسیوں پر بیٹھے خیمے میں دیبا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا اور خدام اور منصبدار قرینے سے دورویہ پرے جما کر کھڑے ہوئے۔ مغیرہ گھوڑے سے اُتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے۔ اور رُستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہو گیا یہاں تک کہ چوبداروں نے بازو پکڑ کر ان کو تخت سے اُتار دیا۔ مغیرہ نے افسرانِ دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں خود نہیں آیا۔ بلکہ تم نے بُلایا تھا۔ اس لئے مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور تمام لوگ اُس کے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں۔" مترجم نے جس کا نام عبود تھا اور حیرۃ کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا۔

marfat.com

اور بعض بول اُٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا ایما یا حکم نہ تھا پھر بے تکلفی کے طور پر مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لے کر کہا کہ ان تکلوں سے کیا ہوگا؟ مغیرہ نے کہا کہ "آگ کی لو گو چھوٹی ہو پھر بھی آگ ہے"۔ رستم نے اُن کی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا کہ کس قدر بوسیدہ ہے۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ لیکن تلوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے۔ اس نوک جھوک کے بعد معاملے کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ ملال نہیں بلکہ کچھ انعام دلایا جائے گا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ "اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا"۔ رستم غصہ سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کر دوں گا۔ مغیرہ اُٹھ کر چلے آئے اور صُلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

قادسیہ[1] کی جنگ اور فتح

محرم سنہ ۱۴ ہجری
۶۳۵ء

رُستم اب تک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا۔ لیکن مغیرہ کی گفت گو نے اُس کو اس قدر غیرت دلائی کہ اُسی وقت کمر بندی کا حکم دیا۔ نہر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک بنا دی جائے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اس پار آ گئی۔ خود سامانِ جنگ سے آراستہ ہوا۔ دُہری زرہیں پہنیں۔ سر پر خود رکھا۔ ہتھیار لگائے پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ "کل عرب کو چکنا چُور

---

[1] قادسیہ عرب کا مشہور شہر تھا اور مدائن سبعہ کے وسط میں تھا اب ویران پڑا ہوا ہے۔ ہمارے نقشے میں اس کو شہر مدائن کے متصل سمجھنا چاہیئے ۱۲

marfat.com

کر دوں گا"۔ کسی سپاہی نے کہا۔ ہاں اگر خدا نے چاہا۔ بولا کہ "خدا نے نہ چاہا تب بھی"۔

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی۔ آگے پیچھے تیرہ صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا۔ ہودجوں اور عماریوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھلائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے۔ خبر رسانی کے لیے موقع جنگ سے پایۂ تخت تک۔ کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھا دیئے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعدؓ کو چونکہ عرق النساء کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس لئے فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے۔ بالاخانے پر میدان کی طرف رُخ کر کے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عرفطہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے۔ یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے۔ اور خالد اُنہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں، فنِ جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزیِ طبع اور لیاقتِ جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعراء میں۔ شماخ۔ حطیئہ۔ اوس بن مغرا۔ عبدۃ بن الطیب۔ عمرو معدی کرب، اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرہ۔ غالب۔ ابن الہذیل الاسدی بسر بن ابی رہم الجہنی۔ عاصم بن عمرو۔ ربیع سعدی۔ ربعی بن عامر۔ میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ اُن پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض جملے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

ابن الہذیل الاسدی کے الفاظ یہ تھے۔

marfat.com

یامعاشر سعد اجعلوا حصونکم السیف دکونوا علیھم کاسود الاجم دادرعوا العجاج وغضوا الابصار فاذا کلت السیوف فارسلوا الجنادل فانھا یوذن لھا فیما لا یوذن للحدید۔	خاندان سعدؓ! تلواروں کو قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلے میں شیرِ نر بن جاؤ۔ گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی کرلو۔ جب تلواریں تھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں بار مل جاتا ہے تلواروں کو نہیں ملتا۔

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورۂ جہاد کی آیتیں پڑھنی شروع کیں۔ جس کی تاثیر سے دِل ہل گئے اور آنکھیں سُرخ ہوگئیں۔

سعدؓ نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوگئی۔

سب سے پہلے ایک ایرانی قدر انداز، دیبا کی قبا زیبِ بدن کئے۔ زرّیں کمر بند لگائے۔ ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں آیا۔ اِدھر سے عمرو معدی کرب اُس کے مقابلے کو نکلے۔ اُس نے تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ اُنھوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب پہنچ کر کمربند میں ہاتھ ڈال معلّق اُٹھا زمین پر دے پٹکا اور تلوار سے گردن اُڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ "یوں لڑا کرتے ہیں۔" لوگوں نے کہا ہر شخص معدی کرب کیونکر ہوسکتا ہے۔"

اس کے بعد اور اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھاتے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالے پر جو سب میں ممتاز تھا ہاتھیوں کو ریلا۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے۔ دفعتہً بدکے اور منتشر ہوگئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی۔ لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں اُن کے پاؤں بھی اُکھڑے جاتے تھے۔ سعد نے یہ ڈھنگ دیکھ کر فوراً قبیلۂ اسد کو حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو۔ طلیحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے، ساتھیوں سے کہا "عزیزو! سعدؓ نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے۔" تمام قبیلے نے جوش میں آکر باگیں اٹھائیں اور ہاتھوں میں برچھیاں لے کر

marfat.com

ہاتھیوں پر حملہ آور ہوتے۔ ان کی پامردی سے اگرچہ یہ کالی آندھی ذرا تھم گئی لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اس طرف دیا۔ سعدؓ نے قبیلۂ تمیم کو جو قدر اندازی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ کیا تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی؟ یہ سن کر وہ دفعتہ بڑھے اور اس قدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا۔ پھر قریب پہنچ کر تمام ہودے اور عماریاں الٹ دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اُس کو یوم الارمات کہتے ہیں۔

سعدؓ جس وقت بالاخانے پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے۔ اُن کی بی بی سلمیٰؓ بھی اُن کے برابر بیٹھی تھی۔ ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعدؓ غصے کے مارے بیتاب ہوئے جاتے تھے اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے۔ سلمیٰؓ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اُٹھی کہ افسوس آج مثنیٰ نہ ہوا۔ سعدؓ نے اُس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ "مثنیٰ ہوتا تو کیا کر لیتا"۔ سلمیٰؓ نے کہا "سُبحان اللہ بزدلی کے ساتھ غیرت بھی!" یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعدؓ خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔

اگلے دن سعدؓ نے سب سے پہلے میدانِ جنگ سے مقتولوں کی لاشیں اُٹھوا کر دفن کرائیں اور جس قدر زخمی تھے مرہم پٹی کے لئے عورتوں کے حوالے کئے۔ پھر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا، گرد پھٹی تو معلوم ہوا کہ ابوعبیدہ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آپہنچیں، حضرت عمرؓ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اسی زمانے میں ابوعبیدہؓ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اُس کو حکم دو کہ سعدؓ کی فوج سے جا کر مل جائے۔ چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائیدِ غیبی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار ربیعہ و مضر اور ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ (سعدؓ کے بھائی) سپہ سالار تھے۔ اور ہراول قعقاع رکاب میں تھا۔ قعقاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں

marfat.com

میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ اُدھر سے بہمن نکلا۔ قعقاع جسر کا واقعہ یاد کر کے پُکار اُٹھے کہ "لینا ابو عبیدہ کا قاتل جانے نہ پائے"، دونوں حریف تلوار لے کر مقابل ہوئے۔ اور کچھ دیر کی رد و بدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ شہر براز، عورت قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا قعقاع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامہ عام ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھو دیئے۔ تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔

شام کی امدادی فوج کو قعقاع نے اِس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیئے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دُور سے نمودار ہوتا تھا۔ اِس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رُعب چھاتا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور قعقاع اُس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہاتھیوں کے لئے قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول اور بُرقع ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مُہیب بنایا۔ یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رُخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامۂ جنگ میں حضرت عمرؓ کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پُکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام اُن لوگوں کو بھیجا ہے جو اِس کا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک۔ ربیل بن عمرو طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمر التمیمی کو تلواریں حوالہ کیں اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کئے۔ ربیل نے فخر کے جوش میں آ کر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علم الاقوام انا احقهم	اذا حصلوا بالمرهفات البواتر
سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں	جس وقت لوگوں نے کاٹنے والی نازک تلواریں پائیں

marfat.com

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھے اور جن کو شراب پینے کے جُرم پر سعدؓ نے قید کر دیا تھا قید خانے کے دریچے سے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوتے جاتے تھے۔ آخر نہ ضبط کر سکے۔ سلمیٰؓ (سعدؓ کی بیوی) کے پاس گئے کہ خُدا کے لئے اس وقت مجھ کو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خُود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا۔ یہ حسرت کے ساتھ واپس آتے اور بار بار پُر درد لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے۔

کفی حزنا ان تردی الخیل بالقنا — واترک مشدوداً علی وثاقیا

اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں — اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں

اذا قمت عنانی الحدید و اغلقت — مصاریع من دونی تصم المنادیا

جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اُٹھنے نہیں دیتی — اور دروازے اس طرح بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پُکارتے پُکارتے تھک جاتا ہے۔

اِن اشعار نے سلمیٰؓ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آ کر بیڑیاں کاٹ دیں، اُنہوں نے فوراً اصطبل میں جا کر سعدؓ کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا زین کسا اور میدانِ جنگ میں پہنچکر، بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسرہ تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف اُلٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے۔ سعدؓ بھی حیران تھے۔ اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو محجن کا ہے لیکن وہ تو قید خانے میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابو محجن نے قید خانے میں آ کر خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلمیٰؓ نے یہ تمام حالات سعدؓ سے بیان کئے۔ سعدؓ نے اُسی وقت اُن کو رہا کر دیا اور کہا خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اُس کو سزا نہیں دے سکتا۔ ابو محجن نے کہا بخدا میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔[۱]

۱؎ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۱۸

marfat.com

خنساء[1] جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی اِس معرکے میں شریک تھی اور اُس کے چاروں بیٹے بھی ساتھ تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اُس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا۔

لم تنب بکم البلاد ولم تقحمکم السنة
ثم جئتم بامکم عجوز کبیرة فوضعتموها
بین ایدي اهل فارس والله انکم
لبنو رجل واحد کما انکم بنو امرأة
واحدة ما خنت اباکم ولا فضحت
خالکم انطلقوا فاشهدوا اول القتال
والخره

پیارے بیٹو۔ تم اپنے ملک کو دوبھر نہ تھے نہ تم پر قحط پڑا تھا۔ باوجود اس کے تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لاتے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ لو جاؤ اور اخیر تک لڑو۔

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اُٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اَوجھل ہوگئے تو خنساء نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا خدایا ! میرے بیٹوں کو بچانا !!

اِس دن مسلمان ۲۰۰۰ دو ہزار اور ایرانی ۱۰۰۰۰ دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے۔ تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ یہ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے۔ اِس میں قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوجوں کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دُور شام کی طرف نکل جائیں پو پھٹے تسو۔ تسو۔ سوار میدانِ جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئیں اور رسالے اسی

---

[1] خنساء کے واقعات نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہیں۔ اِس کا دیوان بیروت میں چھپ گیا ہے اور اس کے مفصّل حالات علامہ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں لکھے ہیں۔ اصناف شعر میں مرثیہ گوئی میں اِس کا کوئی نظیر نہیں گذرا چنانچہ بازار عکاظ میں اس کے خیمے کے دروازے پر ایک عَلَم نصب کیا جاتا تھا جس پر لکھا ہوتا تھا "ارثی العرب" یعنی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو۔ وہ اسلام بھی لائی اور حضرت عمرؓ کے دربار میں حاضر ہوئی تھی ۱۲۔

marfat.com

طرح برابر آتے جائیں چنانچہ صبح ہوتے ہوتے پہلا رسالا پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور غل پڑگیا کہ نئی امدادی فوجیں آگئیں۔ ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حُسنِ اتفاق یہ کہ ہشام جن کو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کیلئے بھیجا تھا۔ عین موقع پر سات سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ یزدجرد کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور برابر فوجیں بھیجتا جاتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کرلیا۔ فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہوگا، معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان میں آیا۔ اِس کا ڈیل ڈول دیکھ لوگ اس کے مقابلے سے جی چُراتے تھے۔ لیکن ایک عجیب اتفاق سے وُہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا ایرانیوں نے تجربہ اٹھا کر ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کردی تھی۔ عمرو معدیکرب نے رفیقوں سے کہا کہ میں مقابل کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا، ورنہ عمرو معدیکرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے گھسیٹ لی اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعتہً اُن پر ٹوٹ پڑیں اور اِس قدر گرد اٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے۔ یہ دیکھ کر اِن کی رکاب کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معرکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمرو معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا۔ بدن پر جابجا برچھیوں کے زخم تھے۔ تاہم تلوار قبضے میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اِسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا انہوں نے اُس کے گھوڑے کی دُم پکڑلی۔ ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا جگہ سے ہل نہ سکا آخر سوار اُتر کا بھاگ نکلا۔ اور یہ اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعدؓ نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رُخ کرتے ہیں دَل کا دَل پھٹ جاتا ہے، ضخم و سلم دغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہوگئے تھے بُلا کر پوچھا کہ اِس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ اِن کی سونڈ اور آنکھیں بیکار کردی جائیں۔ تمام غول میں

marfat.com

دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر اور گویا کل ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک ابیض اور دوسرا اجرب کے نام سے مشہور تھا۔ سعدؓ نے قعقاع۔ عاصم۔ حمال۔ ربیل کو بُلا کر کہا کہ یہ مہم تمہارے ہاتھ ہے۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیجدیئے کہ ہاتھیوں کو نرغہ میں کرلیں۔ پھر خود برچھا ہاتھ میں لے کر پیل سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے۔ ہاتھی جھرجھری لیکر پیچھے ہٹا ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے الگ ہوگئی۔ اِدھر ربیل وحمال نے اجرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اُس کے پیچھے ہولئے اور دم کی دَم میں یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا اور اِس زور کا رَن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اِسی مناسبت سے اِس معرکے کو لیلۃ الھریر کہتے ہیں ایرانیوں نے فوج نئے سرے سے ترتیب دی۔ قلب میں اور دائیں بائیں تیرہ تیرہ صفیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سواروں کا رسالہ۔ اُن کے بعد پیدل فوجیں، اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعدؓ نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جاوے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کیے تو قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور اپنے رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اُصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھ کر سعدؓ کے مُنہ سے بے اختیار نکلا کہ اللھم اغفرلہٗ و نصرہٗ یعنی اے خُدا قعقاع کو معاف کرنا اور اُس کا مددگار رہنا۔ قعقاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی۔ نخع۔ بجیلہ۔ کندہ۔ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اِس کو معاف کرنا اور یاور رہنا۔ اوّل اوّل سواروں کے رسالے نے حملہ کیا۔ لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں، اِس ثابت قدمی سے لڑیں کہ

marfat.com

گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔ ایرانیوں کا ایک رسالہ سرتا پا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ حمیضہ نے اُس پر حملہ کیا۔ لیکن تلواریں زرہوں پر اُچٹ اُچٹ کر رہ گئیں۔ سردار قبیلہ نے للکارا۔ سب نے کہا زرہوں پر تلواریں کام نہیں دیتیں۔ اُس نے غصے میں آکر ایک ایرانی پر برچھے کا وار کیا کہ کمر کو توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہوگیا۔

تمام رات ہنگامۂ کارزار گرم رہا، لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے اور نیند کے خمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے۔ اس پر بھی جب فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع نے سرداران قبائل میں سے چند نامور بہادر انتخاب کئے اور سپہ سالار فوج (رستم) کی طرف رُخ کیا۔ ساتھ ہی قیس۔ اشعث۔ عمر معدی کرب۔ ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے، ساتھیوں کو للکارا کہ دیکھو! "یہ لوگ خُدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں" اور سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج، سیلاب کی طرح بڑھی، اور فیرزان اور ہرمزان کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئی۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چور ہوگیا تو بھاگ چلا، ہلال نام۔ ایک سپاہی نے تعاقب کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے آگئی۔ رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ ساتھ ہی ہلال بھی کود پڑے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔ ہلال نے لاش خچروں کے پاؤں میں ڈال دی اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ رستم کا میں نے خاتمہ

کر دیا[۱]" ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا۔ تمام فوج میں بھاگڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دُور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

افسوس ہے کہ اِس واقعہ کو ہمارے ملک الشعراء نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط لکھا ہے۔

برآمد خروشے بکردار رعد — زیک سوی رستم زیک سوے سعد

چو دیدہ ای رستم بخون تیرہ گشت — جوان مرد تازی بر وچیرہ گشت

ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعدؓ اِس واقعہ میں سرے سے شریک ہی نہ تھے۔

شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے۔ اِن میں سے شہریار۔ ابن الہرید۔ فرخان اہوازی۔ خسرو شنوم ہمدانی نے مردانہ جان دی۔ لیکن ہرمزان۔ اہود۔ قارن موقع پاکر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے کُشتوں کا تو شمار نہ تھا۔ مسلمان بھی کم و بیش چھ ہزار کام آئے۔

اِس فتح میں چونکہ سعدؓ خود شریکِ جنگ نہ تھے فوج کو اِن کی طرف سے بدگمانی رہی۔ یہاں تک ایک شاعر نے کہا ہے

وقالت حتی انزل اللہ نصرہ — وسعدٌ بباب القادسیة معصمٗ

میں برابر لڑا کیا۔ یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی — لیکن سعدؓ۔ قادسیہ کے دروازے سے پلٹے رہے

فابنا وقد امت نساء کثیرة — ونسوة سعد لیس فیھن ایمٌ

ہم واپس پھرے تو سیکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں — لیکن سعدؓ کی کوئی بیوی بیوہ نہ ہوئی!

یہ اشعار اُسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے۔ یہاں تک کہ سعدؓ نے تمام فوج کو جمع کر کے آبلوں کے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

---

[۱] علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں۔ لیکن عمرو معدی کرب، طلیحہ بن خویلد۔ قرط بن جماح۔ اِن تینوں نے اُس پر حملہ کیا تھا، میں نے جو روایت لکھی ہے وہ الاخبار الطوال کی روایت ہے۔

marfat.com

سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو نامۂ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینے سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے اُدھر سے ایک شتر سوار آرہا تھا۔ بڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعدؓ کا قاصد تھا اور مژدۂ فتح لیکر آتا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعدؓ کا قاصد ہے تو اُس سے حالات پوچھنے شروع کئے۔ اُس نے کہا۔ خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ حضرت عمرؓ رکاب کی برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شتر سوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ جو شخص سامنے آتا ہے ان کو امیر المؤمنین کے لقب سے پکارتا ہے۔ ڈر سے کانپ اُٹھا اور کہا کہ حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اِس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔" فرمایا نہیں کچھ ہرج نہیں، تم سلسلۂ کلام کو نہ توڑو چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے۔ مدینے پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سُنائی۔ اور ایک نہایت پُر اثر تقریر کی جس کا اخیر فقرہ یہ تھا:" "مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بناتا ہوں۔ میں خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اِس طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے۔"

قادسیہ کے معرکے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑے تھے اُن میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں پکڑ آئے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعدؓ کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی۔ سعدؓ نے دربارِ خلافت کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کو بلا کر رائے لی۔ اور سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام مُلک کو امن دے دیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آآ کر آباد ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے ان میں رشتہ داریاں

marfat.com

کرلیں۔

ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا۔ اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لئے تھے۔ اور فیروزان کو سرِ لشکر قرار دیا تھا۔ سعدؓ نے اُن کے استیصال کے لئے ۱۵ھ ۶۳۶ء ہجری میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کئے۔ کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام بُرس میں بصبری، سدِراہ ہوا اور میدانِ جنگ میں زخم اُٹھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ بُرس کے رئیس نے جس کا نام بسطام تھا صُلح کرلی اور بابل تک موقع بہ موقع پُل تیار کرا دیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گزر جائیں۔ بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار نخیرجان۔ ہرمزان۔ مہران۔ مہرجان۔ وغیرہ جمع تھے لیکن پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے۔ سعدؓ نے خود بابل میں مقام کیا۔ اور زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثی میں ٹھہری تھیں اور شہریار جو رئیس زادہ تھا اُن کا سپہ سالار تھا۔ زہرہ کوثی سے گزرے تو شہریار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدانِ جنگ میں آکر پُکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن تیرا یہ دعوٰے ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو جائیگا۔ یہ کہہ کر نابل کو جو قبیلہ تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا۔ اُس نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہریار دیو کا سا تن و توش رکھتا تھا۔ نابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک، گردن میں ہاتھ ڈال زور سے کھینچا اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شہریار کا انگوٹھا نابل کے منہ میں آگیا۔ نابل نے اِس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا گیا۔ نابل موقع پا کر اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ کو چاک کر دیا۔ شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا۔ نابل نے زرہ وغیرہ اُس کے بدن سے اُتار کر سعدؓ کے آگے لاکر رکھ دیں۔ سعدؓ نے عبرت کے لئے حکم دیا کہ نابل وہی لباس اور اسلحہ سج کر آئے۔ چنانچہ شہریار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر دہ مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی

marfat.com

آنکھوں میں زمانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوثی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید رکھا تھا، چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعدؓ اسکی زیارت کو گئے اور دُرود پڑھ کر یہ آیت پڑھی۔ تلك الايام نداولها بين الناس۔ کوثی سے آگے پائے تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا۔ یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر کہتا تھا کہ "جب تک ہم ہیں سلطنتِ فارس پر کبھی زوال نہیں آسکتا" یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسرے سے بہت ہلا ہوا تھا۔ اور اسی لئے اس شہر کو بہرہ شیر کہتے تھے۔ سعدؓ کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا۔ لیکن ہاشم نے جو، ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعدؓ نے اس بہادری پر اُن کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعدؓ نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے اِدھر اُدھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لئے۔ شہرزاد نے جو ساباط کا رئیس تھا سعدؓ سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں اِن کے قید کرنے سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعدؓ نے اُن کے نام دفتر میں درج کر لئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا۔ لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکل کر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش خروش سے سب نے مرنے پر کمریں باندھیں اور تیر برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ زُہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور معرکوں میں سب سے آگے آگے رہتے تھے۔ اُن کی زرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زرہ کو بدل کر نئی پہن لیجئے۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں ہوں؟ کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر اُنہی کو آکر لگا لوگوں نے نکالنا چاہا تو انہوں نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اُسی وقت تک میں زندہ بھی ہوں۔" چنانچہ اُسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا۔ تھوڑی دیر لڑ کر

marfat.com

ایرانی بھاگ چلے۔ اور شہر والوں نے صُلح کا پھریرا اُڑایا۔

بہرشیر اور مدائن میں صرف دجلہ حایل تھا۔ سعدؓ بہرشیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پُل بندھے تھے توڑ کر بیکار کر دیئے تھے۔ سعدؓ دجلہ کے کنارے پر پہنچے تو نہ پُل تھا نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا "برادرانِ اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے"۔ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اِن کو دیکھ کر اوروں نے بھی ہمت کی اور دفعتہً سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دریا اگرچہ نہایت ذخّار اور موّاج تھا لیکن ہمت اور جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آآکر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ میمن ویسار کی جو ترتیب تھی اُس میں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آگئی تو اُن کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں، جن ہیں۔ چنانچہ۔ دیوان آمدند۔ دیوان آمدند کہتے ہوئے بھاگے۔ تاہم سپہ سالار خرزاد تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور گھاٹ پر تیر اندازوں کے دستے متعین کر دیئے۔ ایک گروہ دریا میں اُتر کر سدّ راہ ہوا۔ لیکن مسلمان، سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیر اندازوں کو خس وخاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل آئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندانِ شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا۔ یہ خبر سُن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعدؓ مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سنّاٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں۔ کَمْ تَرَکُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَّعُیُونٍ وَّزُرُوعٍ وَّمَقَامٍ کَرِیمٍ وَّنَعْمَۃٍ کَانُوا فِیھَا فَاکِھِیْنَ کَذٰلِکَ وَاَوْرَثْنٰھَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ۔[1]

ایوانِ کسریٰ میں تختِ شاہی کے بجائے ممبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اُسی میں ادا

---

[1] تاریخ طبری میں بعینہ یہی الفاظ ہیں۔

marfat.com

کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہا کو تعجب ہوگا کہ سعدؓ نے باوجودیکہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور برسوں جناب رسالت مآبؐ کی صحبت میں رہے تھے عالمگیر و محمود کی تقلید نہیں کی بلکہ ایوان میں جس قدر مجسّم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں۔[1]

دو تین دن ٹھہر کر سعدؓ نے حکم دیا کہ ایوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لاکر یکجا کئے جائیں۔ کیانی سلسلے سے لیکر نوشیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقان، چین۔ راجہ داہر۔ قیصر روم۔ نعمان بن منذر۔ سیاوش۔ بہرام چوبین۔ کی زرہیں اور تلواریں تھیں کسریٰ، ہرمز، اور قباد، کے خنجر تھے۔ نوشیرواں کا تاج زرنگار۔ اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا۔ اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوتے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مہار میں بیش قیمت یاقوت پروئے ہوئے تھے۔ ناقہ سوار، سر سے پاؤں تک جواہرات سے مُرصّع تھا سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی، بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اُس پر بیٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اِس رعایت سے اُس میں بہار کے تمام سامان مہیا کئے تھے۔ بیچ میں سبزے کا چمن تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول اور پھل تھے۔ طُرّہ یہ کہ جو کچھ تھا زرّ و جواہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین، زُمرد کا سبزہ، پکھراج کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے۔ جواہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری میں ہاتھ آیا تھا۔ لیکن اہلِ فوج ایسے راستباز اور دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہٖ لاکر افسر کے پاس حاضر کر دی تھی۔ چنانچہ جب سب سامان لاکر سجایا گیا اور دُور دُور تک میدان جگمگا اٹھا۔ تو خود سعدؓ کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے اِن نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا، بے شبہ

---

[1] علامہ طبری نے جو بڑے محدث بھی تھے تصریح کے ساتھ اِس واقعہ کو لکھا ہے۔

marfat.com

انتہا کے دیانت دار ہیں۔

مالِ غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربارِ خلافت میں بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہٖ بھیجی گئیں کہ اہل عرب، ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمرؓ کے سامنے جب یہ سامان پہنچے گئے تو اُن کو بھی فوج کی دیانت اور استغناء پر حیرت ہوئی۔

محلم نام مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نوشیرواں کے ملبوسات اُس کو لا کر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا جُدا۔ دربار کا جُدا۔ جشن کا جُدا۔ تہنیت کا جُدا۔ چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محلم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاجِ زرنگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمرؓ کا بھی یہی منشا تھا۔ لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے اِس بہار پر بھی خزاں آئی اور دولتِ نوشیروانی کے مرقع کے پُرزے اُڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی۔ لیکن ہر زمانے کا مذاق جُدا ہے۔ وہ مقدس زمانہ جس میں زخارفِ دنیوی کی عزت نہیں کی جاتی تھی۔ دنیا دی، یادگاروں کی کیا پروا کر سکتا تھا۔

جلولاء[1] سنہ ۱۶ ہجری ۶۳۷ء

سنہ ۱۶ ہجری ۶۳۶ء

یہ معرکہ فتوحاتِ عراق کا خاتمہ تھا۔ مدائن کی فتح کے بعد۔ ایرانیوں نے جلولاء میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خرزاد نے جو رستم کا بھائی اور سرِ لشکر

[1] جلولاء۔ بغداد کے سواد میں ایک شہر ہے جو بسبب چھوٹے ہونے کے نقشے میں مندرج نہیں ہے بغداد سے خراسان جاتے وقت راہ میں پڑتا ہے ۱۲

marfat.com

تھا نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور رستوں اور گزرگاہوں پر گوکھرو بچھا دیئے۔ سعدؓ کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمرؓ کو خط لکھا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عتبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس مہم پر جائیں اور مقدمۃ الجیش پر قعقاع۔ میمنہ پر مسعر بن مالک۔ میسرہ پر عمرو بن مالک۔ ساقہ پر عمرو بن مرہ مقرر ہوں۔ ہاشم، مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلولا پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح اسّی معرکے ہوئے۔ لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ مہیا تھا اور لاکھوں کی جمعیت تھی بیدل نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے زور شور سے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی جم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعتہً اس زور کی آندھی چلی کہ زمین و آسمان میں اندھیرا ہو گیا۔ ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے۔ لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر گر کر مر گئے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا سے خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملے کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اُسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رُخ گوکھرو بچھوا دیئے اور فوج کو سر و سامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جما دیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اوّل تیروں کا مینہ برسا، ترکش خالی ہو گئے تو بہادروں نے نیزے سنبھالے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا۔

قعقاع نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور برابر آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصہ انہیں کی رکاب میں تھا۔ قعقاع نے۔ نقیبوں سے پکروا دیا کہ سپہ سالار، قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا ہے، فوج نے قعقاع کو ہاشم سمجھا اور دفعتہً ٹوٹ کر گری۔ ایرانی گھبرا کر ادھر اُدھر بھاگے۔ لیکن جس طرف جاتے تھے گوکھرو بچھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے

marfat.com

بیدریغ قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ مؤرخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی جان سے مارے گئے۔ اور تین کرور غنیمت ہاتھ آئی۔

سعدؓ نے مژدہ فتح کے ساتھ پانچواں حصہ مدینہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے جو مژدہ فتح لے کر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اِن واقعات کو اسی طرح مجمع عام میں بھی بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا۔ چنانچہ مجمع عام ہوا اور اُنہوں نے اِس فصاحت و بلاغت سے تمام واقعات بیان کئے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمرؓ بول اُٹھے کہ خطیب اِس کو کہتے ہیں۔ اُنہوں نے برجستہ کہا۔

ان جندنا اطلقونا بالفعال لساننا

اِس کے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا۔ لیکن اُس وقت شام ہو چکی تھی اس لئے تقسیم ملتوی رہی اور صحن مسجد میں اُن کا ڈھیر لگا دیا گیا۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور عبداللہؓ بن ارقم نے رات بھر پہرہ دیا۔ صبح کو مجمع عام میں چادر ہٹائی گئی، درہم و دینار کے علاوہ انبار کے انبار جواہرات تھے، حضرت عمرؓ بے ساختہ رو پڑے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتی ہے۔

یزدگرد کو جلولاء کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوان چھوڑ کر رَے کو روانہ ہوا اور خسرو شنوم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ حُلوان کی حفاظت کے لئے چھوڑتا گیا۔ سعدؓ خود جلولاء میں ٹھہرے اور قعقاع کو حُلوان کی طرف روانہ کیا۔ قعقاع۔ قصر شیرین (حلوان سے تین میل پر ہے) کے قریب پہنچے تھے کہ خسرو شنوم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ قعقاع نے حلوان پہنچکر مقام کیا اور ہر طرف امن کی منادی کرا دی۔ اطراف کے رئیس آ آ کر جزیہ قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی۔ کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

marfat.com

فتوحات شام

سلسلۂ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی لشکرکشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے آغاز ۱۳ھ ۶۳۴ء ہجری میں شام پر کئی طرف سے لشکرکشی کی۔ ابوعبیدہؓ کو حمص پر۔ یزیدؓ بن ابی سفیان کو دمشق پر۔ شرجیلؓ کو اردن پر۔ عمروؓ بن العاص کو فلسطین پر مامور کیا۔ فوجوں کی مجموعی تعداد... ۳۲ ہزار تھی۔ عرب کی سرحد سے نکل کر ان افسروں کو ہر قدم پر رومیوں کے بڑے بڑے جتھے ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار تھے۔ ان کے علاوہ قیصر نے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلے پر بھیجیں، یہ دیکھ کر۔ افسران اسلام نے اس پر اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہو جائیں۔ اس کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کو خط لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کی جائیں۔ چنانچہ خالدؓ بن الولید جو عراق کے مہم پر مامور تھے عراق سے چل کر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے، دمشق پہنچے۔ اور اس کو صدر مقام قرار دیکر وہاں مقام کیا۔ قیصر نے ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لئے روانہ کی جس نے اجنادین پہنچکر جنگ کی تیاریاں شروع کیں، خالدؓ اور ابوعبیدہؓ خود پیشقدمی کر کے اجنادین پر بڑھے اور افسروں کو لکھ بھیجا کہ وہیں آکر مل جائیں، چنانچہ شرجیلؓ۔ یزیدؓ۔ عمروؓ بن العاص۔ وقت مقررہ پر اجنادین پہنچ گئے۔ خالدؓ نے بڑھ کر حملہ کیا اور بہت بڑے معرکے کے بعد جس میں تین ہزار مسلمان مارے گئے۔ فتح کامل حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ حسب روایت ابن اسحاق ۲۸ رجمادی الاولے ۱۳ھ ۶۳۴ء میں واقع ہوا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر خالدؓ نے پھر دمشق کا رُخ کیا اور دمشق پہنچکر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا، محاصرہ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں شروع ہوا۔ لیکن چونکہ فتح حضرت عمرؓ کے عہد میں حاصل ہوئی تھی اس معرکہ کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں۔

فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا، اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے اسکی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا۔ ان وجوہ سے خالدؓ نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کئے۔ شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازوں پر اُن افسروں کو مقرر کیا جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ عمروؓ بن العاص۔ باب توما پر۔ شرجیلؓ باب الفرادیس پر۔ ابو عبیدہؓ، باب الجابیۃ پر متعین ہوئے اور خود خالدؓ نے پانچ ہزار فوج ساتھ لے کر باب الشرق۔ کے قریب ڈیرے ڈالے۔ محاصرہ کی سختی دیکھ عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے خصوصًا اس وجہ سے کہ اُن کے جاسوس جو دریافت حال کے لئے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے، آکر دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے۔ ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہے۔ ہر ہر فرد میں دلیری، ثابت قدمی، راستبازی، عزم اور استقلال پایا جاتا ہے۔ تاہم ان کو یہ سہارا تھا کہ ہرقل سر پر موجود ہے، اور حمص سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں۔ اسی اثناء میں حضرت ابو بکرؓ نے انتقال کیا اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہلِ عرب اِن ممالک کی سردی کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اِس لئے موسم سرما تک یہ بادل آپ سے آپ چھنٹ جائے گا۔ لیکن اُن کی دونوں اُمیدیں بیکار گئیں۔ مسلمانوں کی سرگرمی جاڑوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی۔ اُدھر خالدؓ نے ذوالکلاع کو کچھ فوج دیکر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعین کر دیا تھا کہ اُدھر سے مدد نہ آنے پائے چنانچہ ہرقل نے حمص سے جو فوجیں بھیجیں تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اب بالکل یاس ہوگئی، اسی اثناء میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی کا کام دے گیا۔ یعنی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جس کی تقریب میں تمام شہر نے خوشی کے جلسے

marfat.com

کیے اور اس کثرت سے شرابیں پی کہ شام سے پڑ کر سو رہے۔ خالدؓ راتوں کو سوتے کم تھے۔ اور محصورین کی ذرا ذرا سی بات کی خبر رکھتے تھے، اس سے عمدہ موقع کہاں ہاتھ آسکتا تھا اُسی وقت اُٹھے اور چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا۔ شہر پناہ کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی۔ مشک کے سہارے پار اُترے اور کمند کے ذریعے سے دیوار پر چڑھ گئے۔ اوپر جا کر رسی کی سیڑھی کمند سے اٹکا کر نیچے لٹکا دی اور اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے جاں نثار فصیل[1] پر پہنچ گئے۔ خالدؓ نے اُتر کر پہلے دربانوں کو تہہ تیغ کیا۔ پھر قفل توڑ کر دروازے کھول دیئے۔ اِدھر فوج پہلے سے تیار کھڑی تھی۔ دروازہ کھلتے کے ساتھ سیلاب کی طرح گھس آئی۔ اور پہرہ کی فوج کو تہہ و تیغ کر دیا، عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر پناہ کے تمام دروازے خود کھول دیئے اور ابوعبیدہؓ سے ملتجی ہوئے کہ ہم کو خالدؓ سے بچائیے۔ مقسلاط میں جو ٹھٹھیروں کا بازار تھا، ابوعبیدہؓ و خالدؓ کا سامنا ہوا۔ خالدؓ نے شہر کا جو حصہ فتح کیا تھا اگرچہ لڑ کر فتح کیا تھا لیکن ابوعبیدہؓ نے چونکہ صلح منظور کر لی تھی، مفتوحہ حصے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں یعنی نہ غنیمت کی اجازت دی گئی، نہ کوئی شخص لونڈی غلام بنایا گیا۔ یہ مبارک فتح جو تمام بلادِ شامیہ کی فتح کا دیباچہ تھی۔ رجب ۱۴ھ ۶۳۵ء میں ہوئی۔

فحل ۔ ذوقعدہ ۱۴ھ ۶۳۵ء ہجری

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے آمادہ ہوتے۔ دمشق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانوں نے اُردن کا رُخ کیا تھا۔ اِس لئے اُنہوں نے اُسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیساں میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد کے لئے جو فوجیں بھیجی تھیں اور

[1] یہ طبری کی روایت ہے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ خالدؓ کو عیسائیوں کے جشن کی خبر خود ایک عیسائی نے دی تھی اور سیڑھی بھی عیسائی لائے تھے۔

marfat.com

دمشق تک نہ پہنچ سکی تھیں۔ وہ بھی اس میں آکر شامل ہوگئیں۔ اس طرح تین۳ چالیس۴۰ ہزار کا مجمع ہوگیا جس کا سپہ سالار سکلار نام ایک رومی افسر تھا۔

موقع جنگ کے سمجھنے کے لئے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ شام کا ملک چھ۶ ضلعوں میں منقسم ہے جن میں سے۔ دمشق۔ حمص۔ اُردن۔ فلسطین۔ مشہور اضلاع ہیں۔ اُردن کا صدر مقام طبریہ ہے، جو دمشق سے چار منزل ہے۔ طبریہ کے مشرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک جھیل ہے۔ اسی کے قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کا پرانا نام سلاا ور نیا یعنی عربی نام فحل ہے۔ یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام اب بالکل ویران ہے تاہم اس کے کچھ کچھ آثار اب بھی سمندر کے سطح سے چھ۶۰۰سو فیٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبریہ کی جنوبی طرف ۱۸ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا، رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعتہً نہ آپڑیں۔ آس پاس جس قدر نہریں تھیں سب کے بند توڑ دیئے اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہوگیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رُک گئے۔ لیکن اسلام کا سیلاب کب رُک سکتا تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صُلح پر آمادہ ہوتے اور ابو عبیدہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر بن کر آئے۔ ابو عبیدہؓ نے معاذ بن جبلؓ کو بھیجا، معاذؓ۔ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ خیمے میں دیبائی زرّیں کا فرش بچھا ہے۔ وہیں ٹھہر گئے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا کہ گھوڑا میں تھام لیتا ہوں، آپ دربار میں جا کر بیٹھئے۔ معاذؓ کی بزرگی اور تقدس کا عام چرچا تھا اور عیسائی تک اس سے واقف تھے۔ اس لئے وہ واقعی اُن کی عزت کرنی چاہتے تھے اور اُن کا باہر کھڑا رہنا اُن کو گراں گزرتا تھا۔ معاذؓ نے کہا کہ میں اس فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا، یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمہاری عزت کرنی چاہتے تھے لیکن تم کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے۔ معاذؓ کو غصہ آیا۔ گھٹنوں

marfat.com

کے بل کھڑے ہو گئے اور کہا کہ "جس کو تم عزت سمجھتے ہو مجھ کو اس کی پرواہ نہیں ۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے ؟ رومی ان کی بے پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے ۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بھی کوئی بڑھ کر ہے ؟ انہوں نے کہا " معاذاللہ یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر نہ ہوں" رومی چپ ہو گئے ۔ معاذؓ نے کچھ دیر تک انتظار کر کے مترجم سے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ اگر تم کو مجھ سے کچھ کہنا نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں " رومیوں نے کہا ہم کو یہ پوچھنا ہے کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے ۔ ابی سینیا کا ملک تم سے قریب ہے ۔ فارس کا بادشاہ مر چکا ہے اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے ۔ ان کو چھوڑ کر تم نے ہماری طرف کیوں رخ کیا ؟ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں ۔" معاذؓ نے کہا " سب سے پہلے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ ۔ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو ۔ شراب پینا چھوڑ دو ۔ سور کا گوشت نہ کھاؤ ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہارے بھائی ہیں اگر اسلام لانا منظور نہیں تو جزیہ دو ۔ اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے ۔ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم کو قلت اور کثرت کی پرواہ نہیں ۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة تم کو اس پر ناز ہے کہ تم ایسے شاہنشاہ کی رعایا ہو جس کو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے ، لیکن ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے ، وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا ۔ اگر وہ زنا کرے تو اس کو درے لگائے جائیں ۔ چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں ۔ وہ پردے میں نہیں بیٹھتا ۔ اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا ۔ مال و دولت میں اس کو ہم پر کوئی ترجیح نہیں ۔" رومیوں نے کہا ۔ اچھا ہم تم کو بلقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں ۔ تم یہ ملک چھوڑ کر فارس جاؤ ۔" معاذؓ نے انکار کیا اور اٹھ کر چلے آئے ۔ رومیوں نے براہ راست

marfat.com

ابو عبیدہؓ سے گفت گو کرنی چاہی، چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچا۔ ابو عبیدہؓ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جن کو اُلٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ وحشم رکھتا ہوگا اور یہی اس کی شناخت کا ذریعہ ہوگا۔ لیکن وہ جس طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے! لوگوں نے ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا، وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ ابو عبیدہؓ نے کہا "ہاں" قاصد نے کہا ہم تمہاری فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔" ابو عبیدہؓ نے انکار کیا قاصد برہم ہو کر اُٹھا، ابو عبیدہؓ نے اُس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجے[۱]۔ حضرت عمرؓ نے جوابِ مناسب لکھا اور حوصلہ دلایا کہ "کہ ثابت قدم رہو خدا تمہارا یاور اور مددگار ہے"۔

ابو عبیدہؓ نے اُسی دن کمر بندی کا حکم دیدیا تھا لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے۔ اگلے دن تنہا خالدؓ میدان میں گئے صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا، رومیوں نے بھی جنگ کی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کر کے باری باری میدان میں بھیجے۔ پہلا دستہ خالدؓ کی طرف باگیں اُٹھائے چلا آتا تھا۔ کہ خالدؓ کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر اُن کا آگا روکا اور سخت کشت و خون ہوا، یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی۔ خالدؓ نے سبرۃ بن مسروق کو اشارہ کیا، وہ اپنے رکاب کی فوج لے کر مقابل ہوئے۔ تیسرا لشکر بڑے سروسامان سے نکلا۔ ایک مشہور سردار سپہ سالار تھا اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا، قریب پہنچکر خود ٹھہر گیا اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالدؓ کے مقابلے پر بھیجا۔ خالدؓ نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سنبھالا، آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا

[۱] فتوح الشام ازدی۔ میں ہے کہ یہ خط ایک شامی لے کر گیا تھا اور حضرت عمرؓ کی ترغیب سے مسلمان ہوگیا۔

marfat.com

اور پہلی دونوں فوجیں بھی آکر مل گئیں۔ دیر تک معرکہ رہا، مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا، اور اُلٹا واپس جانا چاہا۔ خالدؓ نے ساتھیوں کو للکارا کہ رومی اپنا زور صرف کر چکے۔ اب ہماری باری ہے۔ اِس صدا کے ساتھ مسلمان دفعتہً ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو برابر دباتے چلے گئے۔

عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جاتے تھے۔ خالدؓ ان کی یہ چال سمجھ گئے اور ابو عبیدہؓ سے کہا کہ "رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے، چنانچہ اُسی وقت نقیب فوج میں جا کر پکار آئے کہ کل حملہ ہوگا، فوج سر و سامان سے تیار رہے"۔ رات کے پچھلے پہر ابو عبیدہؓ بسترِ خواب سے اُٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذؓ بن جبل کو میمنہ پر مقرر کیا۔ ہاشمؓ بن عتبہ کو میسرہ کی افسری دی۔ پیدل فوج پر سعیدؓ بن زید متعین ہوئے۔ سوار خالدؓ کی ماتحتی میں دیئے گئے۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابو عبیدہؓ نے اِس سرے سے اُس سرے تک ایک چکر لگایا، ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصر بالصبر فان اللہ مع الصابرین۔

یعنی "خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو، کیونکہ خدا ثابت قدموں کے ساتھ ہوتا ہے"۔

رومیوں نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے۔ آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جن کی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدر انداز۔ میمنہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے پیچھے پیادہ فوجیں۔ اِس ترتیب سے نقارہ و دمامہ بجاتے مسلمانوں کی طرف بڑھے، خالدؓ چونکہ ہراول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا۔ رومی قدر اندازوں نے تیروں کا اِس قدر مینہ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، خالدؓ اُدھر سے پہلو دے کر میمنہ کی طرف جھکے کیونکہ اُس میں سوار ہی سوار تھے قدر انداز نہ تھے، رومیوں کے حوصلے اِس قدر بڑھ گئے تھے کہ میمنہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالدؓ پر حملہ آور ہوا، خالدؓ آہستہ آہستہ پیچھے

marfat.com

ہٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دُور نکل آیا۔ خالدؓ نے موقع پاکر اس زور شور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں اُلٹ دیں۔ گیارہ بڑے بڑے افسر اُن کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اُدھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کرکے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیراندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشمؓ بن عتبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے، عَلَم ہلا کر کہا "خُدا کی قسم جب تک اس کو قلب میں پہنچکر نہ گاڑ دوں گا پھر کر نہ آؤں گا" یہ کہہ کر گھوڑے سے کود پڑے اور ہاتھ میں سپر لے کر لڑتے بھڑتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیر و خدنگ سے گزر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی۔ کامل گھنٹہ بھر لڑائی رہی اور تمام میدان خون سے رنگین ہوگیا۔ آخر رومیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے۔[1] ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو نامۂ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ "رعایا ذمّی قرار دی جائے۔ اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔

اس معرکے بعد ضلع اُردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے اور ہر جگہ شرائطِ صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لے لی جائیگی۔

حمص ۱۴ھ ۶۳۵ء ہجری

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اس کو امیسا کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اسکی شہرت زیادہ اسوجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا ہیکل تھا جس کے تیرتھ کے لئے دُور دُور سے لوگ آتے تھے اور اُسکا پجاری

[1] واقعۂ فحل کی تفصیل فتوح الشام ازدی سے لی گئی ہے طبری وغیرہ میں اسکو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور واقعہ کی کیفیت میں بھی اختلاف ہے ۱۲

marfat.com

ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اُردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس۔ حمص۔ اور انطاکیہ جہاں خود ہرقل مقیم تھا۔ حمص ان دونوں کی بہ نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا، اس لئے لشکر اسلام نے اوّل اسی کا ارادہ کیا، راہ میں بعلبک پڑتا تھا، وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہوگیا۔ حمص کے قریب رومیوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ ایک فوج کثیر حمص سے نکل کر جوسیہ میں مسلمانوں سے مقابل ہوئی لیکن خالدؓ کے پہلے ہی حملے میں اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ خالدؓ نے سبرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا۔ راہ میں رومیوں کی ٹوٹی پھوٹی فوجوں سے جو اِدھر اُدھر پھیلی ہوئی تھیں مُٹ بھیڑ ہوئی اور مسلمان کامیاب رہے۔

اس معرکے میں شرحبیل حمیری نے اکیلے سات سواروں کو قتل کیا اور فوج سے الگ ہوکر جریدہ حمص کی طرف بڑھے، شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالے نے اُن کو تنہا دیکھ کر حملہ کیا، اُنہوں نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی، یہاں تک کہ جب دس گیارہ شخص ان کے ہاتھ سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو بریکل کے نام سے مشہور تھا جاکر پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی، یہ چاروں طرف سے گھر گئے اور ڈھیلوں اور پتھروں کی بوچھاڑ میں زخمی ہوکر شہادت حاصل کی۔ میسرہ کے بعد خالدؓ اور ابو عبیدہؓ نے بھی حمص کا رُخ کیا اور محاصرہ کے سامان پھیلا دیئے، چونکہ نہایت شدت کی سردی تھی۔ رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھُلے میدان میں دیر تک نہ لڑسکیں گے۔ اس کے ساتھ ہرقل کا قاصد آچکا تھا کہ بہت جلد مدد بھیجی جاتی ہے، چنانچہ اس حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیتِ عظیم روانہ بھی ہوئی، لیکن سعدؓ بن ابی وقاص نے جو عراق کی مہم پر مامور تھے یہ خبر سُن کر کچھ فوجیں بھیج دیں جس نے اُن کو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا[1]۔ حمص والوں نے ہر طرف سے مایوس ہوکر صُلح کی درخواست

---

[1] کامل ابن الاثیر

marfat.com

کی ، ابوعبیدہؓ نے عبادہ بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود حماۃ کی طرف روانہ ہوتے حماۃ والوں نے اِن کے پہنچنے کے ساتھ صُلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا منظور کیا ، وہاں سے روانہ ہوکر شیزر اور شیزر سے معرۃ النعمان پہنچے اور اِن مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کرلی ، اِن سے فارغ ہوکر لاذقیہ کا رُخ کیا ، یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے ۔ فینش عہد میں اس کو امانتا کہتے تھے ۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہاں سے کچھ فاصلے پر مقام کیا ۔ اور اُس کی مضبوطی اور استواری دیکھ کر ایک نئی تدبیر اختیار کی یعنی میدان میں بہت سے غار کھُدو لئے ۔ یہ غار اِس تدبیر اور احتیاط سے تیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ہونے پائی ۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا اور محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہوئے ، شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آگئے تھے ۔ اور اُن کا تمام کاروبار بند تھا ، اِس کو تائیدِ غیبی خیال کیا اور شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے ۔ مسلمان اِسی رات کو واپس آکر غاروں میں چھپ رہے تھے ۔ صبح کے وقت کمین گاہوں سے نکل کر دفعۃً حملہ کیا اور دم کی دم میں شہر فتح ہوگیا ۔ حمص کی فتح کے بعد ابوعبیدہؓ نے خاص ہرقل کے پائے تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اِس طرف بھیج بھی دیں لیکن دربارِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اِس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے ۔ چنانچہ اِس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلالی گئیں[۱] ۔ اور بڑے بڑے شہروں میں افسر اور نائب بھیج دیئے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتری نہ ہونے پائے ۔ خالدؓ ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق کو گئے ۔ عمروؓ بن العاص نے اُردن میں مقام کیا ۔ ابوعبیدہؓ نے خود حمص میں اقامت کی ۔

یرموک ۔ ۵ ۔ رجب ۱۵ ہجری ۶۳۶ء

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے ۔ انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا ، ہرقل نے اِن میں سے چند ہوشیار

[۱] یہ ایک قدیم شہر حمص اور قنسرین کے درمیان میں واقع ہے ۱۲ ؎ فتوح ازدی صہ ۱۳۱

marfat.com

اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور میں، جمعیت میں، سروسامان میں کم ہیں، پھر تم اُن کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے، اس پر سب نے ندامت سے سر جھکالیا اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے، آپس میں ایک ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، اقرار کی پابندی نہیں کرتے اوروں پر ظلم کرتے ہیں، اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر درحقیقت شام سے نکل جانیکا ارادہ کر چکا تھا لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ روم، قسطنطنیہ جزیرہ، آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں پائے تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں سے مہیا ہو سکیں روانہ کئے جائیں، ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان اُمڈ آیا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی دَل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے جو مقامات فتح کر لئے تھے وہاں کے اُمراء اور رئیس ان کے عدل و انصاف کے اس قدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود تخالفِ مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لئے جاسوس تقرر کر رکھے تھے، چنانچہ اُن کے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہؓ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوتی۔ اُنہوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پُراثر تقریر کی۔ جسکا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خُدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اُس کی جانچ میں پورے اُترے۔ چنانچہ اس کے صِلے میں خُدا نے ہمیشہ تم کو منظفر و منصور رکھا۔ اب تمہارا دشمن اِس سروسامان سے تمہارے مقابلے کے لئے چلا ہے کہ زمین کانپ اُٹھی ہے۔ اب بتاؤ

marfat.com

کیا صلاح ہے ؟ یزیدؓ بن ابی سفیان (معاویہؓ کے بھائی) کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں، اس کے ساتھ خالد اور عمروؓ بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں۔

شرجیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیئے، یزیدؓ نے جو رائے دی بے شبہ خیر خواہی سے دی لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہلِ وعیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالے کر دیں یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا اسکی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں، شرجیل نے اُٹھ کر کہا اے امیر! تجھ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں، اس لئے نقضِ عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ لیکن یہ بحث طے نہ ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے؟ عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر۔ امدادی فوج کا انتظار کیا جائے، ابوعبیدہؓ نے کہا اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں، وہاں خالدؓ موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسرِ خزانہ تھے بلا کر کہا کہ "عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم اُن کو۔ اُن کے دشمنوں سے بچا سکیں۔ لیکن اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے اس لیے جو کچھ اُن سے وصول ہوا ہے سب اُن کو واپس دے دو اور اُن سے کہہ دو کہ ہم کو تمہارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت تمہاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم کو واپس کیا جاتا ہے"، چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی ہے کُل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خُدا تم کو واپس لائے"۔ یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ

marfat.com

اثر ہوا ، اُنہوں نے کہا توریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں۔ قیصر۔ حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا، یہ کہہ کر شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔

ابو عبیدہؓ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ کر بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے [1]۔ غرض ابو عبیدہؓ ، دمشق کو روانہ ہوئے اور ان تمام حالات سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی ، حضرت عمرؓ یہ سُنکر کہ مسلمان رومیوں کے ڈر سے حمص سے چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ کُل فوج اور افسرانِ فوج نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلّی ہوئی ، اور فرمایا کہ "خُدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس رائے پر متفق کیا ہوگا" ابو عبیدہؓ کو جواب لکھا کہ "میں مدد کے لئے سعیدؓ بن عامر کو بھیجتا ہوں لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے"، ابو عبیدہؓ نے دمشق پہنچکر تمام افسروں کو جمع کیا اور اُن سے مشورت کی ۔ یزیدؓ بن ابی سفیان ۔ شرجیل بن حسنۃ ، مُعاذؓ بن جبل ۔ سب نے مختلف رائیں دیں ، اِسی اثناء میں عمرؓو بن العاص کا قاصد خط لے کر پہنچا ۔ جس کا یہ مضمون تھا کہ اُردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے ۔ رومیوں کی آمد آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور حمص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رعبی کا سبب ہُوا ہے ۔ ابو عبیدہؓ نے جواب میں لکھا کہ حمص کو ہم نے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جو جا بجا پھیلی ہوئی ہیں، یکجا ہو جائیں ۔ خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو، میں وہیں آکر تم سے ملتا ہوں۔

دوسرے دن ابو عبیدہؓ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اُردن کی حُدود میں یرموک پہنچکر

---

[1] اِن واقعات کو بلاذری نے فتوح البلدان (ص ۱۳۷) میں قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں (ص ۸۱) ازدی نے فتوح الشام (ص ۱۳۸) میں بتفصیل لکھا ہے ۱۲ [2] یہ میں نے یہ تفصیل واقعات فتوح الشام ازدی سے لیے ہیں لیکن ابو عبیدہؓ کا حمص چھوڑ کر دمشق چلا آنا ابن واضح عباسی اور دیگر مورخوں نے بھی بیان کیا ہے ۱۲

قیام کیا۔ عمرو بن العاص بھی یہیں آکر ملے یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لئے اِس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی، اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھُلا میدان تھا جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں، حضرت عمر نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ اُدھر رومیوں کی آمد اور اُن کے سامان کا حال سُن سُن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا اور لکھا کہ رومی بحر و بر سے اُبل پڑے ہیں اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گذرتی ہے، راہب۔ اور خانقاہ نشین۔ جنہوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالا تھا۔ نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔ خط پہنچا تو حضرت عمر نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سُنایا، تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ پُکار کر کہا کہ ”امیر المؤمنین! خُدا کے لئے ہم کو اجازت دے کہ ہم اپنے بھائیوں پر جا کر نثار ہو جائیں۔ خدانخواستہ اُن کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے،، مہاجرین و انصار کا جوش برابر بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ ”امیر المؤمنین تو خُود سپہ سالار بن اور ہم کو ساتھ لے کر چل“ لیکن اور صحابہ نے اِس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ ٹھہری کہ اور امدادی فوجیں بھیجی جائیں۔ حضرت عمر نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آ گئے ہیں۔ اُس نے کہا یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے“ حضرت عمر نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ افسوس اَب کیا ہو سکتا ہے؟ اتنے عرصے میں کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے؟۔ ابو عبیدہ کے نام نہایت پُر تاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سُنانا اور زبانی کہنا کہ الا عمر یقریك السلام و یقول لکم یا اھل الاسلام اصدقوا اللقاء وشدوا علیھم شد اللیوث. ولتکونوا اھون علیکم من الذر فانا قد کنا علمنا انکم علیھم منصورون۔

marfat.com

یہ عجیب حسنِ اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد۔ ابوعبیدہؓ کے پاس آیا، اُسی دن عامر بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی۔ اور اُنہوں نے نہایت استقلال کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں، رومی فوجیں یرموک کے مقابل دیرالجبل میں اُتریں خالد نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں، معاذ بن جبل کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے میمنہ پر مقرر کیا۔ قباث بن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کی افسری دی، اپنے رکاب کی فوج کے چار حصے کئے۔ ایک کو اپنی رکاب میں رکھا، باقی پر قیس بن ہبیرہ۔ میسرہ بن مسروق۔ عمرو بن الطفیل کو مقرر کیا، یہ تینوں بہادر تمام عرب میں انتخاب تھے اور اس وجہ سے فارس العرب کہلاتے تھے، رومی بھی بڑے سروسامان سے نکلے۔ ڈولاکھ سے زیادہ کی جمعیت تھی اور ۲۴ صفیں تھیں جن کے آگے آگے اُن کے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لئے جوش دلاتے جاتے تھے، فوجیں بالکل مقابل آگئیں تو ایک بطریق صف چیر کر نکلا اور کہا کہ میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں۔ میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا خالد نے روکا اور قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا وہ یہ اشعار پڑھتے بڑھے۔

سائل نساء الحي في حجالها الست یوم الحرب من ابطالها

پردہ نشین عورتوں سے پوچھو کیا میں لڑائی کے دن بہادروں کے کام نہیں کرتا

قیس۔ اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتھیار بھی نہیں سنبھال چکا تھا کہ اِن کا وار چل گیا۔ تلوار سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اُتر آئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا، ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ خالد نے کہا شگون اچھا ہوا، اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح ہے۔ عیسائیوں نے خالد کے ہمرکاب افسروں کے مقابلے میں جُدا جُدا فوجیں متعین کی تھیں، لیکن سب نے شکست کھائی، اُس دن یہیں تک نوبت پہنچکر لڑائی ملتوی رہ گئی۔

رات کو باہان نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت و نعمت

marfat.com

کا مزہ پڑھ چکا، بہتر یہ ہے کہ مال وزر کی طمع دلاکر ان کو یہاں سے ٹالا جاتے۔ سب نے اِس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابوعبیدہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیج دو، ہم اُس سے صُلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں، ابوعبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا، قاصد جو پیغام لے کر آیا اُس کا نام جارج تھا۔ جس وقت وہ پہنچا شام ہوچکی تھی، ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی، مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوئے، اور جس محویت، سکون ووقار۔ ادب وخضوع۔ سے اُنہوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت واستعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ جب نماز ہوچکی تو اُس نے ابوعبیدہ سے چند سوالات کئے، جن میں ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابوعبیدہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔ یا اھل الکتاب لا تغلو فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ و کلمتہ القاھا الی مریم۔ لنْ یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملائکة المقربون۔ مترجم نے اِن الفاظ کا ترجمہ کیا، تو جارج بے اختیار پکار اُٹھا کہ بے شک عیسیٰ کے یہی اوصاف ہیں اور بیشک تمہارا پیغمبر سچا ہے،" یہ کہہ کر اُس نے کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابوعبیدہ نے اِس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا اُس کے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن خالد رومیوں کی لشکرگاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھلانے کے لئے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دُور تک سواروں کی صفیں قائم کی تھیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ لیکن خالد اِس بے پروائی اور تحقیر کی نگاہ سے اُن پر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے، باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو اُس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا، اور لاکر اپنے

marfat.com

برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی ۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لکچر کے طریقے پر تقریر شروع کی، حضرت عیسیٰ کی تعریف کے بعد۔ قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم اِن الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا لیکن ہم نے جس کو سردار بنا رکھا ہے اُس کو ایک لحظہ کے لئے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اُس کو معزول کر دیں، باہان نے پھر تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کر کے کہا کہ "اہلِ عرب! تمہاری قوم کے جو لوگ ہمارے مُلک میں آکر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ اُن کے ساتھ دوستانہ سلوک کئے، ہمارا خیال تھا کہ اِس مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا، لیکن خلافِ توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے مُلک سے نکال دو، تم کو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بارہا ایسے ارادے کئے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئیں، اَب تم کو کہ تمام دُنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم، جاہل، وحشی، اور بے سرو سامان نہیں یہ حوصلہ ہوا ہے"، ہم اِس پر بھی در گذر کرتے ہیں بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کے طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور افسروں کو ہزار ہزار اور عام سپاہیوں کو سَو سَو دینار دلا دیئے جائیں گے۔

باہان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالد اُٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ بے شبہ تم دولتمند ہو، مالدار ہو، صاحب حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہم کو معلوم ہے، لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعتِ مذہب کی ایک تدبیر تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج تنگدست اور خانہ بدوش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پیس ڈالتا تھا، قبائل۔ آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے خدا بنا رکھے تھے اور اُن کو پوجتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے بُت تراشتے

marfat.com

تھے اور اُس کی عبادت کرتے تھے لیکن خُدا نے ہم پر رحم کیا۔ اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم میں سب سے زیادہ شریف، زیادہ فیاض، زیادہ پاک خو تھا، اُس نے ہم کو توحید سکھلائی اور بتادیا کہ خُدا کا کوئی شریک نہیں، وہ بیوی اور اولاد نہیں رکھتا۔ اور بالکل یکتا و یگانہ ہے۔" اُس نے ہم کو یہ بھی حکم دیا کہ ہم اِن عقائد کو تمام دُنیا کے سامنے پیش کریں، جس نے اُن کو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے جس نے نہ مانا لیکن جزیہ دینا قبول کرتا ہے اُس کے ہم حامی اور محافظ ہیں، جس کو دونوں سے انکار ہو اُس کے لئے تلوار ہے۔

باہان نے جزیہ کا نام سُن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ مر کر بھی جزیہ نہ دیں گے۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں"، غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اُٹھ کر چلے آئے۔ اب اُس اخیر لڑائی کی تیاریاں شروع ہوئیں جس کے بعد رومی پھر کبھی سنبھل نہ سکے۔ خالد کے چلے آنے کے بعد باہان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے سُنا۔ اہل عرب کو دعوے ہے کہ جب تک تم اُن کی رعایا نہ بن جاؤ اُن کے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تم کو اُن کی غلامی منظور ہے؟ تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ہم مر جائیں گے، مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہو سکتی"۔

صبح ہوئی تو رومی اِس جوش اور سروسامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہوگئی۔ خالد نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی۔ فوج جو ۳۰، ۳۵ ہزار تھی اُس کے ۲۶ حصے کئے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اِسی قدر صفیں قائم کیں۔ قلبِ فوج ابو عبیدہ کو دیا، میمنہ پر عمرو بن العاص اور شرجیل مامور ہوئے۔ میسرہ یزید بن ابی سفیان کی کمان میں تھا۔ اِن کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کئے چُن چُن کر اُن لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنونِ جنگ میں شہرتِ عام رکھتے تھے۔ خطباء۔ جو اپنے زورِ کلام سے لوگوں میں ہل چل ڈال دیتے تھے اِس خدمت پر مامور ہوئے کہ پُرجوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں۔ انہیں میں ابو سفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے

marfat.com

تھے اللہ ۔ انکم ذادة العرب وانصار الاسلام ۔ وانھم ذادة الروم وانصار الشرك اللّٰھم ان ھٰذا یوم من ایامك اللّٰھم انزل نصرك علی عبادك ۔

عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے ۔

ایھا الناس غضوا ابصارکم واشرعوا	یارو! نگاہیں نیچی رکھو برچھیاں تان لو اپنی جگہ
الرماح والزموا مراکزکم فاذا حمل	پر جمے رہو ۔ پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو آنے دو
عدوکم فامھلوھم حتّٰی اذا رکبوا	یہاں تک کہ جب برچھیوں کی نوک پر آجائیں تو شیر
اطراف الاسنّة فبثوا فی وجوھھم	کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو ۔
وثوب الاُسَدِ	

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰ - ۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے ۔لیکن تمام عرب میں انتخاب تھے ۔ ان میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا ایک ہزار تھے ۔ سو وہ بزرگ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے ۔ عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد کے قبیلے کے تھے ۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی ۔ ہمدان ۔ خولان ۔ لخم ۔ جذام وغیرہ کے مشہور سردار تھے ۔ اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں ، امیر معاویہ کی ماں ہند حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں ۔ عضدوا الغلفان بسیوفکم ۔ امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی ۔

مقداد جو نہایت خوش آواز سے ۔ فوج کے آگے آگے سورہ انفال (جسمیں جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے ۔

اُدھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے ۔ جنگ کی ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی ۔ دو لاکھ کا

marfat.com

ٹڈی دَل ایک ساتھ بڑھا، ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی جے پُکارتے آتے تھے۔ یہ سروسامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ اللہ اکبر "کِس قدر بے انتہا فوج ہے" خالد نے جھلاّ کر کہا چُپ رَہ، خُدا کی قسم میرے گھوڑے کے سُم اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ "عیسائی اتنی ہی اور فوج بڑھالیں"۔

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا، اور تیروں کا مینہ برساتے بڑھے۔ مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہوگیا، اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آگئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ سخت غصہّ آیا، اور خیمہ کی چوبیں اُکھاڑلیں اور پکاریں کہ نامردو! اِدھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے،، خولہ یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

یاھارباعن نسوۃٍ تقیّات　　　　رُمیتَ بالسھم و المنیات

یہ حالت دیکھ کر مُعاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حِصّے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کُود پڑے اور کہا کہ میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر اِس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے،، ان کے بیٹے نے کہا" ہاں۔ یہ حق میں ادا کروں گا، کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں، غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گھُسے اور اِس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے۔ ساتھ ہی حجاج جو قبیلۂ زبید کے سردار تھے پانسو ۵۰۰ آدمی لے کر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے، آگا روگ لیا۔ میمنہ میں قبیلۂ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا، عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور اُن پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ جنگ کی یہ شدّت تھی کہ فوج میں ہر طرف، سر، ہاتھ، بازو، کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن اِن کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے اور للکارتے

marfat.com

تھے اللہ ۔ انکم زادۃ العرب وانصار الاسلام ۔ وانھم زادۃ الروم وانصار الشرک اللھم ان ھٰذا یوم من ایامک اللھم انزل نصرک علی عبادک ۔

عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے ۔

ایھا الناس غضوا ابصارکم واشرعوا	یارو! نگاہیں نیچی رکھو برچھیاں تان لو اپنی جگہ
الرماح والزموا مراکزکم فاذا حمل	پر جمے رہو ۔ پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو آنے دو
عدوکم فامھلوھم حتی اذا رکبوا	یہاں تک کہ جب برچھیوں کی نوک پر آ جائیں تو شیر
اطراف الاسنۃ فثبوا فی وجوھھم	کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو ۔
وثوب الاسد	

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰-۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے ۔ لیکن تمام عرب میں انتخاب تھے ۔ اِن میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا ایک ہزار تھے ۔ تسو وہ بزرگ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے ۔ عرب کے مشہور قبائل میں سے دس ہزار سے زیادہ صرف ازد کے قبیلے کے تھے ۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی ۔ ہمدان ۔ خولان ۔ لخم ۔ جذام وغیرہ کے مشہور سردار تھے ۔ اِس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اِس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں ، امیر معاویہ کی ماں ہند حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں :- عضدوا الغلفان بسیوفکم ۔ امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی ۔

مقداد جو نہایت خوش آواز سے ۔ فوج کے آگے آگے سورہ انفال (جسمیں جہاد کی ترغیب ہے) تلاوت کرتے جاتے تھے ۔

اُدھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے ۔ جنگ کی ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی ۔ دو لاکھ کا

marfat.com

ٹڈی دَل ایک ساتھ بڑھا، ہزاروں پادری اور لشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی جے پکارتے آتے تھے۔ یہ سروسامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ اللہ اکبر "کس قدر بے انتہا فوج ہے۔" خالد نے جھلّا کر کہا چُپ رَہ، خُدا کی قسم میرے گھوڑے کے سُم اچھے ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ "عیسائی اتنی ہی اور فوج بڑھالیں۔"

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا، اور تیروں کا مینہ برساتے بڑھے۔ مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اِس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہوگیا، اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آگئے۔ عورتوں کو یہ حالت دیکھ سخت غصّہ آیا، اور خیمہ کی چوبیں اُکھاڑلیں اور پکاریں کہ نامردو! اِدھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے،، خولہ یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

یاھارباعن نسوۃٍ تقیّات　　　رُمیتَ بالسھم و المنیات

یہ حالت دیکھ کر مُعاذ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصّے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کُود پڑے اور کہا کہ میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر اِس گھوڑے کا حق ادا کرسکے تو گھوڑا حاضر ہے،" ان کے بیٹے نے کہا "ہاں۔ یہ حق میں ادا کروں گا، کیونکہ میں سوار ہوکر اچھا لڑسکتا ہوں، غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گھُسے اور اِس دلیری سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اُکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے۔ ساتھ ہی حجاج جو قبیلۂ زبید کے سردار تھے پانسو ۵۰۰ آدمی لے کر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے، آگا روک لیا۔ میمنہ میں قبیلۂ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا، عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور اُن پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ جنگ کی یہ شدّت تھی کہ فوج میں ہر طرف، سر، ہاتھ، بازو، کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن اِن کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے اور للکارتے

marfat.com

جاتے تھے کہ "اے دیو! دیکھنا مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ آئے۔" نو بڑے بڑے بہادر اُن کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالد نے اپنی فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعۃً صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں ابتر کر دیں۔ عکرمہ نے جو ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفّار کے ساتھ رہ کر لڑتے تھے، گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا "عیسائیو! میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہؐ سے لڑ چکا ہوں۔ کیا آج تمہارے مقابلے میں میرا پاؤں پیچھے پڑ سکتا ہے"؟۔ یہ کہہ کر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون بیعت کرتا ہے؟ چار سو شخصوں نے جن میں ضرار بن ازور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے۔ عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا۔ خالد نے اپنے زانو پر اُن کا سر رکھا اور گلے میں پانی ٹپکا کر کہا۔ "خدا کی قسم عمرؓ کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے۔"

غرض عکرمہ اور اُن کے ساتھی گو خود ہلاک ہو گئے لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیئے۔ خالد کے حملوں نے اور بھی اُن کی طاقت توڑ دی یہاں تک کہ آخر اُن کو پیچھے ہٹنا پڑا اور خالد اُن کو دباتے ہوتے سپہ سالار درنجار تک پہنچ گئے۔ درنجار اور رومی افسروں نے آنکھوں پر رومال ڈال لئے کہ "اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔"

عین اُس وقت جب ادھر میمنہ میں بازار قتال گرم تھا ابن قناطر[2] نے میسرہ پر حملہ کیا، بدقسمتی سے اِس حصے میں اکثر لخم و غسّان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے اور ایک مدت سے روم کے باجگزار رہتے آئے تھے۔ رومیوں کا رعب جو دلوں میں سمایا ہوا تھا اُس کا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں ان کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور اگر

---

[1] تاریخ طبری واقعہ یرموک [2] رومیوں کے میمنہ کا سپہ سالار تھا۔۱۲

marfat.com

افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی۔ بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار نکل پڑیں اور اُن کی پامردی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ ابتر ہو گئی تھی، لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم۔ سعید بن زید۔ یزید بن ابی سفیان۔ عمرو بن العاص۔ شرحبیل بن حسنہ، دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ قباث کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے جاتے تھے مگر ان کے تیور پر بل نہ آتا تھا۔ نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اُس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدانِ جنگ سے ہٹے گا تو مر کر ہٹے گا۔" لوگ فوراً تلوار یا نیزہ اُن کے ہاتھ میں لاکر دیدیتے اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے۔ ابوالاعور۔ گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ "صبر و استقلال دُنیا میں عزت ہے اور عقبیٰ میں رحمت، دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نہ جانے پائے۔" سعید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی ان کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے، اتفاق سے اُن کے باپ ابوسفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے۔ اُن کی طرف آ نکلے۔ بیٹے کو دیکھ کر کہا "جانِ پدر! اِس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی۔ شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے۔ تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے، تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اِس میدان میں تجھ سے بازی لے گیا تو تیرے لئے شرم کی جگہ ہے"۔ شرحبیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا اور یہ بیچ میں پہاڑ کی طرح ڈٹے کھڑے تھے۔ قرآن کی یہ آیت اِنَّ اللّٰہَ اشتریٰ مِنَ المُؤمِنِینَ اَنفُسَھُمْ واموالھم باَنَّ لھُمُ الجنّۃ۔ یُقاتِلُونَ فی سَبِیلِ اللّٰہِ فَیقتلونَ وَیقتلُونَ۔ پڑھتے تھے اور نعرہ مارتے تھے کہ "خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟ یہ آواز جس کے کان میں پڑی،

marfat.com

بے اختیار لوٹ پڑا یہاں تک کہ اکھڑی ہوئی فوج پھر سنبھل گئی اور شرجیل نے اُن کو لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو ٹوٹے چلے آتے تھے بڑھنے سے رُک گئے۔

اُدھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر آکھڑی ہوئیں اور چلا کر کہتی تھیں کہ میدان سے قدم ہٹایا تو پھر "ہمارا منہ نہ دیکھنا"

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے۔ بلکہ غلبہ کا پلّہ رومیوں کی طرف تھا۔ دفعۃً قیس بن ہبیرہ جن کو خالد نے فوج کا ایک حصّہ دیکر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی، تمام صفیں ابتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا، رومی دور تک ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ میدان کے سرے پر، جو نالہ تھا اُس کے کنارے تک آگئے تھوڑی دیر میں اُن کی لاشوں نے وہ نالہ بھر دیا اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ حباش بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثناء میں کسی نے اُن کے پاؤں پر تلوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر الگ ہو گیا۔ حباش کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ میرا پاؤں کیا ہوا؟ اُن کے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ سوار بن اوفی ایک شاعر نے کہا۔

ومنا ابن عتاب و ناشد رجله | ومنا الذی ادی الی الحی حاجبا[1]

رومیوں کے جس قدر آدمی مارے گئے۔ اُن کی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے۔ ستر ہزار لکھا ہے، مسلمانوں کی طرف تین ہزار کا نقصان ہوا جن میں ضرار بن ازور۔ ہشام بن العاصی۔ ابان۔ سعید وغیرہ تھے۔ قیصر۔ انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی۔ اُسی وقت قسطنطنیہ کی تیاری کی۔ چلتے وقت شام کی

[1] یہ تمام واقعہ فتوح البلدان صہ ۱۳۱ میں مذکور ہے ۱۲

marfat.com

طرف رُخ کرکے کہا ”الوداع اے شام“

ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو نامۂ فتح لکھا۔ اور ایک مختصر سے سفارت بھیجی جس میں حذیفہ بن الیمان بھی تھے۔ حضرت عمر۔ یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی۔ تو دفعۃً سجدے میں گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ابو عبیدہ یرموک سے حمص کو واپس گئے۔ اور خالد کو قنسرین روانہ کیا۔ شہر والوں نے اوّل مقابلہ کیا۔ لیکن پھر قلعہ بند ہوکر جزیہ کی شرط پر صلح قبول کرلی۔ یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلۂ تنوخ مدت سے آکر آباد ہوگیا تھا، یہ لوگ برسوں تک کمل کے خیموں میں زندگی بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدّن کا اثر یہ ہوا کہ بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنوالی تھیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے ہم قومی کے اتحاد سے اُن کو اسلام کی ترغیب دی۔ چنانچہ سب مسلمان ہوگئے۔ صرف بنو سلیح کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہوگیا۔ قبیلہ طی کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے۔ انہوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔

قنسرین کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے حلب کا رُخ کیا۔ شہر سے باہر۔ میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انہوں نے جزیہ پر صلح کرلی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ حلب والوں نے ابو عبیدہ کی آمد سُنکر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ شہر کا محاصرہ کیا اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح ان شرائط پر صلح ہوگئی کہ عیسائیوں نے جزیہ دینا منظور کیا۔ اور ان کی جان۔ مال۔ شہر پناہ۔ مکانات۔ قلعے۔ اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ آئے۔ چونکہ یہ قیصر کا خاص دار السلطنۃ تھا۔ بہت سے رومیوں اور عام عیسائیوں نے یہاں آکر پناہ لی تھی۔ ابو عبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا، چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہوکر صلح کرلی، ان صدر مقامات کے فتح ہونے نے تمام شہر کو مرعوب کردیا اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا۔ عیسائی خود آکر

marfat.com

امن وصلح کے خواستگار ہوتے تھے۔ چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ بوقا۔ جومہ۔ سرمن۔ توزی۔ قورس۔ تل غراز۔ دلوک۔ رعبان۔ یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوگئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا، اسی طرح بالس اور قاصرین بھی پہلے وہلہ میں فتح ہوگئے۔ جرجومہ والوں نے جزیہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چونکہ جزیہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے۔ اُن کی یہ درخواست منظور کرلی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائے کوچک کی سرحد ملتی ہے۔ یہاں عرب کے بہت سے قبائل غسّان۔ تنوخ۔ ایاد۔ رومیوں کے ساتھ ہرقل کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حبیب بن مسلمہ نے اُن پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوتے۔ خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صُلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکل جائیں۔

بیتُ المقدس ۱۶ھ ۶۳۷ء

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے۔ چنانچہ فلسطین۔ عمرو بن العاص کے حصّے میں آیا۔ عمرو بن العاص نے بعض مقامات حضرت ابوبکرہی کے عہد میں فتح کر لئے تھے اور فاروقی عہد تک نابلس۔ لد۔ عمواس۔ بیت جرین تمام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا جب کوئی عام معرکہ پیش آجاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابو عبیدہ سے جا ملتے تھے اور اُن کو مدد دیتے تھے لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے۔[۱] یہاں تک کہ آس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے، اُس وقت حضرت ابو عبیدہ۔ شام کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کر چکے تھے، چنانچہ اُدھر سے فرصت پا کر بیت المقدس

۱؎ فتوح البلدان ص ۱۴۰۔

marfat.com

کا رُخ کیا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صُلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط اضافہ کی کہ عمر خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح ان کے ہاتھوں سے لکھا جاتے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمر نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور مشورت کی۔ حضرت عثمان نے کہا کہ" عیسائی مرعوب و شکستہ دل ہو چکے ہیں۔ آپ ان کی اس درخواست کو رد کر دیں تو اُن کو اور بھی ذلت ہوگی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان ان کو بالکل حقیر سمجھتے ہیں۔ بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیں گے "۔ لیکن حضرت علی نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عمر نے انہی کی رائے کو پسند کیا۔ اور سفر کی تیاریاں کیں، حضرت علیؓ[1] کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار اُن کو سپرد کئے[2] اور رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہو گا کہ فاروق اعظم کا سفر۔ اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا۔ کس سر و سامان سے ہوا ہوگا؟ لیکن یہاں نقارہ و نوبت، خدم و حشم، لاؤ لشکر۔ ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں آکر اُن سے ملیں، اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی، چنانچہ حضرت عمر کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس ہیئت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کے چلتے اور پر تکلف قبائیں تھیں اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے، حضرت عمر کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اُتر پڑے اور سنگریزے اُٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔

---

[1] یہ طبری کی روایت ہے یعقوبی نے حضرت علی کے بجائے حضرت عثمان کا نام لیا ہے [2] یعقوبی صہ ۱۶۷۔

اِن لوگوں نے عرض کی کہ قباؤں کے نیچے ہتھیار ہیں (یعنی سپہگری کا جوہر ہاتھ سے نہیں دیا ہے) فرمایا "تو کچھ مضائقہ نہیں"[1]، شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے بلند اور شاندار مکانات سامنے تھے۔ دِل پر ایک خاص اثر ہوا، عبرت کے لہجہ میں یہ آیت پڑھی کَمْ تَرَکُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ الخ پھر نابغہ کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔ وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمر کی آمد کی خبر پہلے پہنچ چُکی تھی، چنانچہ رئیسانِ شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لئے دمشق کو روانہ ہوا۔ حضرت عمر فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً کچھ سوار نظر آئے جو گھوڑے اُڑاتے آتے تھے اور کمر میں تلواریں چمک رہی تھیں۔ مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سنبھال لئے۔ حضرت عمر نے پوچھا خیر ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا حضرت عمر نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا گھبراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آتے ہیں۔ غرض معاہدۂ صلح لکھا جا کر بڑے بڑے معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے[2]۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمر نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اُس کے سُم گھِس کر بیکار ہو گئے تھے اور رُک رُک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمر یہ دیکھ کر اُتر پڑے لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا حضرت عمر سوار ہوئے تو اُچھل کرنے لگا۔ فرمایا کمبخت یہ غرور کی چال تونے کہاں سیکھی۔ یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابوعبیدہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمر کا لباس اور سر وسامان جس معمولی حیثیت کا تھا۔ اُس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک

---

[1] طبری صـ (۲۴۰۲) [2] یہ طبری کی روایت ہے بلاذری اور ازدی نے لکھا ہے کہ معاہدۂ صلح بیت المقدس میں لکھا گیا اِس معاہدے کو تمامہا ہم نے اِس کتاب کے دوسرے حصّے میں نقل کیا ہے۔ دیکھو اِس کتاب کا دوسرا حصّہ صـ (۹۲)۔

marfat.com

حاضر کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے"۔ غرض اس حال سے بیت المقدس میں داخل ہوتے، سب سے پہلے مسجد میں گئے۔ محراب داؤد کے پاس پہنچکر۔ سجدۂ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر اُدھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افسرانِ فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کئے۔ ایک دن بلال (رسول اللہ کے مؤذن)، نے آکر شکایت کی کہ امیر المؤمنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے افسروں کیطرف دیکھا۔ اُنہوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں ارزاں ہیں جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اُسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ افسروں کو مجبور نہ کر سکے لیکن حکم دیدیا کہ مالِ غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ۔ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلالؓ سے درخواست کی کہ آج اذان دو بلالؓ نے کہا میں عزم کر چکا تھا کہ رسولؐ اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا۔ لیکن آج (اور صرف آج)، آپ کا ارشاد بجا لاؤں گا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسولؐ اللہ کا عہد مبارک یاد آ گیا اور رقت طاری ہوئی ابو عبیدہ و معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہو گئے، حضرت عمرؓ کی ہچکی لگ گئی اور دیر تک ایک اثر رہا۔

ایک دن مسجد اقصیٰ میں گئے اور کعب احبار کو بلایا اور اُن سے پوچھا کہ نماز کہاں پڑھی جائے۔ مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر ہے جو انبیاءؑ سابقین کی یادگار ہے۔ اس کو صخرہ کہتے ہیں اور یہودی اُس کی اُسی طرح تعظیم کرتے ہیں جسطرح مسلمان حجرِ اسود کی۔ حضرت عمرؓ نے جب قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ صخرہ کی طرف۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صخرہ کے پاس آکر جوتی اُتار دی۔ اس واقعہ سے حضرت

marfat.com

عمر کا جو طرزِ عمل ابن قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا ظاہر ہوتا ہے۔ اِس موقع پر ہماری اِس کتاب کے دوسرے حصّے کے صفحہ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیئے۔

حمص پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش ۱۷ھ ۶۳۸ء

یہ معرکہ اِس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینیہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا۔ ایران اور روم کی مہمیں جن اسباب سے پیش آئیں وہ ہم اوپر لکھ آتے ہیں۔ لیکن اِس وقت تک آرمینیہ پر لشکر کشی کے لیے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا۔ اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومتِ اسلام کی حدود برابر بڑھتے جاتے تھے۔ ہمسایہ سلطنتوں کو خودبخود خوف پیدا ہوا۔ کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔ چنانچہ جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ نئے سر سے ہمت کیجیے۔ ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں۔ چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر حمص کو روانہ کی۔ ادھر سے جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے۔ ابو عبیدہ نے بھی اِدھر اُدھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کے باہر صفیں جمائیں، ساتھ ہی حضرت عمر کو تمام حالات سے اطلاع دی، حضرت عمر نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اِس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں یلغار کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابو عبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف قاصد دوڑا دیتے۔ قعقاع بن عمر کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سوار لے کر حمص پہنچ جائیں۔ سہیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے اُن قبائل کو تھام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمر نے اِن انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے، جزیرہ والوں نے جب سُنا کہ خود اُن کے مُلک میں مسلمانوں کے قدم آگئے تو حمص کا

marfat.com

محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیئے، عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آتے تھے وہ بھی پچھتائے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اِسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالد نے کہلا بھیجا کہ افسوس! میں دوسرے شخص (ابو عبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں۔ اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجھ کو تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پروا نہ ہوتی۔ تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ۔ اِدھر فوج نے ابو عبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ انہوں نے خالد سے پوچھا خالد نے کہا میری جو رائے ہے معلوم ہے، عیسائی ہمیشہ کثرتِ فوج کے بل پر لڑتے ہیں۔ اب کثرت بھی نہیں رہی۔ پھر کس بات کا اندیشہ ہے، اِس پر بھی ابو عبیدہ کا دِل مطمئن نہ تھا۔ تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پُر زور اور مؤثر تقریر کی کہ مسلمانو آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئے گا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملے گی۔ میں گواہی دیتا ہوں (اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں)، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت ...... میں جائے گا۔ فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لئے بیقرار تھی۔ ابو عبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرما دیا اور دفعۃً سب نے ہتھیار سنبھال لئے۔ ابو عبیدہ۔ قلب فوج اور خالد و عباس میمنہ اور میسرہ کو لے کر بڑھے قعقاع جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آتے تھے حمص سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اِس واقعہ کی خبر سُنی۔ فوج چھوڑ کر سَو سواروں کے ساتھ ابو عبیدہ سے آملے مسلمانوں کے حملے کے ساتھ عرب کے قبائل (جیسا کہ خالد سے اقرار ہو چکا تھا) ابتری کے ساتھ پیچھے ہٹے، اُن کے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر لڑ کر اِس بدحواسی سے بھاگے کہ مرج الدیباج تک اُن کے قدم نہ جمے۔ یہ اخیر معرکہ تھا جس کی ابتدا خود عیسائیوں کی طرف سے ہوئی اور جس کے بعد ان کو پھر کبھی پیشقدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

marfat.com

حضرت خالد کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور ۱۷ھ (۶۳۸ء) کے واقعات میں حضرت خالد کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے۔ عام مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آتے ہیں لیکن یہ اُن کی سخت غلطی ہے افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اپنی اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں۔ خود ہی ۱۳ھ کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی ۱۷ھ کے واقعات میں اُن کی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ۔ خالد کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مُدت سے ناراض تھے۔ تاہم آغازِ خلافت میں اُن سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالدؓ کی عادت تھی کہ وہ کاغذات حساب دربارِ خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لئے اُن کو تاکید لکھی کہ آئندہ سے اس کا خیال رکھیں۔ خالد نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں اور اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ کو ان کی یہ خودمختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بیدریغ کیونکر کسی کے ہاتھ میں دے سکتے تھے۔ چنانچہ خالدؓ کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو۔ خالدؓ نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے کتاب الاصابہ میں حضرت خالدؓ کے حال میں بتفصیل لکھا ہے۔

باایں ہمہ اُن کو بالکل معزول نہیں کیا بلکہ ابوعبیدہ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دیدیئے۔ پرچہ نویسوں نے اُسی وقت حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہ کو خط لکھا کہ خالدؓ نے یہ انعام اپنی گرہ

marfat.com

سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

خالدؓ جس کیفیت سے معزول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے۔ قاصد نے جو معزولی کا خط لے کر آیا تھا مجمع عام میں خالدؓ سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا۔ خالد اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ اُن سے درگزر کی جاتی لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر اُن کے سر سے ٹوپی اُتار لی اور اُن کی سرتابی کی سزا کے لئے اُنہی کے عمامہ سے اُن کی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایک ایسا بڑا سپہ سالار جس کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور جس کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اِس واقعہ سے ایک طرف تو خالدؓ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمرؓ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالد نے حمص پہنچ کر اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ امیر المومنین عمر نے مجھ کو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا۔ اِس فقرے پر ایک سپاہی اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار چپ رہ! اِن باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔" خالد نے کہا ہاں! لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے[1]۔

خالد مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمرؓ! خُدا کی قسم تم میرے معاملہ میں ناانصافی کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی۔ خالد نے کہا کہ مالِ غنیمت سے۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپ کے حوالہ کرتا ہوں۔ چنانچہ بیس ہزار روپے زیادہ نکلے اور وہ بیت المال میں داخل کر دیئے گئے۔

---

[1] دیکھو کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صـ (۸۷) اور تاریخ طبری صـ ۲۵۲۷

marfat.com

حضرت عمرؓ نے خالدؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خالدؓ! واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں"۔ یہ کہہ کر تمام عمالان ملکی کو لکھ بھیجا کہ "میں نے خالدؓ کو ناراضی سے یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ اُن کے مفتون ہوتے جاتے ہیں اس لئے میں نے اُن کا معزول کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے[1]۔
اِن واقعات سے ایک نکتہ بین شخص بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالدؓ کی معزولی کے کیا اسباب تھے۔ اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

عمواس کی وبا۔ ۱۸ھ ۶۳۹ء

اِس سال شام و مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی۔ اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ۱۷ھ کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی۔
حضرت عمرؓ کو اوّل جب خبر پہنچی تو اُس کی تدبیر اور انتظام کے لئے خود روانہ ہوئے۔ سرغ[2] پہنچکر ابو عبیدہ وغیرہ سے جو اُن کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اوّلین اور انصار کو بلایا اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ لیکن مہاجرین فتح نے یکزباں ہو کر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ پکار دیں کہ کل کوچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے ان کو نہایت غصہ آیا۔ اور طیش میں آکر کہا

افرارًا من قدر اللہ

یعنی اے عمرؓ! تقدیر الٰہی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمرؓ نے اُن کی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا

نعم افر من قضاء اللہ الی قضاء اللہ یعنی ہاں، تقدیر الٰہی سے بھاگتا ہوں مگر بھاگتا بھی تقدیر الٰہی کی طرف ہوں"۔
غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابو عبیدہ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کچھ کام ہے۔ کچھ دنوں کے لئے یہاں

---

[1] طبری صـ ۲۵۲۸ [2] ایک مقام کا نام ہے۔

marfat.com

آجاؤ۔ ابوعبیدہ کو خیال ہوا کہ وبا کے خوف سے بلایا ہے۔ جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہوگا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔ حضرت عمرؓ خط پڑھ کر روئے اور لکھا کہ فوج جہاں اُتری ہے وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے، اِسلئے کوئی عمدہ موقع تجویز کرکے وہاں اُٹھ جاؤ۔ ابوعبیدہ نے اِس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جاکر مقام کیا۔ جو آب و ہوا کی خوبی میں مشہور تھا۔

جابیہ پہنچکر ابوعبیدہ بیمار پڑے۔ جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا اور نہایت پُراثر الفاظ میں وصیت کی۔ معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں۔ اِدھر نماز ختم ہوئی اُدھر اُنہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ بیماری اُسی طرح زوروں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وبا انہی بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں اِس لئے یہاں سے بھاگ چلنا چاہیئے۔ معاذ نے سُنا تو ممبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وبا، بلا نہیں ہے بلکہ خُدا کی رحمت ہے۔" خطبہ کے بعد خیمہ میں آتے تو بیٹے کو بیمار پایا۔ نہایت استقلال کے ساتھ کہا یا ابت الحقُّ من ربّکَ فلا تکونن منَ الممُترین۔ یعنی اے فرزند۔ یہ خُدا کی طرف سے ہے۔ دیکھ شبہ میں نہ پڑنا، بیٹے نے جواب دیا ستجدنی انشاءَ اللہ من الصّابرینَ۔ یعنی خُدا نے چاہا تو آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔" یہ کہہ کر انتقال کیا۔ معاذ بیٹے کو دفنا کر آئے تو خود بیمار پڑے۔ عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اِس خیال سے کہ زندگی خُدا کے قرب کا حجاب تھی۔ بڑے اطمینان اور مسرت کے ساتھ جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے۔ وبا کا وہ زور تھا اور ہزاروں آدمی طعمۂ اجل ہوتے جاتے تھے۔ لیکن معاذ اُس کو خُدا کی رحمت سمجھا کیے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی۔ لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا۔ معاذ کے مرنے کے ساتھ اُنہوں نے مجمع عام میں خُطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی جاتی ہے۔ اِس لئے تمام فوج کو

marfat.com

یہاں سے اُٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیئے۔ اگرچہ ان کی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہم خیال تھے ناپسند آئی یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ "تو جھوٹ کہتا ہے۔" تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج ان کے حکم کے مطابق اِدھر اُدھر پہاڑوں پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اِس وقت عمل میں آئی کہ ۲۵ ہزار مسلمان جو آدمی دُنیا کے فتح کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے، موت کے مہمان ہو چکے تھے۔ اِن میں ابو عبیدہ، معاذ بن جبل۔ یزید بن ابی سفیان حارث بن ہشام۔ سہیل بن عمرو۔ عتبہ بن سہیل۔ بڑے درجے کے لوگ تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی۔ اور مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے۔ یزید بن ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شرحبیل کو اُردن کا حاکم مقرر کیا۔

اِس قیامت خیز وبا کی وجہ سے فتوحاتِ اسلام کا سیلاب دفعۃً رُک گیا۔ فوج بجائے اِس کے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی۔ ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ بن گئیں۔ جو لوگ مرے تھے اُن کا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے۔ یرفا ان کا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اُس کے اُونٹ پر سوار ہو لئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے تھے کہ امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے"۔ اسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا۔ گزی کا کرتہ جو زیب بدن تھا کجاوے کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لئے ایلہ کے پادری کو حوالہ کیا، اُس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے۔ اور اُس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا کہ اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ ایلہ سے دمشق آئے۔ اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کئے۔ فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں۔ جو لوگ وبا میں ہلاک ہوئے تھے اُن کے دُور و نزدیک کے وارثوں کو بلا کر

marfat.com

اُن کی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ جو اسامیاں خالی ہوئی تھیں اُن پر نئے عہدہ دار مقرر کئے (ان باتوں کی پوری تفصیل دوسرے حصے میں آئے گی) چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا، اور جو انتظامات کئے تھے اُن کے متعلق تقریر کی۔

اِس سال عرب میں سخت قحط پڑا۔ اور اگر حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مرجاتے۔ اِسی سال۔ مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور روزینے مقرر کئے۔ چنانچہ اِن انتظامات کی تفصیل دوسرے حصے میں آئیگی۔

قیساریہ کی فتح شوال ۱۹ھ ۶۴۰ء

یہ شہر بحر شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے۔ آج ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے۔ اس شہر پر اول اول ۱۳ھ ۶۳۵ء میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مدت تک محاصرہ کئے پڑے رہے لیکن فتح نہ ہوسکا۔ ابوعبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو ان کی جگہ مقرر کیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ قیساریہ کی مہم پر جائیں۔ وہ ۱۷ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوتے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن ۱۸ھ ۶۳۹ء میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہؓ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے آتے اور یہیں وفات پائی۔ امیر معاویہ نے بڑے سروسامان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر پر قبضہ نہ ہوسکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا۔ امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سُرنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اُس کی راہ قلعہ کے اندر پہنچکر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پُشتے لگا دیئے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ کم سے کم عیسائیوں کی اَسّی ہزار فوج تھی جس میں بہت کم زندہ بچی۔ چونکہ یہ ایک مشہور

ا۔ بلاذری

marfat.com

مقام تھا۔ اِسکی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہوگیا۔

جزیرہ[1] سنہ ۱۶ ہجری ۶۳۷ء

مدائن کی فتح سے دفعۃً تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب اُن کو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا۔ اِس کا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں۔ سب سے پہلے جزیرہ نے ہتھیار سنبھالا کیونکہ اُسکی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی۔ سعد نے حضرت عمرؓ کو ان حالات سے اطلاع دی۔ وہاں سے عبداللہ بن المعتم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمرؓ کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اور افسروں کو بھی خود ہی نامزد کیا۔ چنانچہ مقدمۃ الجیش پر ربعی بن الافکل۔ میمنہ پر حارث بن حسان۔ میسرہ پر فرات بن حیان۔ ساقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے۔ عبداللہ بن المعتم پانچہزار کی جمعیت سے تکریت[2] کی طرف سے بڑھے۔ اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینے سے زیادہ محاصرہ رہا۔ اور ۲۴ دفعہ حملے ہوتے۔ چونکہ عجمیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد۔ تغلب۔ نمر۔ بھی شریک تھے۔ عبداللہ نے خفیہ پیام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہوکر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو۔ ہم عین موقع پر عجمیوں سے ٹوٹ کر تم سے آملیں گے۔ یہ بندوبست ہوکر تاریخ معین پر دھاوا ہوا عجمی مقابلے کو نکلے تو خود ان کے ساتھ کے عربوں نے عقب سے اُن پر حملہ کیا۔ عجمی دونوں طرف سے گھر کر بالکل پامال ہوگئے۔

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اِس کا موقع اتفاقی طور سے عراق

---

[1] جزیرہ اس حصہ آبادی کا نام ہے جو دجلہ اور فرات کے بیچ میں ہے اسکی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مغرب آرمینیہ کا کچھ حصہ اور ایشیائے کوچک جنوب شام۔ مشرق عراق۔ شمال آرمینیہ کے کچھ حصے۔ یہ مقام درج نقشہ ہے ۱۲ [2] تکریت۔ جزیرہ کا سب سے ابتدائی شہر ہے جس کی حد عراق سے ملی ہوئی ہے۔ دجلہ کے غربی جانب واقع ہے اور موصل سے ۶ منزل پر ہے ۱۲

کے سلسلے میں آگیا تھا اس لئے مؤرخینِ اسلام، جزیرہ کی فتوحات کو اِس واقعہ سے شروع نہیں کرتے۔ اور خود اُس زمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا۔

سنہ ۱۷ ہجری میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو سعد کے نام حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں۔ سعد نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے اِس مہم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شہر رُہا کے قریب جو کسی زمانے میں رومن امپائر کا یادگار مقام تھا، ڈیرے ڈالے۔ یہاں کے حاکم نے خفیف سی روک ٹوک کے بعد جزیہ پر صُلح کرلی۔ رُہا، کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اِس سرے سے اُس سرے تک فتح ہوگیا۔ جن جن مقامات پر خفیف خفیف لڑائیاں پیش آئیں اُن کے یہ نام ہیں۔ رقہ حرّان۔ نصیبین۔ میافارقین۔ سمساط۔ سروج۔ قرقیسیا۔ زوزان۔ عین الوردۃ۔

خوزستان[۱]

سنہ ۱۵ ہجری میں مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرّر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد، بصرہ سے مِلی ہوئی ہے۔ اُنہوں نے خیال کیا کہ اس کے فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن و امان قائم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ (۶۳۷ء) سنہ ۱۶ ہجری کے شروع میں اہواز پر جس کو ایرانی، ہرمز شہر کہتے تھے حملہ کیا۔ یہاں کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دے کر صُلح کرلی۔ مغیرہ وہیں رُک گئے۔ سنہ ۱۷ ہجری میں مغیرہ معزول ہوکر اُن کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرّر ہوئے۔ اِس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کردی اور اعلانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابو موسیٰ نے لشکر کشی کی۔ اور اہواز کو جا گھیرا۔ شاہی فوج جو یہاں رہتی تھی اُس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہوگیا۔ غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی، لونڈی غلام بن کر تقسیم کئے

۱؎ خوزستان اُس حصّہ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ اُس میں ۱۴ بڑے شہر ہیں جن میں سب سے بڑا شہر "اہواز" ہے جو نقشہ میں بھی درج کر دیا گیا ہے ۱۲

marfat.com

گئے۔ لیکن جب حضرت عمر کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے۔ ابو موسیٰ نے اہواز کے بعد مناذر کا رُخ کیا۔ یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی ہمّت اور استقلال سے حملے کو روکا۔ اِس معرکہ میں مُہاجر بن زیاد جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے۔ اور قلعہ والوں نے اُن کا سر کاٹ کر بُرج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔

ابو موسیٰ نے مُہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوسؔ کو روانہ ہوئے۔ ربیع نے مناذر کو فتح کر لیا اور ابو موسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیسِ شہر نے اِس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اُس کے خاندان کے سَو آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اُس کو امن دے دیا جاتا تھا۔ بد قسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ جب سَو کی تعداد پوری ہو گئی تو ابو موسیٰ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا۔ سوسؔ کے بعد رامہرز کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صُلح ہو گئی۔ یزدگرد اُس وقت قم میں مقیم تھا اور خاندانِ شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابو موسیٰ کی دست درازیوں کی خبریں اُس کو برابر پہنچتی تھیں۔ ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت و اقتدار کا سردار تھا، یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز و فارس میری حکومت میں دے دیئے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزدگرد نے اُسی وقت فرمانِ حکومت عطا کر کے ایک جمعیتِ عظیم ساتھ کر دی۔ خوزستان کا صدر مقام شوستر تھا اور شاہی عمارات اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں یہیں تھیں۔ ہرمزان نے وہاں پہنچکر قلعہ کی مرمت کرائی۔ اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا۔ اِس کے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہرکارے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو جوش دلا کر جنگ کے لئے آمادہ کریں۔ اس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہو گیا تھا پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیت اعظم فراہم ہو

marfat.com

ہوگئی۔ ابوموسیٰ نے دربارِ خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ وہاں سے عمار بن یاسر کے نام جو اُس وقت کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں لیکن غنیم نے جو سر و سامان کیا تھا اُس کے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی۔ ابوموسیٰ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ عبداللہ بن مسعود کو آدھی فوج کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لے کر خود ابوموسیٰ کی مدد کو جاؤ۔ اُدھر جریر بجلی ایک بڑی فوج لے کر جلولاء پہنچا۔ ابوموسےٰ نے اِس سر و سامان سے شوشتر کا رُخ کیا اور شہر کے قریب پہنچکر ڈیرے ڈالے۔ ہرمزان کثرتِ فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ ابوموسیٰ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ براء بن مالک کو دیا۔ (یہ حضرت انس (صحابی مشہور) کے بھائی تھے) میسرہ پر براء بن عازب انصاری کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا۔ دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں۔ براء بن مالک مارتے دھاڑتے شہر پناہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ اُدھر ہرمزان نہایت بہادری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین پھاٹک پر دونوں کا سامنا ہوا۔ براء مارے گئے۔ ساتھ ہی مجزاۃ بن ثور نے جو میمنہ کو لڑا رہے تھے بڑھ کر وار کیا۔ لیکن ہرمزان نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجمی ایک ہزار مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ ہرمزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابوموسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میرے جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرا دوں۔ ابوموسیٰ نے منظور کیا۔ اس نے ایک عرب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا اور نہر دجیل سے جو دجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوشتر کے نیچے بہتی ہے پار اُتر کر ایک تہ خانے کی راہ شہر میں داخل ہوا اور اشرس کے مُنہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہرمزان کے محل میں آیا۔ ہرمزان رئیسوں اور درباریوں کے ساتھ جلسہ جمائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہری نے ان کو تمام عمارت کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر ابوموسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ

marfat.com

میں اپنا فرض ادا کر چکا آگے تمہاری ہمت اور تقدیر ہے۔ اشرس نے اُس کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ دو سو جانباز میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے۔ ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا دو سو بہادروں نے بڑھ کر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔ اشرس اُسی تہہ خانے کی راہ شہر پناہ کے دروازے پر پہنچے۔ اور پہرہ والوں کو تہہ و تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیئے۔ اِدھر ابو موسیٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے۔ دروازہ کھُلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہَل چل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اُس نے بُرج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اَب بھی سو تیر ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچھ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اُتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدینہ پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمرؓ کے ہاتھ سے ہو" ابو موسیٰ نے منظور کیا اور حضرت انس کو مامور کیا کہ مدینہ تک اُس کے ساتھ جائیں۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لئے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاج مرصع جو آذین کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا، دیبا کی قبا زیبِ بدن کی۔ اور شاہانِ عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے۔ کمر سے مرصع تلوار لگائی، غرض شوکت و شان کی تصویر بن کر مدینے میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبہ نے تمام دُنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اس کا دربار بھی بڑے سرو سامان کا ہو گا۔ حضرت عمرؓ اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرشِ خاک پہ لیٹے ہوتے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سیکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اس کے زرق برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھُلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "یہ دُنیائے دوں کی دلفریبیاں ہیں" اس کے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب

marfat.com

ہوئے۔ اُس وقت تک مترجم نہیں آیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے، اس لئے اُنہوں نے ترجمانی کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے وطن پوچھا۔ مغیرہ، وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے۔ اس لئے کہا کہ۔ از کدام ارضی؟ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادسیہ کے بعد، ہرمزان نے کئی دفعہ سعد سے صُلح کی تھی اور ہمیشہ اقرار سے پھر پھر جاتا تھا۔ شوستر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ اُنہوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمرؓ! جب تک خُدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خُدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں۔ یہ کہہ کر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا۔ اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے موافق، تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ اس مغالطے پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمۂ توحید پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا۔ لیکن یہ تدبیر اس لئے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا۔[1] حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے، اور خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ، فارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

شوستر کے بعد جندی سابور پر حملہ ہوا جو شوستر سے ۲۴ میل ہے۔ کئی دن تک محاصرہ رہا۔ ایک دن شہر والوں نے خود شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر تعجب ہوا اور اس کا سبب دریافت کیا۔ شہر والوں نے کہا تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے۔ اب جھگڑا کیا رہا۔ سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر

[1] ان واقعات کو طبری نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے ۱۲ [2] عقد الفرید لابن عبدربہ۔ باب المکیدۃ فی الحرب ۱۲

امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا ایک غلام کی خود رائی حجت نہیں ہو سکتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت عمرؓ کو خط لکھا گیا۔ اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اُس نے امان دے دی تمام مسلمان امان دے چکے۔

اِس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکّہ بٹھا دیا اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نیا ملک کا اضافہ ہو گیا۔

عراقِ عجم[1] ۔ سنہ ۲۱ ہجری ۶۴۱ء

جلولا کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آتے ہیں یزدگرد، رَیّ چلا گیا۔ لیکن یہاں کے رئیس آبان جادویہ نے بیوفائی کی۔ اِس لئے رَیّ سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ یہاں پہنچکر مرو میں اقامت کی۔ آتشِ پارسی ساتھ تھی اس کے لئے آتشکدہ تیار کرایا اور مطمئن ہو کر پھر سلطنت و حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیئے۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا اور ہرمزان جو سلطنت کا زور بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سُنکر نہایت طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اس کا وہ پہلا رعب و داب باقی نہیں رہا تھا تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر دفعۃً نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اس وقت تک یہ سمجھے تھے کہ عرب کی آندھی سرحدی مقامات تک پہنچ کر رُک جائے گی۔ اِس لئے اُن کو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا۔ لیکن خوزستان کے واقعہ سے اُن کی آنکھیں

---

1. سرزمینِ عراق دو حصوں پر منقسم ہے مغربی حصّے کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصّے کو عراق عجم۔ عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہیں کہ شمال میں طبرستان، جنوب میں شیراز، مشرق میں خوزستان، اور مغرب میں شہر مراغہ واقع ہے۔ اُس وقت اس کے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور رَیّ سمجھے جاتے تھے۔ اِس وقت رَیّ بالکل ویران ہو گیا اور اُسی کے قریب طہران آباد ہو گیا ہے۔ جو شاہانِ قاچار کا دارالسلطنت ہے ۱۲

marfat.com

کھیں ۔ ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور نقیب پہنچے ، اِس سے دفعتہً طبرستان ، جرجان ، دماوند رے ، اصفہان ، ہمدان سے گذر کر خراسان ، اور سندھ تک تلاطم مچ گیا ۔ اور ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دَل قم میں آکر ٹھہرا ۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو (ہرمز کا فرزند تھا) سرلشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ گیا ۔ اِس معرکہ میں درفش کاویانی جس کو عجم فالِ ظفر سمجھتے تھے مبارک فالی کے لحاظ سے نکالا گیا ۔ چنانچہ مردان شاہ جب روانہ ہوا تو اِس مبارک علم کا پھریرا اُس پر سایہ کرتا جاتا تھا عمار بن یاسر نے جو اُس وقت کوفہ کے گورنر تھے ۔ حضرت عمرؓ کو اِن حالات سے اطلاع دی ۔

حضرت عمرؓ ۔ عمار کا خط لیے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور سب کو سُنا کے کہا کہ گروہ عرب ! اِس مرتبہ تمام ایران کمر بستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دُنیا سے مٹا دے ۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے ؟ طلحہ بن عبید اللہ نے اُٹھ کر کہا کہ امیر المؤمنین ! واقعات نے آپکو تجربہ کار بنا دیا ہے ۔ ہم اسکے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آپ جو حکم دیں بجا لائیں ۔ حضرت عثمان نے کہا کہ " میری رائے ہے کہ شام ۔ یمن ۔ بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق کو روانہ ہوں ۔ اور آپ خود اہلِ حرم کو لے کر مدینہ سے اٹھیں ۔ کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے علم کے نیچے جمع ہوں اور پھر نہاوند کی طرف رُخ کیا جائے " ۔ حضرت عثمان کی اِس رائے کو سب نے پسند کیا لیکن حضرت علی چپ تھے ۔ حضرت عمرؓ نے اُن کی طرف دیکھا وہ بولے کہ شام اور بصرہ سے فوجیں ہٹیں تو اِن مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائیگی اور خُود اپنے ملک کا تھامنا مشکل ہوگا ۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام ۔ یمن ۔ بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہیں ایک ایک ثلث اِدھر روانہ کر دیجائیں " ۔ حضرت عمرؓ نے کہا میری بھی یہی رائے تھی لیکن میں تنہا اِس کا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا ۔ اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم میں سپہ سالار بن کر کون جائے ؟ لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے لیکن اِس درجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا ۔ جو لوگ اِس منصب کے قابل تھے وہ اور اور

marfat.com

مہمات میں مصروف تھے۔

حضرت عمر کے مراتبِ کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انہوں نے مُلک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف اُن کی نگاہ میں تھے چنانچہ اِس موقع پر حاضرین نے خُود کہا کہ اِس کا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمر نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا اور سب نے اس کی تائید کی۔ نعمان۔ تیس ہزار کی جمعیّت لیکر کوفہ سے روانہ ہوئے۔ اِس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جن میں سے حذیفہ بن الیمان۔ عبداللہ بن عمر۔ جریر بجلی۔ مغیرہ بن شعبہ۔ عمرو معدی کرب۔ زیادہ مشہور ہیں۔ نعمان نے جاسوسوں کو بھیجکر معلوم کیا کہ نہاوند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ نہاوند تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ نہاوند سے نومیل اِدھر اسپدہاں ایک مقام تھا وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمر نے یہ کی کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں ان کو لکھا کہ ایرانی اُس طرف سے نہاوند کی طرف بڑھنے نہ پائیں۔ اِس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نعمان کے پاس سفارت کے لئے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اِس کام کو انجام دے چکے تھے سفیر بن کر گئے۔ عجم نے بڑی شان سے دربار آراستہ کیا، مردان شاہ کو تاج پہنا کر تختِ زر پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شاہزادے، دیبائے زرکش کی قبائیں، سر پر تاجِ زر، ہاتھوں میں سونے کے کنگن، پہنکر بیٹھے۔ اُن کے پیچھے دُور دُور تک سپاہیوں کی صفیں قائم ہوئیں جن کی برہنہ تلوار سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا۔ اہلِ عرب! سب سے زیادہ بدبخت، سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک، جو قوم ہو سکتی ہے تم ہو! یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن مجھ کو یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک خون

marfat.com

میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا" مغیرہ نے کہا ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل وحقیر تھے۔ لیکن اس ملک میں آکر ہم کو دولت کا مزہ پڑ گیا اور یہ مزے ہم سے اُسی وقت چھوٹیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں" غرض سفارت بے حاصل گئی۔ اور دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ نعمان نے میمنہ اور میسرہ حذیفہ اور سوید بن مقرن کو دیا۔ مجردہ پر قعقاع کو مقرر کیا۔ ساقہ پر مجاشع متعین ہوئے۔ اُدھر میمنہ پر زردک، اور میسرہ پر بہمن تھا۔ عجمیوں نے میدانِ جنگ میں پہلے سے ہر طرف گوکھرو بچھا دیئے تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے نعمان نے یہ حالت دیکھ کر افسروں کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ طلیحہ بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہوکر شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر ٹھہریں اور قعقاع کو تھوڑی سی فوج دیکر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں۔ عجمی بڑے جوش سے مقابلہ کو نکلے اور اس بندوبست کے لیے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹنے پائے جس قدر بڑھتے آتے تھے پیچھے گوکھرو بچھاتے آتے تھے۔ قعقاع نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ گوکھرو کی سرحد سے نکل آئے۔ نعمان نے جو ادھر فوجیں جما رکھی تھیں موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ جونہی عجمی زد پر آئے انہوں نے حملہ کرنا چاہا۔ لیکن نعمان نے روکا۔ عجمی جو برابر تیر برسا رہے تھے اُس سے سیکڑوں ہزاروں مسلمان کام آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیرہ بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ لیکن نعمان اس خیال سے دوپہر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہؐ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے۔ غرض دوپہر ڈھلی، تو نعمان نے دستور کے موافق تین نعرے مارے۔ پہلے نعرہ پر فوج اپنے سامان سے درست ہوگئی۔ دوسرے پر لوگوں نے تلواریں تول لیں۔

marfat.com

تیسرے پر دفعۃً حملہ کیا اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھسل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چُور ہو گئے۔ ان کا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جونہی وہ گھوڑے سے گرے۔ نعیم بن مقرن ان کے بھائی نے عَلَم کو جھپٹ کر تھام لیا اور اُن کی کلاہ اور قبا پہن کر اُن کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اس مبارک زمانے میں مسلمانوں کو خدا نے جو ضبط و استقلال دیا تھا اُس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ نعمان جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا، دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں۔ گھوڑے سے اُتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا کہ اُن کا حکم یاد آ گیا۔ اُسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سرہانے گیا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اُس نے کہا مسلمانوں کو فتح ہوئی۔" خدا کا شکر ادا کر کے کہا کہ فوراً عمرؓ کو اطلاع دو۔

رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا۔

حذیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سرِ لشکر مقرر ہوئے نہاوند پہنچ کر مقام کیا۔ یہاں ایک مشہور آتشکدہ تھا، اس کا مؤبد حذیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھ کو امن دیا جائے تو میں ایک متاع بے بہا کا پتہ دوں۔ چنانچہ کسرے پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لا کر پیش کئے جس کو کسریٰ نے مشکل وقتوں کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ حذیفہ نے مالِ غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصّہ مع جواہرات کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو ہفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ قاصد نے مژدہ فتح سُنایا تو بے انتہا خوش

marfat.com

ہوئے لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سُنا تو بے اختیار رُو پڑے۔ اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہداء کے نام گنائے اور کہا کہ بہت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جن کو میں نہیں جانتا۔ حضرت عمر پھر روئے اور فرمایا کہ عمر نہ جانے تو نہ جانے خدا اُن کو جانتا ہے۔" جواہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ فوراً واپس لیجاؤ اور حذیفہ سے کہو کہ بیچ کر فوج کو تقسیم کر دیں۔ چنانچہ یہ جواہرات چار کروڑ درہم کو فروخت ہوئے۔

اِس لڑائی میں قریباً تیس[۳۰] ہزار عجمی لڑکر مارے گئے۔ اِس معرکہ کے بعد عجم نے پھر کبھی زور نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اِس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جس کے ہاتھ پر حضرت فاروق کی شہادت لکھی تھی اِسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی۔ سنہ ۲۱ھ ۶۴۲ء

اِس وقت تک حضرت عمر نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اَب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھیں۔ عراق البتہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصہ تھا کیونکہ اسلام سے پہلے اِس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم پر اُن چڑھ سکتے۔"

لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے پر آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے وہاں غدر کرا دیا کرتے تھے۔ نہاوند کے معرکے سے حضرت عمرؓ کو اِس پر خیال ہوا اور اکابرِ صحابہ کو بُلا کر پوچھا کہ ممالک مفتوحہ میں بار بار بغاوت کیوں ہو جاتی ہے؟" لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ

marfat.com

خیال رہے گا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہے اُس وقت تک اُن کی اُمیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں۔

اِس بنا پر حضرت عمرؓ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد عَلَم تیار کئے اور جدا جدا ممالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسروں کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا عَلَم۔ احنف بن قیس کو، ۔ سابور و اردشیر کا۔ مجاشع بن مسعود کو اصطخر کا، عثمان بن العاص الثقفی کو، فسا کا۔ ساریہ بن زنیم الکنانی کو۔ کرمان کا سہیل بن عدی کو سیستان کا۔ عاصم بن عمر کو۔ مکران کا حکم بن عمیر التغلبی کو۔ آذربیجان کا عتبہ کو عنایت کیا۔ سلہ ھ میں یہ افسر اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ہم ان کو الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اِس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے۔ سنہ ۲۱ھ میں عبداللہ بن عبداللہ نے اِس صوبہ پر چڑھائی کی۔ یہاں کے رئیس نے جس کا نام استندار تھا اصفہان کے نواحی میں بڑی جمعیت فراہم کی تھی۔ جس کے ہراول پر شہر براز جادویہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا۔ دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جادویہ نے میدان میں آکر پکارا کہ جس کو دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ عبداللہ خود مقابلے کو نکلے۔ جادویہ مارا گیا۔ اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ استندار نے معمولی شرائط پر صلح کرلی، عبداللہ نے آگے بڑھ کر جے یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاذوسفان یہاں کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانیں کیوں ضائع ہوں، ہم تم لڑکر خود فیصلہ کرلیں۔ دونوں حریف میدان میں آئے۔ فاذوسفان نے تلوار کا وار کیا۔ عبداللہ نے اس پامردی سے اُس کے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاذوسفان کے منہ سے بے اختیار آفرین نکلی، اور کہا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا اور شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے جو چاہے جزیہ دے کر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے۔ عبداللہ نے یہ شرط منظور کی، اور معاہدہ صلح لکھ دیا۔

اِسی اثنا میں خبر لگی کہ ہمدان میں غدر ہوگیا۔ حضرت عمرؓ نے نعیم بن مقرن کو اُدھر

marfat.com

روانہ کیا۔ اُنھوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچکر محاصرہ کے سامان کئے لیکن جب محاصرہ میں دیر لگی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلادیں۔ یہاں تک کہ ہمدان چھوڑ کر باقی تمام مقامات فتح ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ محصوروں نے بھی ہمت ہار دی اور صُلح کرلی۔ ہمدان فتح ہوگیا لیکن دیلم نے رَے و آذربیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرخان کا باپ زینبدی جو رَے کا رئیس تھا انبوہ کثیر لے کر آیا۔ دوسری طرف آذربیجان سے اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ وادی رود میں یہ فوجیں جمع ہوئیں۔ اور اس زور کا رن پڑا کہ لوگوں کو نہاوند کا معرکہ یاد آگیا۔ آخر دیلم نے شکست کھائی۔ عروہ جو واقعہ جسر میں حضرت عمرؓ کے پاس شکست کی خبر لے کر گئے تھے اِس فتح کا پیام لے کر گئے کہ اُس دن کی تلافی ہوجائے۔ حضرت عمرؓ دیلم کی تیاریاں سُنکر نہایت تردد میں تھے اور امداد کا سامان کر رہے تھے۔ کہ دفعۃً عروہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ کو خیال ہؤا کہ شگون اچھا نہیں۔ بے ساختہ زبان سے اِنَّا لِلّٰہ نکلا۔ عروہ نے کہا آپ گھبرائیں نہیں۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت عمرؓ نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کر کے رَے کو روانہ ہوں رَے کا حاکم اُس وقت سیاوُش تھا جو بہرام چوبیں کا پوتا تھا۔ اُس نے دنباوند۔ طبرستان۔ قومس۔ جرجان کے رئیسوں سے مدد طلب کی۔ اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں۔ لیکن زینبدی جس کو سیاوُش سے کچھ ملال تھا نعیم بن مقرن سے آملا۔ اُس کی سازش سے شہر پر حملہ ہؤا اور حملہ کے ساتھ دفعۃً شہر فتح ہوگیا۔ نعیم نے زینبدی کو رَے کی ریاست دی اور پرانے شہر کو برباد کر کے حکم دیا کہ نئے سرے سے آباد کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق نعیم نے خود رَے میں قیام کیا۔ اور اپنے بھائی سوید کو قومس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہوگیا۔ اِس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا پورا قبضہ ہوگیا۔

marfat.com

آذربیجان[۱] ۔ ۲۲ھ ۶۴۳ء

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں حضرت عمرؓ نے آذربیجان کا علم عتبہ (ابن فرقد) اور بکیر کو بھیجا تھا۔ اور ان کے بڑھنے کی سمتیں بھی متعین کردی تھیں۔ بکیر، جرمیدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہوگیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی، بہرام، عتبہ کا سدراہ ہوا۔ لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی۔ اور میں جزیہ پر تم سے صلح کرلیتا ہوں۔ چونکہ آذربیجان انہی دونوں بھائیوں کے قبضے میں تھا۔ عتبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کردیا کہ وہ آذربیجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربیجان کا علم حذیفہ بن یمان کو ملا تھا۔ وہ نہاوند سے چل کر اردبیل پہنچے جو آذربیجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے ماجروان میمند۔ سراۃ۔ سبز۔ میانج وغیرہ سے ایک انبوہ کثیر جمع کرکے مقابلہ کیا اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہوگئی۔ حذیفہ نے اس کے بعد موقان و جیلانی پر حملہ کیا اور فتح کے پھریرے اڑائے۔

اسی اثناء میں دربار خلافت سے حذیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عتبہ بن فرقد ان کی جگہ پر مقرر ہوئے۔ عتبہ کے پہنچتے پہنچتے آذربیجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی چنانچہ عتبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

۱؎ نقشہ دیکھنے سے آذربیجان کا پتہ اس طرح لگے گا کہ شہر تبریز کو اس کا صدر مقام سمجھنا چاہیے (سابق میں شہر مراغہ دار الصدر تھا) بردعہ اور اردبیل اسی صوبہ میں آباد ہیں۔ آذربیجان کی وجہ تسمیہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ موبد آذرباد نے ایک آتشکدہ بنایا تھا جس کا نام آذرآبادگان تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ لغت پہلوی میں آذر کے معنی آتش کے ہیں اور بایگان کے معنی ہیں محافظ یعنی نگاہ دارندۂ آتش چونکہ اس صوبہ میں آتشکدوں کی کثرت تھی اس وجہ سے یہی نام ہوگیا جس کو عربوں نے اپنی زبان میں آذربیجان کرلیا ۱۲۔

marfat.com

طبرستان[1] - ۲۲ھ ۶۴۳ء

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رَے فتح کرلیا تو اُن کے بھائی سوید۔ قومس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ وجدل کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔ سوید نے وہاں کے رئیس روزبان سے نامہٗ وپیام کیا۔ اُس نے جزیہ پر صُلح کرلی اور معاہدہٗ صُلح میں بتصریح لکھ دیا گیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سُن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کرلی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا۔ اور مسلمانوں کو اُن پر یا ان کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہوگا۔

آرمینیہ[2]

بکیر جو آذربیجان کی مُہم پر مامور ہوئے تھے آذربیجان فتح کرکے باب کے متصل پہنچ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک نئی فوج تیار کرکے اُن کی مدد کو بھیجی۔ باب کا رئیس جس کا نام شہر براز تھا مجوسی تھا۔ سلطنتِ ایران کا ماتحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سُن کر خود حاضر ہوا اور کہا کہ مجھ کو آرمینیہ کے کمینوں سے کچھ ہمدردی نہیں ہے۔ مَیں ایران کی نسل سے ہوں اور جب خود ایران فتح ہوچکا تو میں بھی تمہارا مطیع ہوں۔ لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے

---

[1] نقشہ میں صوبۂ طبرستان فتوحات عثمانی میں ملے گا۔ اس لیے کہ خلافتِ فاروقی میں جزیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس کی حدود اربعہ یہ ہیں۔ مشرق میں خراسان و جرجان، مغرب میں آذربیجان، شمال میں بحر جرجان اور جنوب میں بلاد جنیل۔ بسطام اور استرآباد اس کے مشہور شہر ہیں۔ [2] صوبہ آرمینیہ کو بلاد ارمن بھی کہتے ہیں جو ایشیائے کوچک کا ایک حصہ ہے

شمال میں بحراسود، جنوب میں کوہی صحرائی حصہ دور تک چلا گیا ہے مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلاد روم واقع ہیں۔ چونکہ یہ صوبہ خلافتِ عثمانی میں کامل فتح ہوا تھا اس لیے نقشہ میں فاروقی رنگ سے جدا ہے۔

marfat.com

جزیہ نہ لیا جائے بلکہ جب بضرورت پیش آئے تو فوجی امداد لی جائے۔ چونکہ جزیہ درحقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے اس لئے یہ شرط منظور کر لی گئی۔ اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ۔ بلنجر کی طرف جو مملکت خزر کا پائے تخت تھا روانہ ہوئے۔ شہر براز ساتھ تھا اس نے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ عبدالرحمٰن نے کہا لیکن میں جب تک اس کے جگر میں نہ گھس جاؤں باز نہیں آسکتا۔ چنانچہ بیضا۔ فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ ادھر بکیر نے قان کو جہان سے اران کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں ملا لیا۔ حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ نے تفلیس اور جبال اللان کا رخ کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا پھریرا اڑتا حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ ہو چکا۔ چنانچہ یہ ناتمام مہمات حضرت عثمان رض کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

فارس[1] سنہ ۲۳ھ ۶۴۴ء

فارس پر اگرچہ اوّل اوّل سنہ ۱۷ھ میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمر کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اسکو چنداں کامیابی ہوئی ہم نے اُس زمانے کے واقعات کے ساتھ اسکو لکھنا مناسب نہ سمجھا۔ عراق اور اہواز جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشیں پہاڑ حایل ہوتا تو اچھا تھا۔" لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی۔ علاءؓ بن الحضرمی۔ سنہ ۱۷ھ میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ وہ بڑی ہمت اور حوصلہ کے آدمی تھے اور چونکہ سعد وقاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی ہر میدان میں اُن سے بڑھ کر قدم مارنا چاہتے تھے سعد نے جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء

[1] حال کے جغرافیہ میں عراق کی حدود گھٹا کر فارس کی حدود بڑھا دی گئی ہیں مگر ہم نے جس وقت کا نقشہ دیا ہے اُس وقت فارس کے حدود یہ تھے۔ شمال میں اصفہان، جنوب میں بحر فارس، مشرق میں کرمان اور مغرب میں عراق عرب، اس کا سب سے بڑا اور مشہور شہر شیراز ہے۔

marfat.com

کو سخت رشک ہوا۔ یہاں تک کہ دربارِ خلافت سے اجازت تک نہ مانگی اور فوجیں تیار کر کے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سرِ لشکر تھے اور جارود بن المعلےٰ اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اصطخر پہنچکر جہاز نے لنگر کیا اور فوجیں کنارے پہ اُتریں۔ یہاں کا حاکم ایک ہیربد تھا۔ وہ ایک انبوہِ کثیر لے کر پہنچا، اور دریا اُتر کر اس پار صفیں قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضہ میں آ گئے تھے لیکن سپہ سالارِ فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا۔ بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ کو بڑھے اور فوج کو للکارا کہ مسلمانو! بیدل نہ ہونا۔ دشمن نے ہمارے جہازوں کو چھیننا چاہا ہے لیکن خدا نے چاہا تو جہاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔

خلید اور جارود بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزاروں کو تہہ تیغ کیا۔ خلید کا، رجز یہ تھا۔

یاآلِ عبد القیس للنزاع   قد حفل الامداد بالجراع

وکلھم فی سنن المصاع   بحسن ضرب القوم بالقطاع

غرض سخت معرکہ ہوا اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے۔ پیچھے ہٹنا چاہا مگر غنیم نے جہازات غرق کر دیئے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رُخ کیا۔ بدقسمتی سے اُدھر بھی راہیں بند تھیں۔ ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکے روک رکھے تھے اور جا بجا فوجیں متعین کر دی تھیں۔

حضرت عمرؓ کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے۔ علاء کو نہایت تہدید کا نامہ لکھا۔ ساتھ ہی عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لئے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے۔ چنانچہ بارہ ہزار فوج جس کے سپہ سالار ابو سبرہ تھے طیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان جہاں رُکے پڑے تھے وہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ اُدھر مجوسیوں نے ہر طرف نقیب دوڑا دیئے تھے اور ایک انبوہِ کثیر جس کا سرِ لشکر شہرک تھا اکٹھا کر لیا تھا۔

marfat.com

دونوں حریف دِل توڑ کر لڑے بالآخر ابوسبرۃ نے فتح حاصل کی۔ لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعۂ نہاوند کے بعد، جب حضرت عمرؓ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی اور جُدا جُدا فوجیں متعیّن کیں۔ پارسیوں نے توّج کو صدر مقام قرار دیکر یہاں بڑا سامان کیا تھا۔ لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات میں پھیل گئیں تو اُن کو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ اُن کی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ سابور۔ اردشیر۔ توّج۔ اصطخر سب باری باری فتح ہو گئے لیکن حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت یعنی ۲۳ھ میں جب عثمان بن ابی العاص، بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے۔ عثمان نے اپنے بھائی حَکَم کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اِس مہم پر مامور کیا۔ حَکَم جزیرۂ ابرکاواں فتح کر کے توّج پر بڑھے اور اس کو فتح کر کے وہیں چھاؤنی ڈال دی۔ مسجدیں تعمیر کیں اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کئے یہاں سے کبھی کبھی اُٹھ کر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آجاتے۔ اِس طرح اردشیر سابور۔ اصطخر۔ ارجان کے بہت سے حِصّے دبا لئے۔ شہرک یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توّج پر بڑھا۔ رامشہر پہنچا تھا کہ ادھر سے حَکَم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پاؤں ہٹائے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک جان سے مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیجدیں، اِس معرکہ سے تمام فارس میں ڈھاک پڑ گئی۔ عثمان نے جس طرف رُخ کیا مُلک کے مُلک فتح ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ گازرون نوبندجان۔ ارجان۔ شیراز۔ سابور۔ جو فارس کے صدر مقامات ہیں خود عثمان کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔ فسا۔ دارابجرد وغیرہ پر فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

marfat.com

کرمانؔ ؁۲۳ھ
۶۴۴ء

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے چنانچہ ؁۲۳ھ میں ایک فوج لے کر جس کا ہراول بشیر بن عمر العجلی کی افسری میں تھا کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے قفس وغیرہ سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدانِ جنگ میں نسیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی جیرفت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں اور بیشمار اونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ جیرفت کرمان کا تجارت گاہ اور سرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا۔

سیستانؔ ؁۲۳ھ
۶۴۴ء

یہ ملک عاصم بن عمرو کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر برائے نام لڑکر بھاگ نکلے۔ عاصم برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ زرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے محاصرہ کیا۔ محصوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اُن کی تمام اراضی حمی سمجھی جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کرلی اور اس طرح وفا کی کہ جب مزروعات کی طرف نکلتے تھے تو جلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھُو تک نہ جائے۔ اس ملک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہر بلخ تک جس قدر ممالک تھے اُن (شرائطِ معاہدہ کا لحاظ)

۱ے اس کا قدیم نام کرمانیہ ہے حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں کوہستان، جنوب میں بحرِ عمان، مشرق میں سیستان اور مغرب میں فارس ہے۔ زمانۂ سابق میں اس کا دار الصدر کواشیر (بردسیر) تھا جس کی جگہ اب جیرفت آباد ہے ۱۲

۲ے سیستان کو عرب سجستان کہتے ہیں۔ حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال میں ہرات، جنوب میں مکران، مشرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان ہے۔ مشہور شہر زرنج ہے جہاں میوہ افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ رقبہ ۲۵۰۰۰ میل مربع ہے ۱۲

marfat.com

کی فتح کی کلید ہاتھ میں آگئی۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہتے تھے۔

مکران[۱] ۲۳ھ ۶۴۴ء

مکران پر حکم بن عمرو التغلبی مامور ہوئے تھے چنانچہ ۲۳ھ میں روانہ ہوکر نہر مکران کے اس طرف فوجیں اُتاریں۔ مکران کا بادشاہ جس کا نام راسل تھا خود پار اُتر آیا اور صف آرائی کی۔ ایک بڑی جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہوگیا۔ حکمؓ نے نامہ فتح کے ساتھ چند ہاتھی بھی جو لوٹ میں آئے تھے۔ دربارِ خلافت میں بھیجے۔ صحار عبدی جو نامہ فتح لے کر گئے تھے حضرت عمر نے اُن سے مکران کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا ارض سہلها جبل دماء ها وشل وثمرها دقل وعدوها بطل وخيرها قليل وشرها طويل والكثير بها قليل حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان میں قافیہ بندی کا کیا کام ہے۔ اُنہوں نے کہا میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں۔ حضرت عمر نے لکھ بھیجا کہ فوجیں جہاں تک پہنچ چکی ہیں وہیں رُک جائیں چنانچہ فتوحاتِ فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے، لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مورّخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمر کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ ہند میں بھی آچکا تھا۔

خراسان[۲] کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت ۲۳ھ ۶۴۴ء

[۲] علامہ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراء النہر، فرغانہ، خوارزم، طخارستان اور سیستان رقبۂ خراسان میں داخل تھا۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس کے حدود ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں۔ اس کے مشہور شہر نیشاپور، مرو، ہرات، بلخ، طوس، نسا اور ابی ورد وغیرہ تھے جن میں سے پچھلے دو اب بالکل ویران ہیں ۱۲

[۱] آج کل مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے۔ اگرچہ مورّخ بلاذری فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر دیبل تک لکھتا ہے۔ مگر طبری نے مکران ہی کو آخر حد قرار دیا ہے اسلئے ہم نے بھی فتوحات فاروقی کی وہیں تک حد قرار دی ہے ۱۲

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے ان میں احنف بن قیس بھی تھے اور اُن کو خراسان کا عَلم عنایت ہوا تھا احنف نے ۲۲ھ میں خراسان کا رُخ کیا، طبسین ہو کر ہرات پہنچے اور اُس کو فتح کر کے مروشاہجہان پر بڑھے۔ یزدگرد شاہنشاہِ فارس یہیں مقیم تھا۔ ان کی آمدسُن کر وہ مرورود چلا گیا اور خاقانِ چین اور دیگر سلاطین کو استمداد کے نامے لکھے۔ احنف نے مروشاہجہان پر حارثہ بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرورود کیطرف بڑھے۔ یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور سیدھا بلخ پہنچا۔ اِس اثنا میں کوفہ سے امدادی فوجیں آگئیں جس کے میمنہ و میسرہ وغیرہ کے افسر علقمہ بن النضری ربعی بن عامر التمیمی۔ عبداللہ بن ابی عقیل الثقفی۔ ابن ام غزال الہمدانی۔ تھے۔ احنف نے تازہ دم فوج لے کر بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد نے شکست کھائی اور دریا اُتر کر خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ احنف نے میدان خالی پاکر ہر طرف فوجیں بھیجدیں اور نیشاپور سے طخارستان تک فتح کرلیا۔ مرورود کو تخت گاہ قرار دے کر مقام کیا۔ اور حضرت عمرؓ کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا۔ حضرت عمر فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حائل ہوتا تو خوب ہوتا۔ احنف کے مردانہ حوصلوں کی اگرچہ بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرقیوں کا سرتاج ہے۔ تاہم جواب میں جو نامہ لکھا اُس میں لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ اُدھر یزدگرد، خاقان کے پاس گیا تو اُس نے بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج کثیر ہمراہ لے کر یزدگرد کے ساتھ ساتھ خراسان کو روانہ ہوا۔ احنف چوبیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے خاقان کی آمدسُن کر مرورود کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مرورود پہنچا۔ یزدگرد خاقان سے الگ ہو کر مروشاہجہاں کی طرف بڑھا۔ احنف نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ نہر اُتر کر ایک میدان میں جس کی پشت پر پہاڑ تھا صف آرائی کی۔ دونوں فوجیں مدت تک آمنے سامنے صفیں جمائے پڑی

marfat.com

رہیں۔ عجمی صبح اور شام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر میدانِ جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ اِدھر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا بغیر لڑے بھڑے واپس آ جاتے تھے۔ ترکوں کا عام دستور ہے کہ پہلے تین بہادر میدانِ جنگ میں باری باری طبل و دمامہ کے ساتھ جاتے ہیں پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایک دن احنف خود میدانِ جنگ میں گئے۔ اُدھر سے معمول کے موافق ایک تُرک طبل وعَلم کے ساتھ نکلا۔ احنف نے حملہ کیا اور دیر تک ردّ و بدل رہی آخر احنف نے ایک برچھی ماری۔ ترک زمین پر گر کر مرگیا۔ احنف نے جوش میں آکر کہا:۔

ان علی کل رئیس حقاً ان یخضب الصعدۃ او یندقا

قاعدے کے موافق دو اور بہادر ترکی میدان میں آئے۔ اور احنف کے ہاتھ سے مارے گئے۔ خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں۔ چونکہ شگون بُرا تھا۔ نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بیفائدہ، پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔ چنانچہ اُسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔

یزدگرد۔ مروشاہجہاں کا محاصرہ کئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔ فتح سے نا اُمید ہو کر خزانہ اور جواہر خانہ ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے رُوکا اور جب اُس نے نہ مانا تو بر سرِ مقابلہ آکر تمام مال و اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد بے سر و سامان، خاقان کے پاس پہنچا اور حضرت عمر کی اخیر خلافت تک فرغانہ میں جو خاقان کا دارالسلطنت تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمر کو فتح کا نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمر نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے مژدہ فتح سُنایا اور ایک پُر اثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دے دیگا۔

marfat.com

مصر کی فتح ۔ ۲۰ھ ۶۴۱ء

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اس کے بانی مبانی عمرو بن العاص تھے ۔ وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر ان کی تجارت کا جولانگاہ تھا۔ اُس زمانے میں مصر کی نسبت گو اس قسم کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہو گا لیکن اُسکی زرخیزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ اُن کی نظر میں پھرتی رہتی تھی ۔ حضرت عمرؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اُس میں یہ ان سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی ۔ حضرت عمرؓ نے پہلے ۔ احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا لیکن آخر ان کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی ، اس پر بھی اُن کا دِل مطمئن نہ تھا ۔ عمرو سے کہا کہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو ۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُلٹے پھر آنا ۔ عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا ۔ اگرچہ اس میں آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا عمرو نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حدیں آ چکے[1] ۔

غرض عریش سے چل کر فرما پہنچے ۔ یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے اور گو اب ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے میں آباد تھا اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا یہاں سرکاری فوج رہتی تھی ۔ اُس نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا اور ایک مہینے تک معرکۂ کارزار گرم رہا ۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی ۔ عمرو ۔ فرما سے چل کر بلبیس ۔ اور اُم دنین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے ۔ فسطاط اُس زمانے میں کفِ دست میدان تھا اور اُس قطعۂ زمین کا نام تھا جو دریائے نیل اور جبل مقطم کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اُس وقت زراعت کے

---

[1] مقریزی وغیرہ میں لکھا ہے کہ قاصد مقام رفح میں عمرو سے ملا ۔ انہوں نے اس خیال سے کہ آگے بڑھنا سے منع کیا ہوگا قاصد سے خط نہیں لیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچ کر لے لوں گا ۔ عریش کے قریب پہنچے تو خط لیکر کھولا اور پڑھ کر کہا کہ امیرالمؤمنین نے لکھا ہے کہ مصر نہ پہنچ چکے ہو تو رک جانا ۔ لیکن ہم تو مصر کی حد میں آ چکے " لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی حیلہ بازی کے اتہام کی کیا ضرورت ہے ۔ اولاً تو بلاذری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خط ان کو عریش ہی میں ملا ۔ لیکن رفح میں ملا ہو تب بھی کچھ حرج نہیں ۔ کیونکہ رفح خود مصر میں داخل ہے ۔

marfat.com

کھیت یا چراگاہ کے تختے تھے۔ لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے اس کے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہاز اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آکر لگتی تھیں ان وجوہ سے سرکاری ضرورتوں کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمروؓ نے اول اسی کو تاکا۔ اور محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوقس جو مصر کا فرمانروا اور قیصر کا باج گزار تھا عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت دیکھ کر عمروؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا اور اعانت طلب کی۔ انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے۔ یہ افسر زبیر بن العوام، عبادہ بن الصامت، مقداد بن عمر، سلمہ بن مخلد تھے۔ زبیر کا جو رتبہ تھا اس کے لحاظ سے عمروؓ نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیدیئے۔ انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا۔ مناسب تعداد کیساتھ سوار اور پیادے متعین کئے، اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کئے۔ اس پر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ زبیر نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ نے ان کا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی۔ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے۔ بدحواس ہو کر بھاگے ادھر زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دے دی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور دیگر افسران فوج کی بڑی دھوم دھام سے دعوت کی، عمرو بن العاص نے قبول کیا اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمروؓ نے ان لوگوں نے دعوت کی۔ رومی بڑے تزک و احتشام سے آئے

اور مخملی کرسیوں پر بیٹھے۔ کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دے دیا تھا۔ سادہ عربی لباس میں تھے اور عربی انداز اور عادت کے موافق کھانے پر بیٹھے کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیاں شوربے میں ڈبو کر اس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے کہ شوربہ کی چھینٹیں اُڑ کر رومیوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں۔ کھانے کے بعد رومیوں نے کہا، وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں شریک تھے۔ یعنی وہ ایسے گنوار اور بے سلیقہ نہ تھے۔ عمرو نے کہا "وہ اہل الرائے تھے اور یہ سپاہی ہیں۔"

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کیلئے صُلح معاہدہ لکھوایا تھا لیکن ہرقل کو جب خبر ہوئی تو اُس نے نہایت ناراضی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ قبطی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ اُسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچکر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار رہو۔

اسکندریہ کی فتح سنہ ۲۱ھ
۶۴۲-۶۴۱ء

فسطاط کی فتح کے بعد عمرو نے چند روز تک یہاں قیام کیا اور یہیں سے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہو چکا ــــ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی۔ عمرو نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسلا لگا لیا تھا۔ خیمہ اُکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اس کو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا اس لئے خود شہر بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہرحال سنہ ۲۱ھ میں عمرو نے اسکندریہ کا رُخ کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں۔ انہوں نے سدِّراہ ہونا چاہا چنانچہ

marfat.com

ایک جماعت عظیم سے جس میں ہزاروں قبطی بھی شامل تھے فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہیں روک لیں۔ مقام کربون میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت طیش میں آکر جنگ کی اور بیشمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرأت نہ کی۔ اور عمرو نے اسکندریہ پہنچکر دم لیا۔ مقوقس جزیہ دیکر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کرسکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدتِ معین کے لئے صُلح ہوجائے۔ عمرو نے انکار کیا۔ مقوقس نے مسلمانوں کے مرعوب کرنے کے لئے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگاکر شہر پناہ کی فصیل پر مسلمانوں کے آمنے سامنے صف جماکر کھڑے ہوں۔ عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جاسکیں انہوں نے شہر کی طرف منہ کرلیا تھا۔ عمرو نے کہلا بھیجا کہ ہم تمہارا مطلب سمجھے لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے اب تک جو مُلک فتح کئے کثرتِ فوج کے بل پر نہیں کئے۔ تمہارا بادشاہ ہرقل جس سرو سامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں"۔ مقوقس نے کہا "سچ ہے یہی عرب ہیں جنہوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطنیہ پہنچا کر چھوڑا"۔ اس پر رومی سردار نہایت غضبناک ہوئے۔ مقوقس کو بہت بُرا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی۔ اُس نے عمرو سے اقرار لے لیا تھا کہ چونکہ میں رومیوں سے الگ ہوں۔ اس وجہ سے میری قوم (یعنی قبطی) کو تمہارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے"۔ قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکہ میں دونوں سے الگ رہے۔ بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی۔ فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پُلوں کی مرمت کرتے اور سڑکیں بناتے گئے۔ خُود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہوسکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے۔ ایک

فتوح البلدان صہ ۲۲۰۔

marfat.com

وہاں نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گزر کر تلوار کی نوبت آئی۔ ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جس کو دعوے ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ مسلمہ بن خالد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے ان کو زمین پر دے ٹپکا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے آکر جان بچائی۔ عمرو کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ متانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ کر کے کہا کہ "زنخوں کو میدانِ جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے" مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

لڑائی کا زور اُسی طرح قائم تھا۔ آخر مسلمانوں نے اس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا۔ آخر میں رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیئے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن العاص اور مسلمہ اور دو شخص اور اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ وار جان دینی چاہی تو انہوں نے کہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے۔ اگر ہمارا آدمی مارا گیا۔ تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ۔ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو۔ عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلے کے لئے نکلنا چاہا۔ مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو۔ تم پر آنچ آئی تو انتظام میں خلل ہوگا۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتھیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے۔ بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ رومیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار ہے۔ انہوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور انہوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔[1]

محاصرہ جس قدر طول کھینچتا جاتا تھا حضرت عمرؓ کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمرو

---

[1] مقریزی صہ ۱۶۴، ۱۶۵ جلد اول

marfat.com

کو خط لکھا کہ "شاید تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے ورنہ فتح میں اس قدر دیر نہ ہوتی جس دن میرا خط پہنچے تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دو، اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جن کو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے عمرو نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پُراثر تقریر کی کہ بجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامت کو جو رسول اللہ کی صحبت میں رہے تھے بُلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھ کو دیجئے خود سے عمامہ اُتارا اور نیزہ پر لگا کر اُن کو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا عَلَم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں"۔ زبیر بن العوام اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہراول کیا غرض اس سروسامان سے قلعہ پر دھاوا ہوا اور پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔ عمرو نے اُسی وقت معاویہ بن خدیج کو بُلا کر کہا کہ جس قدر تیز جا سکو جاؤ اور امیر المومنین کو مژدہ فتح سناؤ۔ معاویہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور دو دو منزلہ سہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اِس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہِ خلافت میں سیدھے مسجدِ نبوی کا رُخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ کی لونڈی اُدھر آ نکلی اور اُن کو مسافر کی ہیئت میں دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا۔ اسکندریہ سے۔ اُس نے اُسی وقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیر المومنین بُلاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کے لئے تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سُن کر زمین پر گرے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ اُٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرا دی کہ الصلوٰۃ جامعۃ سنتے ہی تمام مدینہ اُمڈ آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کئے۔ وہاں سے اُٹھ کر حضرت عمرؓ کے ساتھ اُن کے گھر پر گئے۔ حضرت عمرؓ نے لونڈی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے۔ وہ روٹی اور روغنِ زیتون لائی۔ مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ انہوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے۔ شاید آپ سوتے ہوں! فرمایا کہ افسوس! تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے۔ میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔[۱]

عمرو اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس آگئے۔ اور وہاں شہر بسانا چاہا۔ الگ الگ

[۱] یہ تمام تفصیل مقریزی سے لی گئی ہے ۱۲

marfat.com

قطعے متعین کئے اور داغ بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں تفصیل اس کی دوسرے حصے میں آئے گی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہیں رہا تھا تاہم چونکہ مصر کے تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال نہ رہ جائے۔ چنانچہ خارجہ بن خذافۃ العدوی۔ فیوم۔ اشمونین۔ اخمیم۔ بشرودات معید اور اُس کے تمام مضافات میں چکر لگا آئے اور ہر جگہ کے لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی طرح عمیر بن وہب الجمحی نے تینس۔ دمیاط۔ تونہ۔ دمیرہ۔ شطا۔ دقھلہ بنا۔ بوہیر۔ کو مسخر کیا۔ عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کئے[1]

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قبطی اور رومی گرفتار ہوئے تھے۔ عمرو نے دربارِ خلافت کو لکھا کہ ان کی نسبت کیا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ سب کو بلا کر کہہ دو کہ اُن کو اختیار ہے مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اسلام قبول کریں گے تو اُن کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔ عمرو نے تمام قیدی جو تعداد میں ہزاروں سے زیادہ تھے۔ ایک جا جمع کئے عیسائی سرداروں کو بھی طلب کیا اور مسلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آمنے سامنے بیٹھے بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمانِ خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں رہ کر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے۔ اسلام قبول کیا۔ اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تمام مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے تھے اور خوشی سے نیچے جاتے تھے۔ اور جب کوئی شخص عیسائیت کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا۔ اور مسلمان اِس قدر غمزدہ ہوتے تھے کہ بہتوں کے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے حصۂ رسدی کے موافق کامیاب آئے[2]

[1] فتوح البلدان صہ ۲۱۷ [2] طبری صفحہ ۲۵۸۲، ۲۵۸۳

حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ ۶۴۴ء

(کل مدت خلافت ۱۰ برس ۶ مہینہ چار دن)

مدینہ منورہ میں فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابولولو تھی۔ اُس نے ایک دن حضرت عمر سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ ابن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے تعداد پوچھی۔ اُس نے کہا روزانہ دو درہم (قریباً سات آنے) حضرت عمر نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے، بولا کہ "نجاری۔ نقاشی۔ آہنگری" فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔" فیروز دل میں سخت ناراض ہوکر چلا آیا۔

دوسرے دن حضرت عمر صبح کی نماز کے لئے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا حضرت عمر کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔ جب صفیں سیدھی ہوچکتی تھیں، تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہوچکیں۔ تو حضرت عمر امامت کے لئے بڑھے اور جونہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دفعتہ گھات میں سے نکل کر چھ وار کئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمٰن بن عوف نے اِس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمر سامنے بسمل پڑے تھے۔ فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اُس نے خودکشی کرلی۔

حضرت عمرؓ کو لوگ اُٹھا کر گھر لائے۔ سب سے پہلے اُنھوں نے پوچھا کہ "میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے کہا۔ فیروز۔ فرمایا کہ "الحمدللہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعوٰے رکھتا تھا"۔ لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چنداں کاری نہیں ہے۔ غالباً شفا ہو جائے چنانچہ ایک طبیب بُلایا گیا اُس نے نبیذ اور دُودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل

marfat.com

آئیں۔ اُس وقت لوگوں کو یقین ہوگیا کہ وہ اِس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے اُن سے کہا کہ "اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیے۔"

حضرت عمرؓ نے عبداللہ اپنے فرزند کو بُلا کر کہا کہ "عائشہؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمر آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسولؐ اللہ کے پہلو میں دفن کیا جائے"۔ عبداللہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے۔ وُہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمر کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ "اِس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن آج میں عمر کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی"۔ عبداللہ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمر کو خبر کی۔ بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ اُنہوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے"۔ فرمایا کہ "یہی سب سے بڑی آرزو تھی"۔

اُس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا، تمام صحابہ بار بار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیے۔ حضرت عمر نے خلافت کے معاملے پر مدّتوں غور کیا تھا اور اکثر اِس کو سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے اُن کو اِس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں پیچاں ہیں۔

مدّت کے غور و فکر پر بھی اُن کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی۔ بارہا اُن کے منہ سے بیساختہ آہ نکل گئی کہ "افسوس اِس بارِ گراں کا کوئی اُٹھانے والا نظر نہیں آتا"۔ تمام صحابہ میں اُس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علیؓ۔ عثمانؓ۔ زبیرؓ۔ طلحہؓ۔ سعد وقاصؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ لیکن حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے[1] اور اِس کا انہوں

---

[1] حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خردہ گیریاں کیں، گو ہم نے اُن کو ادب سے نہیں لکھا لیکن اُن میں جائے کلام نہیں۔ البتہ حضرت علی کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ "ان کے مزاج میں ظرافت ہے"، یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا ایک لطیف المزاج بزرگ

marfat.com

نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کر دیا تھا، چنانچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریمارک بتفصیل مذکور ہیں،
مذکورۂ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے اُن کی

ہو سکتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ در پیچ تھے کہ قریش کسی طرح اُن کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامۂ طبری نے اِس معاملے کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں. ہم اُن کو اِس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا، مکالمہ عبداللہ ابن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر: کیوں عبداللہ ابن عباس، علی ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟

عبداللہ ابن عباس: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر: تمہارے باپ رسولؐ اللہ کے چچا اور تم رسولؐ اللہ کے چچیرے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوئی؟

عبداللہ ابن عباس: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر: لیکن میں جانتا ہوں، تمہاری قوم، تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ ابن عباس: کیوں؟

حضرت عمر: وہ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔ شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں، ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔

دوسرا مکالمہ اِس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گذریں اور کچھ نئی ہیں۔ اور وہ یہ ہے

حضرت عمر: کیوں عبداللہ ابن عباس! تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سنا کرتا تھا لیکن میں نے اِس خیال سے اُسکی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔"

عبداللہ ابن عباس: وہ کیا باتیں ہیں؟

marfat.com

نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے[1]۔

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ "ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔"

حضرت عمر کو قوم اور ملک کی بہبودی کا جو خیال تھا اُس کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک اُن کی قوت اور حواس نے یاری دی اِسی دُھن میں مصروف رہے۔ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو اُس کو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ مہاجرین[1]۔ انصار[2]۔ اعراب[3]۔ وہ[4] اہل عرب جو اور اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل[5] ذمہ (یعنی عیسائی۔ یہودی۔ پارسی جو اسلام کی رعایا تھے)، پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے "میں خلیفۂ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہلِ ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے۔ اُن کے دشمنوں سے لڑا جائے اور اُن کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔"

حضرت عمر: میں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ ابن عباس: ظلماً کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں۔ لیکن حسداً۔ تو اس کا تعجب کیا ہے ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں۔ پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمر: افسوس۔ خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ ابن عباس۔ ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمر: اِس تذکرہ کو جانے دو۔

عبداللہ ابن عباس۔ بہت مناسب۔ (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۷۶۸ تا ۲۷۷۱)

اِن مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے۔ تم اِس بات کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمر کے مبارک عہد میں لوگ کس دلیری اور بیباکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اور یہ زیادہ تر اِسی وجہ سے تھا کہ حضرت عمر خود آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے۔ [1] طبری صفحہ ۲۷۷۷

marfat.com

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ "مجھ پر کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم، فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندانِ عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے۔ لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا" یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان)[1] لیکن عمر بن شبّہ نے کتاب المدینہ میں بسندِ صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمر کے غلام تھے کہتے تھے کہ عُمر پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا؟ حالانکہ اُن کے ایک وارث نے اپنے حصۂ وراثت کو ایک لاکھ پر بیچا تھا۔[1]"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر پر چھیاسی ہزار کا قرض ضرور تھا لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ اُن کا مسکونہ مکان بیچ ڈالا گیا جس کو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمۃ کے بیچ میں واقع تھا اور اس مناسبت سے کہ اس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ میں یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے۔[2]

حضرت عمر نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرّم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے نمازِ جنازہ صہیب نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمٰن۔ حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ طلحہ۔ سعد وقاص۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے قبر میں اُتارا۔ اور وہ آفتابِ عالمتاب خاک میں چھُپ گیا۔

---

[1] دیکھو فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۵۳ [2] دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹ و ۱۲۹۔

marfat.com

حصّہ دوم

فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ

پہلے حصّے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آتے ہو۔ اُس سے تمہارے دِل پر اُس عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزم، و استقلال، کا قوی اثر پیدا ہوا ہو گا لیکن اسلاف کی داستان سُننے میں تم نے اس کی پروا نہ کی ہو گی کہ واقعات کو فلسفۂ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

لیکن ایک نکتہ سنج مورّخ کے دِل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہوں گے کہ چند صحرا نشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر اُلٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا اِن واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی؟ جو کچھ ہوا اُسمیں فرمانروائے خلافت کا کتنا حِصّہ تھا؟ ہم اِس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں لیکن نہایت اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اُس کے حدود اربعہ کیا تھے؟

فتوحات فاروقی کی وسعت

حضرت عمر کے مقبوضہ ممالک کا کُل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مُربّع یعنی مکّہ معظّمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶۔ مشرق کی جانب ۱۰۸۷۔ جنوب کی جانب ۸۳ ہ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدّہ تک حدِّ حکومت تھی اِس لئے وہ قابلِ ذکر نہیں۔

اس میں شام۔ مصر۔ عراق۔ جزیرہ۔ خوزستان۔ عراق عجم۔ آرمینیہ۔ آذربائیجان۔ فارس۔ کرمان۔ خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصّہ آجاتا ہے شامل تھا۔ ایشیائے کوچک پر جس کو اہل عرب روم کہتے ہیں۔ ۲۰ھ میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمر کی فتوحات ہیں اور اِس کی تمام مدّت۔ دسؔ برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

marfat.com

فتح کے اسباب یورپین مورخوں کی رائے کے موافق

پہلے سوال کا جواب یورپین مورخوں نے یہ دیا ہے کہ اُس وقت فارس و روم دونوں سلطنتیں اوجِ اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے عہد نظام سلطنت بالکل درہم برہم ہو گیا تھا کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار کے عمائد و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں اور ان ہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں ادّل بدل ہوتا رہتا تھا چنانچہ تین ہی چار برس کے عرصے میں عنانِ حکومت چھ سات فرماں رواؤں کے ہاتھ میں آئی اور نکل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نوشیرواں سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا جو الحاد و زندقہ کی طرف مائل تھا۔ نوشیرواں نے گو تلوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت و پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب اور عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں نسطورین فرقہ جس کو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی۔ وہ بھی اسلام کے سایہ میں آکر مخالفوں کے ظلم و ستم سے بچ گیا اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقہ کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہاتھ آگئی۔

روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات ان دنوں زوروں پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اس کی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوئی جاتی تھی۔

یورپین مورخوں کی رائے کی غلطی

یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہیں لیکن جس قدر واقعیت ہے اُس سے زیادہ طرزِ استدلال کی ملمع سازی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے۔ بے شبہ اس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پُرزور قومی سلطنت کا مقابلہ نہ کر سکتیں۔ نہ یہ کہ عرب جیسی بے سروسامان

marfat.com

قوم سے ٹکرا کر پُرزے پُرزے ہو جاتیں ۔ روم و فارس گو کسی حالت میں تھے تاہم فنونِ جنگ میں ماہر تھے ۔ یونان میں خاص قواعدِ حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جواب تک موجود ہیں رومیوں میں ایک مدت تک ان کا عملی رواج رہا ۔ اس کے ساتھ رسد کی فراوانی سر و سامان کی بہتات ، آلاتِ جنگ کے متنوع ، فوجوں کی کثرت ، میں کمی نہیں آئی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر چڑھ کر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں ، اپنے قلعوں میں ، اپنے مورچوں میں رہ کر ملک کی حفاظت کرنی تھی ۔ مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے خسرو پرویز کے عہد میں جو ایران کی شوکت و شان کا عین شباب تھا ۔ قیصرِ روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا ۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا ۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو عموماً مسلّم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال حاصل تھا خسرو پرویز کی وفات سے ۔ اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے اتنے تھوڑے سے عرصے میں ایسی قوی اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی ! البتہ تخت نشینوں کی اَدَل بدل سے نظام میں فرق آگیا تھا ۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء ۔ یعنی خزانہ ، فوج ۔ اور محاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی ۔ اس لئے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور درباریوں نے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے سے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے ۔ مزدکیہ فرقہ گو ایران میں موجود تھا لیکن ہم کو تمام تاریخ میں اُن سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا ۔ اسی طرح فرقہ نسطورین کی کوئی اعانت ہم کو معلوم نہیں ۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ میں خود یورپین مورخوں نے کہیں نہیں بتایا ۔

اب عرب کی حالت دیکھو ! تمام فوجیں جو مصر و ایران و روم کی جنگ میں مصروف تھیں ان کی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی ۔ فنونِ جنگ سے واقفیت کا یہ حال

marfat.com

کہ یرموک پہلا معرکہ ہے جس میں عرب نے تعبیہ کے طرز پر صف آرائی کی۔ خود۔ زرہ۔ چلتہ۔ جوشن۔ بکتر۔ چار آئینہ۔ آہنی دستانے۔ جہلم۔ موزے۔ جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوسِ جنگ تھا۔ اس میں سے عربوں کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کی تھی۔ آلاتِ جنگ میں سے گرز و کمند سے عرب بالکل آشنا نہ تھے۔ تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادسیہ کے معرکہ میں ایرانیوں نے جب پہلی پہل اُن کو دیکھا تو سمجھا کہ تکلے ہیں۔

فتوحات کے اصلی اسباب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اُس وقت بانی اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت،۔ بلند حوصلگی، دلیری، پیدا ہوگئی تھی اور جس کو حضرت عمر نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا روم و فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانہ میں بھی اُس کی ٹکر نہیں اُٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اس کے ساتھ اور بھی چیزیں مل گئی تھیں جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔

اس میں سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راستبازی اور دیانت داری تھی۔ جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راستبازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلافِ مذہب کے ان کی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکے میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ خدا تم کو پھر اس مُلک میں لائے "اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ ہمارے جیتے جی قیصر اب یہاں نہیں آسکتا۔

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جابرانہ تھی اس لئے رومیوں نے مسلمانوں کا جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا ان کے ساتھ نہ تھی۔

ابن قتیبہ نے اخبار الطوال میں لکھا ہے کہ یہ چیزیں ہر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھیں ۱۲

marfat.com

مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑ دیا تو آگے مطلع صاف تھا یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی۔ البتہ ایران کی حالت اِس سے مختلف تھی، وہاں سلطنت کے نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے، وہ سلطنت کے لئے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کی حفاظت کے لئے لڑتے تھے، یہی وجہ تھی کہ پایۂ تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں۔ لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہوتی جاتی تھی اور اِس لئے فتح کے بعد بقائے حکومت میں اُن سے بہت مدد ملتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اوّل اوّل حملہ شام و عراق پر ہوا اِن دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں دمشق کا حاکم غسّانی خاندان تھا جو برائے نام قیصر کا محکوم تھا۔ عراق میں لخمی خاندان والے دراصل مُلک کے مالک تھے گو کسرٰی کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے۔ اِن عربوں نے اگرچہ اِس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اوّل اوّل مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے۔ شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

سکندر وغیرہ کی فتوحات کا موازنہ

سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے۔ بے شبہ اِن دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کیوں کر؟ قہر، ظلم، اور قتلِ عام کی بدولت۔ چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اُس نے شام کی طرف شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر لڑے تھے اِس لئے

لے آگے چل کر ایک موقع پر ہم نے ان کے نام بھی تفصیل سے لکھے ہیں ۱۲

marfat.com

قتلِ عام کا حکم دیا اور ایک ہزار۔ شہریوں کے سر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے۔ اس کے ساتھ ۳۰ ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے اُن میں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح فارس میں جب اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کرا دیا اس طرح کی اور بھی بے رحمیاں اُس کے کارناموں میں مذکور ہیں۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم وستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے، یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کو بقا نہیں چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیرپا نہ ہوئیں لیکن فوری فتوحات کے لئے اس قسم کی سفاکیاں کارگر ثابت ہوئی ہیں، ان کی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اس لئے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز۔ بخت نصر۔ تیمور۔ نادر۔ جتنے بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمر کی فتوحات میں کبھی سرِ مو قانون انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ آدمیوں کا قتل عام ایک طرف۔ درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دشمن سے کبھی کسی موقع پر بدعہدی یا فریب دہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدی احکام جاتے تھے کہ فان قاتلوا کم فلا تغدروا و لا تمثلوا و لا تقتلوا ولیدا[1]۔ یعنی دشمن تم سے لڑائی کریں تو ان سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک کان نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے اُن سے دوبارہ اقرار لے کر، درگزر کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جب عربسوس والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے تو صرف

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۰

marfat.com

اِس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلاوطن کر دیا لیکن اِس کے ساتھ اُن کی کل جائیداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی۔ خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جُرم میں نکالا تو اُن کی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دے دیا اور اضلاع کے حکّام کو احکام بھیج دیئے کہ جدھر سے اُن لوگوں کا گزر ہو اُن کو ہر طرح کی اعانت دی جائے اور جب یہ کسی شہر میں قیام اختیار کریں تو ایک سال تک اُن سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح گزرے ہیں، ان کو یہ دکھانا چاہیئے کہ اِس احتیاط، اِس قید، اِس پابندی، اِس درگذر، کے ساتھ دُنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بھر زمین بھی فتح کی ہے۔

اِس کے علاوہ سکندر اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خُود سپہ سالار بن کر فوج کو لڑاتے تھے۔ اِس کی وجہ سے علاوہ اس کے کہ فوج کو ایک ماہر سپہ سالار ہاتھ آتا تھا فوج کے دِل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ تمام مدّت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے، فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں البتہ ان کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رہتی تھی۔

ایک اور صریحی فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات، گزرنے والے بادل کی طرح تھیں کہ ایک دفعہ زور سے آیا اور نکل گیا۔ اِن لوگوں نے جو ممالک فتح کئے وہاں کوئی نظم حکومت نہیں قائم کیا، بر خلاف اِس کے فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اُس وقت فتح ہوئے۔ تیرہ سو برس گزرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے میں ہیں۔ اور خود حضرت عمرؓ کے عہد میں ہر قسم کے مُلکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص

اخیر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفۂ وقت کی چنداں تخصیص نہ تھی۔ اس وقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل

marfat.com

تھی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے۔ لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہ برقی قوت ہیں لیکن یہ قوت اُسیوقت کام دے سکتی ہے جب کام لینے والا بھی اُسی زور و قوت کا ہو، قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں۔ واقعات خود اس کا فیصلہ کرسکتے ہیں، فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمرؓ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص اُن کی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمر نے فوج کی ترتیب، فوجیں مشقیں، بارکوں کی تعمیر، گھوڑوں کی پرداخت، قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کی تعین، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے اُمور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کئے اور اُن کو کس عجیب و غریب زور و قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کرلو گے کہ حضرت عمر کے بغیر یہ کُل مطلق کام نہیں دے سکتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمرؓ نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا فوج جب مدینے سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیا تھا اور اس کے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے فوج قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگوا بھیجا اور اس کے لحاظ سے فوج کی ترتیب اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں بھیجیں۔ جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور ہوئے تھے۔ ان کے خاص حکم کے موافق مامور ہوئے تھے۔

تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار، دُور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اُس کے اشاروں پر ہوتا ہے۔

marfat.com

ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ خطرناک دو موقعے تھے۔ ایک نہاوند کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبجات میں ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک میں آگ لگا دی تھی اور لاکھوں فوج مہیا کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔

دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والوں کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی کی تھی۔ ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمر کی حسن تدبیر تھی جس نے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا اور دوسری طرف ایک کوہ گراں کے پرخچے اڑا دیئے۔ چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔

ان تمام واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعوے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم کے برابر فاتح کشورستان نہیں گزرا۔

نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکر کے عہد میں پڑی لیکن نظام حکومت کا دور حضرت عمر کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر کی دو سالہ خلافت میں اگرچہ بڑے بڑے مہمات کا فیصلہ ہوا یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہو گیا اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں، تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لئے کافی ہو سکتا تھا، حضرت عمر نے ایک طرف تو فتوحات کو یہ وسعت دی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں، دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آ چکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہیئے کہ

marfat.com

اُس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی؟ یا جمہوری؟ اگرچہ اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا اس کے لحاظ سے حضرت عمرؓ کی خلافت پر، جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایسے موقع پر صرف اس بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے، یعنی سلطنت کا میلان، ذاتی اختیارات پر تھا یا عام رائے پر۔

جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریقِ حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے، یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہو گا اُسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہو گا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسندِ نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا رکن کا صرف ایک ممبر رہ جائے۔ برخلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دار و مدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اِس بنا پر، شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) بجائے اِس کے کہ مُلک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں، صرف چند ارکانِ سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے،

(۲) چونکہ بجز چند عہدہ داروں کے اور لوگوں کو مُلکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اِس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے،

(۳) مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جن لوگوں کو اُن حقوق سے غرض ہے اُن کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے اُن کو غیروں کے حقوق سے اِس قدر ہمدردی نہیں ہو سکتی جتنی خود اربابِ حقوق کو ہو سکتی ہے۔

marfat.com

چونکہ بجز چند ارکانِ سلطنت کے کوئی شخص مُلکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اِس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کاموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔

یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں اور کبھی اُس سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اِس کے جمہوری سلطنت میں اس کے برعکس نتائج ہوں گے۔ اِس بناء پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری و شخصی کی بحث ہو اُس کی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اِس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں موجود تھیں۔ لخمی، حمیری، غسّانی۔ لیکن یہ سب شخصی تھیں، قبائل کے سردار البتہ جمہوری اُصول پر انتخاب کئے جاتے تھے لیکن اُن کو کسی قسم کی مُلکی حکومت حاصل نہ تھی، بلکہ ان کی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر کی خلافت نے بھی اِس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا کیونکہ گو۔ اُن کا انتخاب کثرت رائے پر ہوا تھا لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ فلا یغترنّ امرءٌ ان یقول انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ وتمت الا وانھا قد کانت کذلک لکن اللہ وقی شرھا[1]

حضرت عمر کے گرد و پیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں تو سرے سے کبھی یہ مذاق ہی پیدا نہیں ہوا۔ رومؔ البتہ کسی زمانے میں اِس شرف سے ممتاز تھا۔ لیکن حضرت عمر کے زمانے سے بہت پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی اور حضرت عمر کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ خود مختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمر نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے

---

[1] دیکھو صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ پارہ دوم صفحہ ۱۰۰۹

اقتضاء سے اُس کے تمام اُصول و فروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی رُوح ہیں سب وجود میں آگئیں۔ اِن میں سب کے اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام میں اُس وقت دو[2] گروہ تھے جو کُل قوم کے پیشوا تھے اور جن کو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کرلیا تھا یعنی مہاجرین و انصار۔ مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس و خزرج چنانچہ اِن دونوں خاندانوں کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضرور تھا، مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اِسقدر معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اِس میں شامل[1] تھے۔ مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ "الصلوٰۃ جامعۃ" یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہوجائیں۔ جب لوگ جمع ہوجاتے تھے تو حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں جاکر دو[2] رکعت نماز پڑھتے تھے، نماز کے بعد ممبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا تھا[2]۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)

مجلس شوریٰ کے ارکان اور اُسکے انعقاد کا طریقہ

معمولی اور روزمرہ کے کاروبار میں اِس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات، فوج کی جاگیر میں دیدیئے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں تمام قدمائے مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے

مجلس شوریٰ کے جلسے

---

[1] کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد۔ جلد ۳ صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ حیدرآباد۔ [2] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۷۴

marfat.com

سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جن میں سے ۵ شخص قبیلہ اوس اور ۵ قبیلہ خزرج کے تھے شریک ہوئے۔ کئی دن تک اس مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی سے لوگوں نے تقریریں کیں۔ اس موقع پر حضرت عمر نے جو تقریر کی اُس کے جستہ جستہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفۂ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔ انی لم ازعجکم الا لان تشرکوا فی امانتی فیما حملتُ من امورکم فانی واحد کاحدکم ۔ ولست ارید ان تتبعوا هذا الذی هوای۔

۲۱ ھ میں جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سروسامان سے تیاری کی لوگوں کے نزدیک خود خلیفۂ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان، طلحہ بن عبداللہ، زبیر بن العوام، عبدالرحمٰن بن عوف، وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریریں کیں اور کہا کہ آپکا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علی کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی۔ غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمر موقع جنگ پر نہ جائیں، اسیطرح فوج کی تنخواہ۔ دفتر کی ترتیب۔ عُمّال کا تقرر، غیر قوموں کو تجارت کی آزادی اور اُن پر محصول کی تشخیص اس قسم کے بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت تاریخوں میں بتصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے۔ ان امور کے پیش ہونے کے وقت ارکانِ مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت، استحسان و تبرّع کے طور پر نہ تھی بلکہ حضرت عمر نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں اُنکے خاص الفاظ یہ ہیں۔ لا خلافة الا عن

---

۱ یہ تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صہ ۱۴، ۱۵ میں ہے ۱۲

مشورۃ۔[1]

ایک اور مجلس مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے۔ صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربارِ خلافت میں پہونچتی تھیں حضرت عمر ان کو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اُس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اوّل اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مورخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے۔

كان للمهاجرين مجلس في المسجد فكان عمر يجلس معهم فيه ويحدثهم عما ينتهي اليه من امر الآفاق فقال يوماً ما ادري كيف اصنع بالمجوس۔

عام رعایا کی مداخلت مجلسِ شوریٰ کے ارکان کے علاوہ، عام رعایا کو انتظامی اُمور میں مداخلت حاصل تھی، صوبجات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آتا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ اور شام میں جب عمّالِ خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمر نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقد بصرہ سے حجاج بن علاط شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمر نے انہیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں۔

[1] کنز العمال بحوالہ مصنف ابن ابی شیبۃ۔ جلد ۳۔ ص ۱۳۹۔

marfat.com

كتب عمر بن الخطاب الى اهل الكوفة يبعثون اليه رجلا من اخيرهم و اصلحهم و الى اهل البصرة كذلك والى اهل الشام كذلك قال فبعث اليه اهل الكوفة عثمان بن فرقد و بعث اليه اهل الشام معن بن يزيد و بعث اليه اهل البصرة الحجاج بن علاط كلهم سلميون قال فاستعمل كل واحد منهم على خراج ارضه[1]۔

سعد بن ابی وقاص بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی پائے تخت کے فاتح تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن جب لوگوں نے انکی شکایت کی تو معزول کر دیا۔

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں جن کو وفد کہتے تھے اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربارِ خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور دادرسی چاہی جائے۔ حضرت عمرؓ نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا یہاں تک کہ خاص اس کے لئے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ فرمانوں میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمالانِ سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اس کا اعلان کیا، چنانچہ اس کی پوری تفصیل عمالوں کے بیان میں آئے گی۔

خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا

حکومت جمہوری کا اصل زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں، عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو، ملک کی آمدنی میں سے

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۴

ضروریاتِ زندگی سے زیادہ نہ لے سکے، عام معاشرت میں اُس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جاتے، اُسکے اختیارات محدود ہوں، ہر شخص کو اُس پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو، یہ تمام امور حضرت عمرؓ کی خلافت میں اِس درجے تک پہنچے تھے کہ اُس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمرؓ کے طریقِ عمل کی بدولت ہوا تھا۔ اُنھوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے اُن کی کیا حیثیت ہے۔ اور ان کے کیا اختیارات ہیں؟ ایک موقع پر انھوں نے اِس کے متعلق جو تقریر کی تھی اُس کے بعض بعض فقرے اِس موقع پر لکھنے کے قابل ہیں۔

انّما انا و مالکم کولی الیتیم ان استغنیت استعففت و ان افتقرت اکلت بالمعروف لکم علیّ ایہا الناس خصال تاخذونی بہا۔ لکم علیّ ان لا اجتبی شیئًا من خراجکم و لا مما افاء اللہ علیکم الا من وجھہ ولکم علیّ اذا وقع فی یدی ان لا یخرج منی الا فی حقہ ولکم علیّ ان ازید فی اعطیاتکم و اسد ثغورکم۔ ولکم علیّ ان لا القیکم فی المہالک[1]	مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے، جتنا یتیم کے مربّی کو یتیم کے مال میں۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا۔ اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لئے لونگا صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیئے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مالِ غنیمت بیجا طور سے جمع نہ کیا جائے ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بیجا طور سے خرچ نہ ہونے پائے۔ ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں۔ ایک یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ اتق اللہ یا عمر یعنی "اے عمر خدا سے ڈر"، حاضرین میں سے ایک شخص نے اُس کو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔

---

[1] دیکھو کتاب الخراج صہ ۶۷

حضرت عمر نے فرمایا "نہیں کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں۔ اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم"[1]۔ ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے۔ اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاذ بن جبل نے رومیوں کی سفارت میں حضرت عمر کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومتِ جمہوری کی اصلی تصویر ہے۔ اور حکومتِ جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کئے جا سکتی۔

نوعیتِ حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمر کے نظامِ حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدّم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف صیغے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی تمدّن کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس طرح تمدّن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتوں کے لیے کافی ہوتا ہے، پھر جس قدر تمدّن بڑھتا جاتا ہے کھانے سونے ملاقات کرنے، لکھنے، پڑھنے، اور دیگر ضروریات کے لئے جُدا جُدا کمرے بنتے جاتے ہیں۔ یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے، ابتدائے تمدّن میں انتظام کے تمام صیغے ملے جلے رہتے ہیں، جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے، مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے، جرائم کی تعزیر میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے، جس قدر تمدّن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو ۱۰۰ برس ہوتے لیکن جوڈیشل اور ایگزیکٹیو۔ اختیارات اب تک ملے جلے ہیں، یعنی کلکٹرِ ضلع مالگزاری بھی وصول کرتا ہے۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۷۔

marfat.com

اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے۔ اور غیر آئینی اضلاع میں تو بہت زیادہ خلط مبحث ہے۔ حضرت عمر کے عجیب و غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اس کے کہ اس وقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا اور سلسلۂ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے، تاہم انہوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کر کے جداگانہ محکمے قائم کئے۔ چنانچہ اُن تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

مُلک کی تقسیم

صوبجات اور اضلاع

عہدہ دارانِ ملکی

نظامِ حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہیں، مُلک کا مختلف حصّوں میں تقسیم ہونا ہے جن کو صوبہ، ضلع، اور پرگنہ، سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلام میں حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جس نے اِس کی ابتدا کی اور اُس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور تناسب سے اس کے حدود قائم کئے۔ تمام مورّخین نے اِس کی تصریح کی ہے کہ اُنہوں نے ممالک مقبوضہ کو ۸ صوبوں پر تقسیم کیا مکہ۔ مدینہ۔ شام۔ جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ مصر۔ فلسطین۔ مورّخ یعقوبی نے ۸ کے بجائے ۷ صوبے لکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ "یہ انتظام حضرت عمر نے سنہ ۲۰ھ میں کیا تھا"، مورّخین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک اجمال ہے جس کی تفصیل بتا دینی ضرور ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی اُس کے لحاظ سے صرف یہ ۸ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس۔ خوزستان۔ کرمان۔ وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے اُن کی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلعے تھے اکثر جگہ حضرت عمر نے اُسی طرح رہنے دیئے، اس لئے مورّخین

marfat.com

نے ان کا نام نہیں لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمر نے قائم کئے اُن کا ذکر ضرور تھا اور وہ یہی آٹھ تھے۔ لیکن یہ امر بھی بلحاظ اغلب صحیح ہے ورنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے پچھلی تقسیم مُلکی میں بھی تصرفات کئے تھے۔ فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور اس میں ۱۰ اضلاع شامل تھے۔ ۱۵ھ میں جب حضرت عمر نے خود فلسطین جاکر معاہدۂ امن لکھا تو اِس صوبے کے دو حصّے کر دیئے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا، اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن مجزز کو الگ الگ دونوں صوبوں میں متعین[1] کیا۔

مصر کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اس کی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمر نے اُس کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصّہ جسکو عربی میں صعید کہتے ہیں اور جسمیں ۲۸ ضلعے شامل تھے ایک الگ صوبہ قرار دے کر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور اُس نشیبی حصّہ جسمیں ۱۵ ضلعے شامل تھے اُس پر ایک دوسرا افسر تعنیات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمر نے قریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دیئے نوشیروانی تھے۔ اس لئے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصّوں میں عہد کے صوبے منقسم تھے۔

مورخ یعقوبی[2] نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت، عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

خراسان۔ اِس میں مفصلۂ ذیل اضلاع شامل تھے۔ نیشاپور۔ ہرات۔ مرو۔ مرورود فاریاب۔ طالقان۔ بلخ۔ بخارا۔ باذعیس۔ باورد۔ غرشستان۔ طوس۔ سرخس۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۰۳ و ۲۴۰۷۔ اصل عبارت یہ ہے۔ فصارت فلسطین نصفین نصف مع اہل ایلیا ونصف مع اہل الرملۃ وہم عشر کور وفلسطین تعدل الشام کلہا + + وفرق فلسطین علی رجلین + فنزل کل واحد منہما فی عملہ ۱۲

[2] تاریخ یعقوبی صفحہ ۲۰۱، ۲۰۲ جلد اوّل

جرجان۔

آذر بائیجان: اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے طبرستان۔ رے۔ قزوین۔ زنجان۔ قم۔ اصفہان ہمدان۔ نہاوند۔ دینور۔ حلوان، ماسبندان۔ مہرجان۔ قذق۔ شہر زور۔ صامغان۔ آذر سجان۔

فارس: اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ اصطخر۔ شیراز۔ نوبندجان۔ جور۔ کاذرون۔ فسا۔ دارابجرد۔ اردشیر خرہ۔ سابور۔ اہواز۔ جندیسابور۔ سوس۔ نہر تیری۔ مناذر۔ تستر۔ ایذج۔ رام ہرمز۔

صوبوں کے افسر: صوبوں میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے۔ والی یعنی حاکم صوبہ کاتب یعنی میر منشی۔ کاتب دیوان یعنی دفتر فوج کا میر منشی۔ صاحب الخراج یعنی کلکٹر۔ صاحب احداث یعنی افسر پولیس۔ صاحب بیت المال۔ یعنی افسر خزانہ۔ قاضی یعنی صدر الصدور و منصف۔ چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر والی عثمان بن حنیف کلکٹر۔ عبداللہ بن مسعود افسر خزانہ۔ شریح قاضی۔ عبداللہ بن خلف الخزاعی۔ کاتب دیوان تھے[1]۔

ہر صوبے میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہم کو معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا مثلاً عمار بن یاسر جو وقت کوفے کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا۔ بحرین میں قدامہ بن مظعون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے۔ والی کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اُس کے ممبر خود دربار خلافت کی طرف سے مامور ہوتے تھے۔ عمار کو جب حضرت عمر نے کوفہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو دس معزز آدمی ان کے اسٹاف میں دیے جن میں ایک قرظہ خزرجی بھی تھے[2]۔ میر منشی قابل اور تقریر اور تحریر میں یکتا ہوتا ہے۔ ابوموسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کا میر منشی زیاد بن سمیہ تھا جس کی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمر حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اس کے عَلَم

---

[1] طبری ۲۶۴۷۔ و ابن خلکان صفحہ ۲۵۳ [2] اسد الغابہ تذکرہ قرظہ۔ ۱۲

کے نیچے آجاتا۔

اضلاع میں بھی عامل، افسرِ خزانہ، اور قاضی، وغیرہ ہوتے تھے اور یہ سب گورنر صوبہ کے ماتحت اور اُس کے زیرِ حکومت کام کرتے تھے۔ پرگنوں میں غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور اُس کے ساتھ اُس کا عملہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد، سب سے مقدّم جو چیز تھی ملکی عہدہ داروں کا انتخاب اور اُن کی کاروائی کا دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو لیکن جب تک حکومت کے اعضاء وجوارح یعنی عہدہ دارانِ مُلکی قابل لائق، راستباز، اور متدیّن نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے مُلک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی، حضرت عمر نے اِس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخِ عالم کے ہزاروں ورق اُلٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی، اِس مرحلے میں اِس بات سے بڑی مدد ملی کہ ان کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھیں۔ یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اُس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی

اِس کے ساتھ انہوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی، یہی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اُس کے انجام دینے کے لئے اُس سے بڑھ کر آدمی نہیں مِل سکتا تھا، عرب میں چار شخص تھے جن کو دہات العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فنِ سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویۃ۔ عمرو بن العاص۔ مغیرۃ بن شعبہ[1]۔ زیاد بن سمیّہ۔ حضرت عمر نے زیاد کے سوا، تینوں کو بڑے بڑے مُلکی عہدے دیئے۔ اور چونکہ یہ لوگ صاحبِ ادعا بھی تھے اِس لئے اِس طرح اُن پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خودسری نہ کرنے پائے، زیاد اُن کے زمانے میں شانزدہ ساله نوجوان تھا اِس لئے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا لیکن اُس کی قابلیت اور استعداد کی بنا پر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت

[1] اسد الغابہ تذکرۂ مغیرہ بن شعبہ ۱۲

marfat.com

میں اُس کو مشیر بنائیں۔ فنِ حرب میں عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا حضرت عمرؓ نے اِن دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ اِن کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا کیونکہ ہر شخص صرف اپنا فن خوب جانتا ہے[1]۔ عبداللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلعم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی، آپؐ نے فرمایا کہ اس کا جواب کون لکھیگا؟ عبداللہ بن ارقم نے عرض کی کہ "میں" یہ کہہ کر خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے، آنحضرتؐ نے سُنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ اُن کی اِس قابلیت پر اُن کو خاص خیال ہوا اور جیسا کہ علامہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر اُن کے دل میں ہمیشہ قائم رہا یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو میر منشی مقرر کیا، نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لیے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمرؓ نے رائے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے باتفاق کہا کہ آپکو جو واقفیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کا نام لیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ انتخاب بالکل بجا ہے" عمار بن یاسر بڑے رتبے کے صحابی تھے اور زہد و تقدس میں بے نظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے، قبولیتِ عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمر نے اُن کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا لیکن چند روز کے بعد جب اُن سے کام چل نہ سکا تو معزول کر دیا اور اُن کے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اِس کام کے لئے موزوں نہ تھے، اِس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصا نہیں کیا جا سکتا۔ کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمرؓ نے اِن پُرزوں کو حکومت کی کَل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا تھا۔

[1] استیعاب قاضی بن عبدالبر و طبری صفحہ ٢٦١٧

marfat.com

تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمّہ داری پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ اسلئے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ "اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون کرے گا[1]؟ حضرت ابوہریرۃ نے کہا کہ ہم آپکو مدد دیں گے" لیکن اُس وقت مُلکی انتظام میں حصّہ لینا زہد اور تقدّس کے خلاف سمجھا جاتا تھا چنانچہ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا کہ اے عمرؓ تم رسول اللہ کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں" ابوعبیدۃ نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں بیش قرار مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں[2]۔ غرض حضرت عمرؓ نے لوگوں کی رائے و مشورت سے نہایت دیانت دار اور قابل لوگ انتخاب کئے اور اُن کو مُلکی خدمتیں سپرد کیں۔ زیادہ اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص تمام ارکانِ مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا وہ اُس خدمت پر مامور ہوتا تھا چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقے پر ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلعے کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، اُس کو انتخاب کر کے بھیجو چنانچہ ان ہی منتخب لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے عثمان بن فرقد، معن بن یزید حجاج بن غلاط اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے۔ چنانچہ ہم اس کی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔

عہدہ داروں کے مقرر کرنے کیلئے مجلس شوریٰ

ایک دِقت یہ بھی کہ لوگ، کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس کو زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے بعینہٖ اس طرح جس طرح آجکل کے مقدّس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں اور مشاہرہ لیں تو ان کو نہایت ناگوار ہوگا، لیکن نذر و نیاز کے نام سے جو رقمیں ملتی ہیں اُس سے اُن کو احتراز نہیں ہوتا۔

تنخواہ کا معاملہ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۵ - اصل عبارت یہ ہے۔

ان عمر بن الخطاب جمع اصحاب رسول اللہ فقال اذا لم تعینونی فمن یعیننی الخ ۱۲ [2] ایضاً ص۴۲

حضرت عمر کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اِس غلطی میں مبتلا تھے لیکن یہ امر تمدن اور اصولِ انتظام کے خلاف تھا، اِس لئے حضرت عمر نے بڑی کوشش سے اِس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہیں مقرر کیں، ایک موقع پر حضرت ابوعبیدہ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا تو حضرت عمر نے بڑی مشکل سے اُن کو راضی کیا۔[1] حکیم بن حزام نے حضرت عمر کے بار بار اصرار پر بھی کبھی روزینہ یا وظیفہ لینا گوارا نہ کیا۔[2]

عاملوں کے فرامین میں انکے فرائض کی تفصیل

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اُسکو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں اُسکی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔[3] اِس کے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا، جس کی وجہ سے لوگ اُس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے، اور جب وہ اُن اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اُس پر گرفت کا موقع ملتا تھا، حضرت عمر کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک اُن سے واقف ہو جائے چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اُس کے متعلق خطبے دیئے، ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا عاملوں کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے۔

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین	یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر
ولکن بعثتکم ایمۃ الھدی یھتدی	مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے
بکم فادروا علی المسلمین حقوقھم	کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم لوگ مسلمانوں کے حقوق
ولا تضربوھم فتذلوھم ولا	ادا کرو، ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں

[1] طبری صفحہ ۲۵۷۷ ۔ [2] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۳۲۲ [3] طبری صفحہ ۲۷۴۷ ۔ اسد الغابۃ (تذکرہ حذیفۃ بن الیمان) سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں۔

کان عمر اذا استعمل عاملا کتب عھدہ قد بعثت فلانا وامرتہ بکذا ۔۔ فلما قدم المداین استقبلہ الدھاقین فلما قرء عھدہ الخ ۱۲

marfat.com

تحمدوھم فتفتنوھم ولاتغلقوا	اُن کی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں۔ اُن کے لیے
الابواب دونھم فیاکل قویھم	اپنے دروازے نہ بند رکھو کہ زبردست کمزوروں
ضعیفھم ولاتستاثروا علیھم	کو کھا جائیں۔ اُنسے کسی بات میں اپنے آپکو ترجیح
فتظلموھم	نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمر صحابہ کے ایک گروہ کے سامنے اُسکو فرمانِ تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے[1] جس سے یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا ہے اُس کی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہوجائے۔

عاملوں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا۔

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔ باریک[2] کپڑے نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا[3] آٹا نہ کھائیگا۔ دروازے[4] پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل[5] حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔[6] یہ شرطیں اکثر پروانۂ تقرری میں درج کی جاتی تھیں اور اُن کو مجمع عام میں پڑھ کر سُنایا جاتا تھا۔

عاملوں کے مال و اسباب کی فہرست

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اُس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا۔ اُس کی مفصل فہرست تیار کراکر محفوظ رکھی[3] جاتی تھی اور عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اُس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعے سے حضرت عمر کو اسکی اطلاع دی حضرت عمر نے سب کی موجودات کا جائزہ کے کر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کردیا۔ اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں۔ اِس میں اُن عاملوں کے نام بھی تفصیل سے بتاتے ہیں۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ میں ہے کان عمر اذا استعمل رجلا اشھد علیہ رھطا من الانصار

[2] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [3] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹ میں ہے کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عمالہ اذا ولاھم ثم یقاسمھم مازاد علی ذلک ۱۲

marfat.com

ابلغ امیر المؤمنین رسالة — فانت امین اللہ فی المال والامر
فلا تدعن اهل الرساتیق والقری — یسیغون مال اللہ فی الادم الوفر
فارسل الی الحجاج فاعرف حسابه — وارسل الی جزء وارسل الی البشر
ولا تنسین النافعین کلیهما — ولا ابن غلاب من سراة بنی نصر
وما عاصم منها بصفر عیابه — وذاک الذی فی السوق مولی بنی بدر
وشبلا فسله المال وابن محرش — فقد کان فی اهل الرساتیق ذا ذکر
نؤوب اذا آبوا ونغزو اذا غزوا — فانی لهم وفر ولسنا اولی وفر
اذا التاجر الداری جاء بفارة — من المسک راحت فی مفارقهم تجری

زمانہ حج میں تمام عاملوں کی طلبی

تمام عمّال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں، حج کی تقریب سے تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے۔ حضرت عمر کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے[۱]۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں۔ اور تحقیقات ہو کر اُس کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ صاحبو! عمّال جو مقرر کر کے بھیجے جاتے ہیں اِس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ تم کو طمانچے ماریں یا تمہارا مال چھین لیں، بلکہ میں اُن کو اس لئے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم کا طریقہ سکھائیں، سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کرو تاکہ میں اُس کا انتقام لوں" عمرو ابن العاص نے جو مصر کے گورنر تھے اُٹھ کر کہا کہ "اگر کوئی عامل ادب دینے کے لیے کسی کو مارے گا تب بھی آپ اُس کو سزا دیں گے؟ حضرت عمر نے کہا "اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے، اُن کے حقوق تلف نہ کرو ورنہ وہ کفرانِ

---

[۱] تاریخ طبری صفحہ ۲۷۰۸ میں ہے وکان من سنة عمر وسيرته ان ياخذ عماله بموافاة الحج في كل سنة للسياسة وليحجزهم بذلك عن الرعية وليكون لشكاة الرعية وقتاً وغاية ينهونها فيه اليه ۱۲

marfat.com

نعمت پر مجبور ہوں گے۔[1]

ایک دفعہ حسبِ معمول تمام عمّال حاضر تھے ایک شخص اُٹھا اور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور سَو کوڑے مارے ہیں، حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہیں مجمع عام میں عامل کو سَو کوڑے لگاتے، عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر عمّال پر گراں ہوگا، حضرت عمرؓ نے فرمایا "لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں"، عمرو بن العاص نے منّت کر کے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دو دو اشرفی لے کر اپنے حق سے باز آئے۔[2]

وقتاً فوقتاً عمّال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں اسکی تحقیقات کے لئے ایک خاص عہدہ قائم کیا جس پر محمد بن مسلمۃ انصاری مامور تھے، یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ تمام غزوات میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ایک مہم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کر گئے، ان وجوہ سے حضرت عمرؓ نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا، جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے[3] اور موقع پر جاکر مجامع عامہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے۔ ۲۱ھ میں سعد وقاصؓ جنہوں نے قادسیہ کی مہم سر کی تھی اور کوفہ کے گورنر تھے، ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس جاکر شکایت کی، یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں۔ اور ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر نہاوند کے قریب آپہنچے تھے۔ مسلمانوں کو سخت تردد تھا اور ان کے مقابلے کے لئے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں، عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پُر خطر وقت ہے تاہم یہ تردد مجھ کو سعد وقاص

عاملوں کی تحقیقات

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [3] اسد الغابۃ تذکرۃ محمد بن مسلمۃ میں ہے وھو کان صاحب العمال ایام عمر۔ کان عمر اذا شکی الیہ عامل ارسل محمداً یکشف الحال وھو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیاخذ شطر اموالھم طبری نے مختلف مقامات میں تصریح کی ہے کہ محمد بن مسلمہ۔ عمّال کی تحقیقات پر مامور تھے ۱۲

marfat.com

کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جاکر لوگوں کے اظہار لئے اور سعد بن وقاص کو ساتھ لے کر مدینے میں آئے یہاں حضرت عمر نے خود ان کا اظہار لیا۔ [1]

کمیشن

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ بعض اوقات ابتداءً عامل کو مدینہ میں بلاکر براہِ راست تحقیقات کرتے تھے اور یہ اکثر اُس وقت ہوتا تھا جب عامل، صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا چنانچہ ابوموسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کی نسبت جب شکایت گزری تو حضرت عمر نے مستغیث کا بیان خود اپنے ہات سے قلمبند کیا اور ابوموسیٰ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کی۔ الزامات یہ تھے کہ ابوموسیٰ نے اسیرانِ جنگ میں سے ۶۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہیں، اُن کی ایک لونڈی ہے جس کو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچائی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسّر نہیں آسکتی۔ کاروبار حکومت، زیاد بن سمیّہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے" تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا، تیسرے الزام کا ابوموسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیاد سیاست و تدبیر کا آدمی ہے اس لئے میں نے اُس کو اپنا مشیر بنا رکھا ہے، حضرت عمر نے زیاد کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا اس لئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیاد کو مشیر کار بنائیں، دوسرا الزام پیش ہوا تو ابوموسیٰ کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ لونڈی اُن سے چھین لی گئی۔ [2]

عاملوں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی خصوصاً اُن باتوں پر جن سے ترفّع اور امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا

---

[1] یہ پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۶۰۶ تا ۲۶۰۸ میں ہے۔ صحیح بخاری میں بھی اس واقعے کا اشارہ ہے دیکھو کتاب مذکور جلد اوّل صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ میرٹھ

[2] طبری صفحہ ۲۷۱۰ تا ۲۷۱۲

کہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا یا کمزور اُس کے دربار میں بار نہیں پاتا وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔[1]

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ عمرؓ! کیا عاملوں کے لیے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذابِ الٰہی سے بچ جاؤ گے، تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض ابن غنم جو مصر کا عامل ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور اُس کے دروازے پر دربان مقرر ہے"۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لوا لاؤ"۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کُرتہ پہنے بیٹھے تھے، اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینے آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اُتروا کر بالوں کا کُرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلّہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل میں لیجا کر چراؤ"۔ عیاض کو انکار کی تو مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھ کو اس سے عار کیوں ہے تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا۔ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔[2]

حضرت سعد وقاص نے کوفہ میں اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی، حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہلِ حاجت کو رُکاوٹ ہو گا محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں چنانچہ اِس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد وقاص چپکے دیکھا کئے۔

اِس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابلِ اعتراض ہیں کیونکہ لوگوں کے طرزِ معاشرت و ذاتی افعال سے تعرض کرنا اصولِ آزادی کے خلاف ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو رُوح پھونکنی چاہتے تھے وہ بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور اُن کے دست و بازو یعنی ارکانِ سلطنت اِس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں، عام

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ [2] کتاب الخراج صفحہ ۶۶

marfat.com

آدمیوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں، ان کے افعال کا اثر بھی انہی تک محدود رہیگا، لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں ان کے طرزِ معاشرت کا ممتاز ہونا لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اِس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہوجاتی ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں، اِس کے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں، پولٹیکل مصالح سے خالی نہ تھیں، مساواۃ اور عدم ترجیح جس کو آجکل کی اصطلاح میں سوشلزم کہتے ہیں، عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اِس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی، یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے۔ ورنہ۔امیر معاویہ، شام میں بڑے سروسامان سے رہتے تھے اور حضرت عمر ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمر نے ان کے خدم وحشم کو دیکھ کر اس قدر کہا اکسروانیة یعنی یہ نوشیروانی جاہ وجلال کیسا؟ مگر جب اُنہوں نے جواب دیا کہ یہاں رومیوں سے سابقہ رہتا ہے اور اُن کی نظر میں بغیر اِس کے سلطنت کا رعب وداب نہیں قائم رہ سکتا تو حضرت عمر نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمّال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ تنخواہیں بیش قرار مقرر کی تھیں۔ یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اِس راز کو نہیں سمجھیں۔ جس کی وجہ سے رشوت اور غبن، ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہوگیا ہے، حضرت عمر کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گران تھا تاہم تنخواہیں علی قدرمراتب عموماً بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ، چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی [1]

[1] استیعاب قاضی بن عبد البر اور ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۱۷۔

marfat.com

اَب ہم عمالانِ فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی کَل میں کس قسم کے پُرزے استعمال کیئے تھے۔

نام	مقامِ ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابوعبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔
یزید بن ابی سفیان	"	"	تمام بنو امیہ میں اِن سے بڑھ کر کوئی شخص لائق نہ تھا۔
امیر معاویہ	"	"	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاص	مصر	"	مصر اِنہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	"	آنحضرتؐ کے ماموں تھے۔
عتبہ بن غزوان	بصرہ	"	مہاجرین میں سے ہیں۔ بصرہ اِنہی نے آباد کرایا۔
ابوموسیٰ اشعری	"	"	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	"	آنحضرتؐ نے ان کو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبدالحارث	"		فضلاء صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاص	"		ابوجہل کے بھتیجے اور معزز شخص تھے۔
عثمان بن ابی العاص	طائف		آنحضرتؐ کے بعد جب ارتداد پھیلا تو طائف کے لوگوں کو انہی نے تھاما۔
یعلیٰ بن امیہ	یمن		صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے۔
علاء بن الحضرمی	"		بڑے صاحبِ اثر تھے، آنحضرتؐ نے اُنکو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔
نعمان	مدائن	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیف	اضلاع فرات	کمشنر بندوبست	حساب کتاب اور پیمائش کے کام میں نہایت ماہر تھے۔

marfat.com

کیفیت	عہدہ	مقام ماموریت	نام
جزیرہ انہی نے فتح کیا۔	والی	جزیرہ	عیاض بن غنم
حضرت عمر ان کی نہایت عزت کرتے تھے۔	"	حمص	عمر بن سعد
مشہور صحابی اور آنحضرتؐ کے رازدار تھے۔	"	مدائن	حذیفۃ بن الیمان
بڑے خاندان کے آدمی تھے۔			نافع بن عبدالحارث
	افسر خزانہ	اصفہان	خالد بن حرث دہمانی
اکابر صحابہ میں ہیں۔		سوق الاہواز	سمرۃ بن جندب
صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔		میسان	نعمان بن عدی
موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی۔	کمشنر مالگذاری	موصل	عرفجہ بن ہرثمہ

صیغہ محاصل

خراج

خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا

خراج کا نظم و نسق، عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا، اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان، تاج و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دیئے تھے، لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب خیبر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں اس لئے زمین ہمارے ہی قبضے میں چھوڑ دی جائے۔ جناب رسول اللہ نے اُن کی درخواست منظور کر لی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔ اِس کے سوا۔ جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے اُن کی زمین پر عُشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابو بکر کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے، لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا بلکہ سرسری

marfat.com

طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔

حضرت عمر کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی سنہ ۱۶ھ میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہوگیا اور اس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی قوت کا استیصال کر دیا۔ تو حضرت عمر نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ اس مرحلے میں پہلی یہ مشکل پیش آئی کہ امراء فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلۂ فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں عنایت کئے جائیں اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دیدیا جائے۔ حضرت عمر نے عراق کے فتح کے ساتھ سعد بن وقاص کو وہاں کی مردم شماری کے لیے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا تو ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اسی وقت حضرت عمر کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین، باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے اور ان کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے[1]، لیکن اکابر صحابہ میں سے عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ، اہل فوج کے ہم زبان تھے۔ حضرت بلال رضؓ نے اس قدر کد کی کہ حضرت عمر نے دق ہو کر فرمایا اللھم اکفنی بلالاً یعنی اے خدا مجھ کو بلال سے نجات دے"، حضرت عمر یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ، فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں تو آئندہ، افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی حفاظت، ملک کے امن و امان، قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے؟ عبدالرحمٰن بن عوف کہتے تھے کہ جن کی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے انہی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیونکر پا سکتی ہیں"۔ چونکہ حضرت عمر کی حکومت کا طریقہ جمہوری تھا یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا کثرت رائے پر ہوتا تھا، اس لئے ایک عام اجلاس ہوا جس میں تمام قدماء مہاجرین۔ اور انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے سردار، وکیل کے طور پر شریک ہوئے[2]۔ حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ اور طلحہ نے حضرت عمر کی رائے سے اتفاق کیا تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک

---

[1] طبری ۲۳۶۷ و فتوح البلدان صفحہ ۲۶۶ وکتاب الخراج صفحہ ۲۱ [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۴

marfat.com

یہ مرحلہ رہا۔ حضرت عمر کو دفعتہً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو اس بحث کے لئے نص قاطع تھی۔ یعنی لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ الخ اس آیت کے آخیر فقرے وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ سے حضرت عمر نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے، لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا، حضرت عمر نے کھڑے ہو کر نہایت پر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اُٹھے کہ بے شبہ آپکی رائے بالکل صحیح ہے۔"

حضرت عمرؓ کا استدلال

اس استدلال کی بنا پر یہ اُصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کے مِلک نہیں ہیں بلکہ حکومت کے مِلک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو بیدخل نہیں کیا جائے گا، اس اُصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمر نے ممالکِ مفتوحہ کے بندوبست پر توجہ کی۔

عراق کا بندوبست

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا، سب سے پہلے اُس سے شروع کیا۔ حضرت عمر کا ایک یہ بھی اُصول تھا کہ ہر مُلک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت مالگزاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر قسم کی مزروعہ پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے جو تین قسطوں میں ادا کئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا اور نوشیرواں نے اس کی تکمیل کی تھی۔ نوشیرواں تک تعین لگان میں یہ اُصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے۔ لیکن خسرو پرویز نے اُس پر اضافہ کیا اور یزدگرد کے زمانے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں[1]۔ حضرت عمرؓ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا، اس کام کے لئے چونکہ دیانت کے ساتھ فن مساحت سے واقف ہونا ضرور تھا اور عرب میں اس قسم کے فنون اُسوقت تک رائج نہ تھے، اس لئے فی الجملہ

۱؎ کتاب الاوائل ذکر اول من فرض سنۃ ساسان و ذکر اول من وضع الخراج ۱۲

دِقت پیش آئی، آخر دو شخص انتخاب کئے گئے، عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان۔ یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے، خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے دستِ مبارک سے تیار کر کے دیا، کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمائش کا کام جاری رہا، کُل رقبہ طول میں ۳۷۵ میل اور عرض میں ۲۴۰ یعنی کل ۹۰۰۰۰ میل مکسر ٹھہرا۔ اور پہاڑ، صحرا۔ اور نہروں کو چھوڑ کر قابلِ زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ خاندانِ شاہی کی جاگیر۔ آتش کدوں کے اوقاف۔ لاوارثوں۔ مفروروں۔ اور باغیوں کی جائداد۔ وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھیں، دریا بُرد اور جنگل۔ اِن تمام زمینوں کو حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دے کر ان کی آمدنی جس کی تعداد سالانہ ستر لاکھ (۷۰۰۰۰۰۰) تھی رفاہ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو دے دی گئی اور حسبِ ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

افسران بندوبست

عراق کا کل رقبہ

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگھہ پختہ	مقدار درہم سال
جو	"	۱ درہم سال
نیشکر	"	۶ درہم سال
روئی	"	۵ درہم سال
انگور	"	۱۰ درہم سال

لگان کی شرح

marfat.com

نخلستان	فی جریب یعنی پون بیگھہ پختہ	۱۰ درہم سال
تل	؍؍	۸ درہم سال
ترکاری	؍؍	۳ درہم سال

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا یعنی گیہوں پر

عراق کا خراج

فی جریب ۴ درہم اور جو پر ۲ درہم مقرر ہوئے، افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو ڈِ د جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کُل عراق کا خراج ۸ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ٹھہرا۔ چونکہ پیمائش کے مہتمم مختلف لیاقت کے تھے اس لیے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا تاہم جہاں جسقدر جمع مقرر کی گئی اُس سے زیادہ مالکانِ اراضی کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمر کو ذمّی رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسروں کو بُلا کر کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ عثمان نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ ابھی اسی قدر اور گنجایش ہے[1]۔

زمیندار اور تعلقدار

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے۔ حضرت عمر نے اُن کی حالت اُسی طرح قائم رہنے دی، اور اُن کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔

جس خوبی سے بند و بست کیا گیا تھا اُس کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ لگان کی شرحیں نوشیرواں کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد تھیں تاہم نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد

پیداوار اور آمدنی میں ترقی

ہوگئیں اور دفعتہً زراعت کی پیداوار میں ترقی ہوگئی۔ چنانچہ بند و بست کے دوسرے ہی سال، خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے، دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی[2]۔ سالہائے مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا، اس پر بھی حضرت عمر کو یہ احتیاط تھی کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا

ہر سال مالگزاری کی نسبت رعایا کا اظہار لیا جانا

تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور حضرت

[1] کتاب الخراج صفحہ ۲۱
[2] تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۷۴

عمالکو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مالگزاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔[1]

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمر نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن جس قدر مالگزاری ان کے عہد میں وصول ہوئی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوتی۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جسقدر خراج وصول ہوا زمانہ مابعد میں کبھی نہیں ہوا

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ "حجاج پر خدا لعنت کرے، کمبخت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی، عمر بن الخطاب نے عراق کی مالگزاری ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم وصول کی، زیاد نے ۱۰ کروڑ ۱۵ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر اور ظلم کے صرف ۲ کروڑ ۸ لاکھ وصول کئے"[2] مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لئے مشہور ہے لیکن اُسکے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کروڑ ۴۸ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے، عراق کے سوا حضرت عمر نے اور کسی صوبے کی پیمائش نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے، اُن کو اُسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں، تھا حضرت عمر کے عہد میں بھی اُسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارسی، یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال رہے۔ تاہم حضرت عمر نے قدیم طریقۂ انتظام میں جہاں جو کچھ غلطی دیکھی اُس کی اصلاح کر دی چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

خراج کا دفتر فارسی اور رومی زبان میں تھا

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہوا تھا، بالومینر (بطالمہ) نے بھی وہی قائم رکھا اور رومن امپائر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمائش کرائی تھی اور تشخیص جمع اور طریقۂ ادا کے مقدم اُصول یہ قرار دیئے تھے۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۵ - اصل عبارت یہ ہے۔ ان عمر الخطاب کان یجبی العراق کل سنۃ مایۃ الف الف اوقیۃ ثم یخرج الیہ عشرۃ من اہل الکوفۃ وعشرۃ من اہل البصرۃ یشہدون اربع شہادات باللہ انہ من طیب، ما فیہ ظلم مسلم ولا معاہد ۱۲ [2] معجم البلدان ذکر سواد ۱۲

مصر میں — ۱۔ خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقے سے وصول کیا جائے۔

فرعون کے زمانے کے قواعد مالگزاری — ۲۔ چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر، اس کے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔

۳۔ بندوبست چار سالہ ہو[۱]۔

رومیوں کا اضافہ — رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ، مصر سے غلّے کی ایک مقدار کثیر پائے تخت قسطنطنیہ کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لیے یہیں سے غلّہ جاتا تھا، جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا، حضرت عمرؓ نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیئے۔

حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی — یورپ کے مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی، چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلّہ بھیجا گیا اسی اُصول کے موافق بھیجا گیا، لیکن یہ ان کی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے، بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلّہ آیا اور پھر یہ ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی، لیکن یہ وہی غلّہ تھا جو خراج سے وُصول ہوتا تھا، کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا چنانچہ علاّمہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے[۲]۔ اِس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو حرمین کے لئے جو غلّہ بھیجا جاتا تھا خرید کر کے بھیجا جاتا تھا، چنانچہ امیر معاویہ کے عہد حکومت کی نسبت علاّمہ مقریزی نے صاف اسکی تصریح کی ہے[۳]۔ حضرت عمر نے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لئے غلّے کے کھتوں کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلّہ تھا۔

مصر میں وصول مالگزاری کا طریقہ — حضرت عمر نے مالگزاری کے وُصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے

---

[۱] پروفیسر FAVAN BERCHEM نے ایک کتاب فرنچ زبان میں مسلمانوں کے قانون مالگزاری پر لکھی ہے۔ یہ حالات میں سنداسی کتاب سے لئے ہیں آگے چل کر بھی اس کتاب کے حوالے آئیں گے اس کتاب کا پورا نام یہ ہے۔

LA PROPRIE TE TERRITORIAL IMPOT FONCIER SONS LES PREMIERS CALIFES.

[۲] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶ [۳] مقریزی جلد اوّل صفحہ ۷۹۔

marfat.com

دونوں ملک کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی، مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی پیداوار کا مدار، دریائے نیل کی طغیانی ہے اور چونکہ اُس کی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا تھا۔ اس لئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا، چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لئے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسطِ حساب کے لحاظ سے اُن کا کام چل سکے۔

بہر حال حضرت عمر کے زمانے میں مالگزاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مالگزاری کی، قسطیں کھُلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس، اور زمیندار، اور عُرّاف، طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیداوارِ حال کے لحاظ سے کُل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے، اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور مکھیا شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینی رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گاؤں پر پھیلا دی جاتی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس میں سے اوّل گرجاؤں اور حماموں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہمانی کا خرچ، نکال لیا جاتا تھا، باقی جو بچتا تھا اسمیں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی، ہر گانوں پر جو جمع تشخیص ہوتی تھی پڑتے سے اس کا ایک حصہ گاؤں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔ [1]

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضا تھا اور مصر میں یہ طریقہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلّہ قرار دی گئی۔ اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۷۷، علامہ بشاری کی کتاب جغرافیہ صفحہ ۲۱۲ سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے ۱۲

marfat.com

مصر کا کل خراج

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اُس کی تعداد ا کرور ۲۰ لاکھ دینار تھی جس کے تقریباً پانچ کرور چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی، خراج اِس کے علاوہ تھا۔ ابوحوقل بغدادی نے بھی اپنے جغرافیے میں قاضی ابوحازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے، لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے، خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ "جب عمرو ابن العاص نے پہلے سال ایک کرور دینار وصول کئے تو حضرت عمرؓ نے اِس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پچھلے سال ۲۰ کرور وصول کئے تھے۔ عمرو بن العاص سے باز پُرس کی"۔ یہ مسلّم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیے کا دستور نہ تھا، اِس لئے عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر جزیہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اِس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اِس کے علاوہ تمام مؤرخین نے اور خود مقریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے ماقبل اور مابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے اِسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہر حال حضرت عمرؓ کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی

مصر کا خراج بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانے میں۔

زمانہ مابعد میں کبھی اِس حد تک نہیں پہنچی۔ بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوئی۔ ہشام بن عبدالملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام مُلک کی اراضیات کی پیمائش کرائی جو تین کرور فدان ٹھہری، تو ۳۰ لاکھ سے ۴۰ لاکھ ہو گئے۔ البتہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں عبداللہ بن سعد گورنر مصر نے ا کرور ۴۰ لاکھ دینار وصول کئے تھے، لیکن جب حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اُونٹنی نے زیادہ دودھ دیا، تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ "ہاں لیکن بچہ بھوکا رہا"۔ امیر معاویہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے اِن کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد ۹۰ لاکھ دینار تھی۔ فاطمین کے عہد میں خلیفہ المعز لدین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دوگنی کر دی تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے۔[۳]

---

[۱] دیکھو مقریزی صفحہ ۹۸ جلد اول [۲] معجم البلدان ذکر مصر۔ [۳] ابن حوقل ذکر مصر ۱۲

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالکِ مقبوضہ میں قائم کیا تھا، اس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مدارج قرار دیئے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کئے تھے، یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری تھا۔[1] قرائن اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا، حضرت عمر کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اُس کی کُل تعداد ا کروڑ ۴۰ لاکھ دینار یعنی ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ روپے تھی۔ شام

عراق، مصر، اور شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیہ، وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مؤرخین ان ملکوں کے حالات فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اُس کی تعداد لکھ دی ہے، باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے، اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں اس لئے ہم بھی اُس کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑ سکتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمر نے اس صیغے میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی دفعتہً نہایت ترقی کر گئی، یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیتِ زمین کا جو قدیم قانون تھا اور بالکل جابرانہ تھا مٹا دیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسرانِ فوج اور کچھ ارکینِ دربار کو دے دیں، کچھ شاہی جاگیر قانون مالگزاری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات

[1] دیکھو پروفیسر برخیم فرانسیسی کی کتاب مسلمانوں کے قانون مالگزاری پر ۱۲

قرار پائیں، کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دی گئیں۔ اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے اور اگر مالکِ زمین اُن کی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے اخیر اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں۔ لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس کے متمتع ہونے کے لئے، رومی زمینداروں سے اعانت یعنی پڑتی تھی، اس بہانے سے زمیندار خود اُس زمین پر متصرف ہو جاتے تھے اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا، یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دُنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ، افسرانِ فوج یا ارکانِ دولت کی جاگیر میں دے دیا جاتا تھا۔

حضرت عمر نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ، اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا، رومی تو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے اور جو رہ گئے اُن کے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی حضرت عمر نے اُن تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے، باشندگانِ ملک کے حوالے کر دیں، اور بجائے اس کے کہ وہ مسلمان افسروں یا فوجی سرداروں کو عنایت کی جائیں قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں اِن زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے، یعنی مالکانِ اراضی کو قیمت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے۔ یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی تو بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب مثلاً امام مالکؒ نافع بن یزید، بن لہیعہ، نے اُن پر سخت اعتراض کیا[1]، حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہلِ عرب کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی، چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیئے کہ ”لوگوں کے روزینے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے“ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک غطفی ایک شخص

---

[1] مقریزی صفحہ ۲۹۵

نے مصر میں کچھ زراعت کرلی تو حضرت عمرؓ نے اُسکو بُلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ میں تجھ کو ایسی سزا دونگا کہ اوروں کو عبرت ہو۔

اِن قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اُس عدل وانصاف کا نمونہ قائم کیا جس کی نظیر دُنیا میں کہیں موجود نہ تھی کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی، دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی اِس لیے کہ اصلی باشندے جو مدت سے اِن کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بدُّوان کی برابری نہیں کرسکتے تھے، سب سے بڑھ کر یہ کہ اِس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا، فرانس کے ایک نہایت لائق مصنف نے لکھا ہے کہ "یہ بات مسلّم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مالگزاری کے معاملے کو بہت دخل ہے، رومن سلطنت میں باشندگان مُلک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا اُس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا، مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل مُلک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا، مصر میں خود قبطی کاشتکاروں نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی، دمشق، اور حمص میں، عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہر پناہ کے دروازے بند کردیئے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت پسند کرتے ہیں۔"

یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی، یعنی اُن کو زراعت اور فلاحت سے روک دیا، درحقیقت اِس سے حضرت عمرؓ کی بڑی انجام بینی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی جوہر یعنی دلیری، بہادری، جفاکشی، ہمّت، عزم، اُسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری اور زمینداری سے الگ رہے، جس دِن انھوں نے زمین کو ہاتھ لگایا، اُسی دن یہ تمام اوصاف بھی اُن سے رخصت

---

۱ حسن المحاضرہ صفحہ ۹۳۔

marfat.com

ہو گئے۔

اِس معاملے میں ایک اور نہایت انصافانہ اصول جو حضرت عمرؓ نے برتا یہ تھا کہ بند وبست اور اُس کے متعلق تمام اُمور میں ذمّی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور اُن کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بند وبست کرنا چاہا تو پہلے عمّال کو لکھا کہ عراق کے دو رئیسوں کو ہمارے پاس بھیجو جن کے ساتھ مترجم بھی ہو[1]۔ پیمائش کا کام جاری ہو چکا تو پھر دس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اور اُنکے اظہار لئے[2]۔ اِسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں رائے لو، اِس پر نہ تسلّی ہوئی تو ایک واقف کار قبطی کو مدینے میں طلب کیا اور اِس کا اظہار لیا[3]۔ یہ طریقہ جس طرح عدل وانصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اِسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

بند وبست مالگزاری میں ذِمّیوں سے رائے لینا۔

اِن باتوں کے ساتھ اُن اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیئے جس کا بیان ہم بند وبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

ترقی زراعت

بند وبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقّی کی طرف توجّہ کی، عام حکم دے دیا کہ تمام مُلک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص اِن کو آباد کرے اُس کی مِلک ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اِس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کر لے تو زمین اُس کے قبضے سے نکل جائے گی۔

اِس طریقے سے افتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لئے اشتہار دے دیا کہ واپس آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے، زراعت کی حفاظت اور ترقّی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اُس کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے اُن سے آکر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت

[1] دیکھو مقریزی جلد اوّل صفحہ ۷۴، ۷۵۔ [2] کتاب الخراج صہ ۲۵۔ [3] مقریزی جلد اول صہ ۷۴، ۷۵۔

تھی۔ آپکی فوج اُدھر سے گزری اور اُس کو برباد کردیا، حضرت عمرؓ نے اُسی وقت اُسکو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے۔[1] تمام ممالک مفتوحہ میں نہریں جاری کیں۔ اور بند باندھنے، تالاب تیار کرانے، پانی کے تقسیم کرنے کے دہانے بنانے، نہروں کے شعبے نکالنے، اِس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ا لاکھ ۲۰ ہزار مزدور روزانہ سال بھر اِس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے[2]۔ خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں جزر بن معاویہ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہریں کھدوائیں جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہوگئیں۔ اسی طرح اور سیکڑوں نہریں تیار ہوئیں جن کا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔ محکمہ آبپاشی

خراجی اور عشری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی یعنی خراجی اور عُشری۔ خراجی کا بیان اوپر گزر چکا، عُشری اُس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھیں اور جس کے اقسام حسب ذیل تھے۔

(۱) عرب کی زمین جس کے قابضین اوائل اسلام میں مسلمان ہوگئے تھے مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔

(۲) جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی مثلاً وہ لاوارث مرگیا، یا مفرور ہوگیا، یا بغاوت کی، یا استعفیٰ دے دیا۔

(۳) جو افتادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی اور اُس کو کوئی مسلمان آباد کرلیتا تھا۔

ان اقسام کی تمام زمینیں، عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا وُہ زکوٰۃ کی مد میں داخل تھا، اِس لئے اِن زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جس کی مقدار اصل پیداوار کا، دسواں حصہ ہوتا تھا، یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلعم نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی قائم رہی، حضرت عمرؓ نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اگر وہ ذمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں، تو اُن

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۸۔ [2] مقریزی صفحہ ۶، جلد اوّل۔

پر خراج مقرر کر دیا، چنانچہ اِس قسم کی زمینیں، عبداللہ بن مسعود و خباب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور اُن سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور اگر خود مسلمان نئی نہر یا نیا کنواں کھود کر اُس کی آبپاشی کرتے تھے تو اس پر رعایۃً عشر مقرر کیا جاتا تھا۔ ۱

مسلمانوں کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی ناانصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے، لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے، اوّلاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں مثلاً مویشی پر زکوٰۃ۔ گھوڑوں پر زکوٰۃ۔ روپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمّی اِن محصولوں سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اِس بنا پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی، اِس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عُشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی، یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا، بخلاف اِس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی، اور وقتاً فوقتاً اس پر عملدرآمد بھی ہوتا تھا، اِس کے علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا بخلاف اِس کے عُشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ عُشر وصول کیا جاتا تھا۔

اور قسم کی آمدنیاں

خراج و عُشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے وہ حسب ذیل تھے۔ زکوٰۃ، عُشور، جزیہ، مالِ غنیمت کا خمس۔ زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائداد یا آمدنی اِس سے مستثنیٰ نہ تھی یہاں تک کہ بھیڑ، بکری، اونٹ، سبھی پر زکوٰۃ تھی، زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام، خود جناب رسول اللہؐ کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو اضافہ ہوا، یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر

گھوڑوں پر زکوٰۃ

۱ کتاب الخراج صفحہ ۳۵ و صفحہ ۳۴

ہوئی حالانکہ آنحضرتؐ نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا۔ لیکن اس سے عیاذاً باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ نے جناب رسولؐ اللہ کی مخالفت کی۔ آنحضرتؐ نے جو الفاظ فرماتے تھے، اُس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ نے اسی مفہوم کو قائم رکھا، آنحضرتؐ کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے اُن کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی، بہرحال زکوٰۃ کی مد میں یہ ایک نئی آمدنی تھی اور اوّل حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔ عُشور، خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے جسکی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے اُن سے وہاں کے دستور کے موافق مالِ تجارت پر فی صدی ۱۰ روپیہ ٹیکس لیاجاتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ سے اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اِن مُلکوں کے تاجر جو ہمارے ملک میں آئیں اُن سے بھی اِسی قدر محصول لیا جائے۔ منبج کے عیسائیوں نے جو اُس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمرؓ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عُشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے، حضرت عمرؓ نے منظور کرلیا اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کردیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا۔ یعنی حربیوں سے فی صدی ۱۰۔ ذمیوں سے ۵۔ مسلمانوں سے ڈھائی۔ لیاجاتا تھا، رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے تمام ممالکِ مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کرکے اِس کا ایک خاص محکمہ قائم کردیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہوگئی، یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیاجاتا تھا اور اس کی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی، یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں جاہے مال لیجائے اُس سے دوبارہ محصول نہیں لیاجاتا تھا، یہ بھی قاعدہ تھا کہ دو سَو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیاجاتا تھا، حضرت عمرؓ نے محصلوں کو یہ بھی تاکید کردی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عُشر لیاجائے یعنی کسی کی اسباب کی تلاشی نہ کی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئے گی۔

marfat.com

صیغۂ عدالت

محکمۂ قضا

یہ صیغہ بھی اسلام میں حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدّن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغۂ عدالت، انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دُنیا میں جہاں جہاں حکومت وسلطنت کے سلسلے قائم ہوتے مدّتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک خود خلیفۂ وقت اور افسرانِ مُلکی قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ابتدا میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہولیتا۔ ہر صیغے کا اجرا، رعب و داب کا محتاج رہتا ہے۔ اس لئے فصلِ قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جس کو فصلِ قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ جو شخص بااثر اور صاحبِ عظمت نہ ہو، قاضی نہ مقرر کیا جائے[1]، بلکہ اسی بنا پر عبداللہ بن مسعود کو فصلِ قضایا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے قضا کا صیغہ بالکل الگ کر دیا اور تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، اور قاضی مقرر کئے۔ اس کے ساتھ قضا کے اُصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابوموسیٰ اشعری گورنرِ کوفہ کے نام تھا اور جس میں صیغۂ عدالت کے تمام اُصولی احکام درج تھے۔ ہم اُس کو بعینہٖ اس مقام پر نقل کرتے ہیں[2]۔ رومن امپائر کے دوازدہ گانہ

---

[1] اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع۔

[2] اس فرمان کو علامہ ابواسحٰق شیرازی نے طبقات الفقہا میں اور علامہ بیہقی و ماوردی و جاحظ، و ابن عبدربہ، اور بہت سے محدثین و مورخین نے نقل کیا ہے۔

marfat.com

قواعد[1] جو رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کئے جاتے ہیں، اور جن کی نسبت سیسرو، روم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین، تمام فلاسفروں کی تصنیفات سے بڑھ کر ہیں، وہ بھی ہمارے سامنے ہیں، ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

---

[1] سنہ ۴۵۱ قبل مسیح۔ رومن امپائر نے یونان میں سفرا بھیجے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئین اور سلطنت کے لئے ایک مستقل قانون بنائیں۔ یہ سفرا یونان گئے اور وہاں سے واپس آکر ایک دستور العمل تیار کیا جس میں بارہ امور انتظامی پر بارہ بارہ قاعدے تھے۔ یہ تمام قواعد سیسہ کی تختی پر کندہ کئے گئے اور مدت تک رومن امپائر کا وہی شاہی قانون رہا۔ اس میں صیغۂ قضا کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہیں:۔

رومن امپایر کے قواعد عدالت

(۱) جب تم عدالت میں طلب کئے جاؤ تو فوراً فریق مقدمہ کے ساتھ حاضر ہو۔

(۲) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم گواہ پیش کرو تاکہ وہ جبراً حاضر کیا جائے۔

(۳) مدعا علیہ بھاگنا چاہے تو تم اُس کو پکڑ سکتے ہو۔

(۴) مدعا علیہ بیمار یا بوڑھا ہو تو تم اسکو سواری دو۔ ورنہ اُس پر حاضری کے لئے جبر نہیں کیا جا سکتا۔

(۵) مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو تم اُسکو چھوڑ دو۔

(۶) دولتمند کا ضامن دولتمند ہونا چاہیئے۔

(۷) جج کو فریقین کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہیئے۔

(۸) جج صبح سے دوپہر تک مقدمہ سُنے گا۔

(۹) فیصلہ۔ دوپہر کے بعد۔ فریقین کی حاضری میں ہوگا۔

(۱۰) مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی۔

(۱۱) فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو ان کو ضامن دینا چاہیئے۔

(۱۲) جو شخص گواہ نہیں پیش کر سکتا۔ مدعا علیہ کے دروازے پر دعوے کو۔ پکار کر کہے۔

یہ قواعد ہیں جسکو یاد کر کے یورپ۔ رومن امپائر پر ناز کرتا ہے۔

marfat.com

حضرت عمرؓ کا فرمان بعبارتہا ذیل میں درج ہے۔

قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحریر

اما بعد فان القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة سو بين الناس في وجهك ومجلسك وعدلك حتى لا ييأس الضعيف من عدلك ولا يطمع الشريف في حيفك البينة على من ادعى واليمين على من انكر والصلح جائز الا صلحا احل حراما او حرم حلالا۔ لايمنعك قضاء قضية بالامس فراجعت فيه نفسك ان ترجع الى الحق۔ الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة واعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذلك واجعل لمن ادعى بينة امدًا ينتهي اليه فان احضر بينة اخذت له بحقه والا وجهت القضاء عليه۔ والمسلمون عدول بعضهم على بعض الا مجلودا في حد او مجربا في شهادة زور او ظنينا في ولاء او وراثة۔

خدا کی تعریف کے بعد۔ قضا ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنے مجلس میں، اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کمزور، انصاف سے مایوس نہ ہو، اور زور دار کو تمہاری رورعایت کی اُمید نہ پیدا ہو، جو شخص دعویٰ کرے اس پر بارِ ثبوت ہے۔ اور جو شخص منکر ہو اُس پر قسم۔ صلح جائز ہے بشرطیکہ اُس سے حرام، حلال۔ اور حلال، حرام نہ ہونے پائے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اُس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلے میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر غور کرو اور پھر غور کرو۔ اور اُس کی مثالوں اور نظیروں پر خیال کرو، پھر قیاس لگاؤ۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اُس کے لئے ایک میعاد مقرر کرو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اُس کا حق دلاؤ۔ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں باستثنائے اُن اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں دُرّے لگائے گئے ہوں۔ یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو۔ یا ولا اور وراثت میں مشکوک ہوں۔

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیئے۔

marfat.com

(۲) بارِ ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

(۳) مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائے گی۔

(۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلافِ قانون ہے اُس میں صُلح نہیں ہوسکتی ہے۔

(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس میں نظرِ ثانی کر سکتا ہے۔

(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہیئے۔

(۷) تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ یکطرفہ فیصل کیا جائے گا۔

(۸) ہر مسلمان قابلِ ادائے شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت ہو وہ قابلِ شہادت نہیں۔

صیغۂ قضا کی عمدگی یعنی فصلِ خصومات میں پورا عدل وانصاف تین باتوں پر موقوف ہے۔

(۱) عمدہ اور مکمل قانون جس کے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔

(۲) قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔

(۳) وہ اُصول اور آئین جن کی وجہ سے حکام، رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب سے فصلِ خصومات میں رو رعایت نہ کرنے پائیں۔

(۴) آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا، تاکہ مقدمات کے انفصال میں حرج نہ ہونے پائے۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام اُمور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا تھا۔ قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی، اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید موجود تھا، البتہ چونکہ اس میں جزئیات کا احاطہ نہیں، اس لئے حدیث واجماع وقیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ نے قضاۃ کو خاص طور پر اس کی ہدایت لکھی، قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں، اوّل قرآنِ مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو، تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو اجماع (کثرت رائے)، کے مطابق

marfat.com

اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔[1]

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو مشکل اور مہم مسائل کے متعلق فتاویٰ لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ آج اگر اُن کو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے لیکن ہم اس موقع پر ان کا استقصا نہیں کر سکتے، اگر کوئی چاہے تو کنز العمال اور ازالۃ الخفا وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاوے مذکور ہیں۔

قضاۃ کا انتخاب

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اُس کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ پایۂ تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی۔ زید بن ثابتؓ[2] تھے جو رسول اللہ کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے۔ وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقہیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام ابن سیرین رحؒ نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کئے ہیں[3]، فلسطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے جو منجملہ اُن پانچ شخصوں کے ہیں جنہوں نے رسول اللہ کے عہد میں تمام قرآن حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان کو اہل صُفّہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمرؓ اُن کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ نے ان کے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو امیر معاویہ کی ماتحتی سے

---

[1] کنز العمال صفحہ ۱۷۴، جلد ۳۔ مسند دارمی میں بھی یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے چنانچہ اُس کی اصلی عبارت یہ ہے عن شریح ان عمر بن الخطاب کتب الیہ ان جاءک شیئ فی کتاب اللہ فاقض بہ فان جاءک مالیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ فاقض بہا فان جاءک مالیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنۃ رسول اللہ ولم یتکلم فیہ احد قبلک فاختر ای الامرین شئت۔ ان شئت ان تجتہد برایک ثم تقدم فتقدم وان شئت تاخر فتاخر ولا اری التاخر الا خیرا لک۔

[2] اخبار القضاۃ میں ہے، ان عمر استعمل زیدا علی القضاء وفرض لہ رزقا۔ [3] دیکھو اسد الغابہ فی احوال الصحابہ۔ واستیعاب قاضی بن عبد البر تذکرہ کعب بن سور الازدی۔

marfat.com

الگ کرلیا۔[1]

حضرت عمرؓ کے زمانے کے حکام عدالت

کوفہ کے قاضی عبداللہ بن مسعود تھے جن کا فضل وکمال محتاجِ بیان نہیں، فقہِ حنفی کے مورثِ اول وہی ہیں۔ عبداللہ بن مسعود کے بعد ۱۹ سنہ ھ میں قاضی شریح مقرر ہوئے وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے لیکن اِس قدر ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا، چنانچہ ان کا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ ان کو اقضی العرب کہا کرتے تھے، ان بزرگوں کے سوا جمیل بن معمر الجمحی۔ ابومریم الحنفی۔ سلمان بن ربیعۃ الباہلی۔ عبدالرحمٰن بن ربیعۃ۔ ابوقرۃ الکندی۔ عمران بن الحصین۔ جو حضرت عمر کے زمانے کے قُضاۃ ہیں۔ ان کی عظمت وجلالت شان، رجال کی کتابوں سے معلوم ہوسکتی ہے۔

قاضی۔ اگرچہ حاکمِ صوبہ یا حاکمِ ضلع کا ماتحت ہوتا تھا اور اِن لوگوں کو قُضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا، تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کرکے بھیجتے تھے۔ انتخاب کے لئے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمر اِس پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر عملی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قضاۃ کا امتحان کے بعد مقرر ہونا

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھاکر داغی ہوگیا۔ حضرت عمر نے اُس کو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا، اِس پر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کئے گئے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری لی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے، ورنہ نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے اور اُسی وقت شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کردیا۔[2] کعب بن سور الازدی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گزرا۔

---

[1] استیعاب قاضی ابن عبدالبر۔ [2] کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاۃ ۱۲

ناجائز وسائلِ آمدنی کے روکنے کے لئے بہت سی بندشیں کیں۔

رشوت سے محفوظ رکھنے کے وسائل

(۱) تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچ سو درہم ماہوار تھی[۱]۔ اور یہ تعداد اُس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

(۲) قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولتمند اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابوموسیٰ اشعری گورنرِ کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ لکھی کہ "دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب وداب کا اثر نہ ہوگا۔"[۲]

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اُصول ہے جو مدّتوں کے تجربے کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی ایوانِ عدالت میں شاہ و گدا، امیر و غریب، شریف و ذلیل، سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمر کو اِس کا اِس قدر اہتمام تھا کہ اِس کے تجربہ اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت میں فریقِ مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ اِن میں اور اُبی بن کعب میں کچھ نزاع تھی۔ ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت عمر مدعاعلیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تعظیم دی۔ حضرت عمر نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر اُبی کے برابر بیٹھ گئے۔ زید کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمر کو دعویٰ سے انکار تھا۔ اُبی نے قاعدے کے موافق حضرت عمر سے قسم لینی چاہی، لیکن زید نے اُن کے رتبے کا پاس کر کے اُبی سے درخواست کی کہ امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر اِس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا

۱؎ فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۳۴۲ ۲؎ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع۔

marfat.com

کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔"

قضاۃ اور اُن کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمرؓ نے جس قسم کے اُصول اختیار کیے اُس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کے عہدِ خلافت میں بلکہ بنوامیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و ناانصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابوہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بردہ تھے۔ (یہ بنوامیہ کے زمانے میں تھے)۔

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع، قاضی سے خالی نہیں تھا۔ اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطورِ خود فیصل کر لیا کریں اس لئے اسلامی عدالتوں میں اُن کے مقدمات کم آتے تھے اور اس بنا پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہر حال کافی تھا۔ آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا

صیغہ قضا اور خصوصاً اصولِ شہادت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو نادر باتیں ایجاد کیں اور جن کا بیان اُن کے اجتہادات کے ذکر میں آئے گا، ان میں ایک ماہرینِ فن کی شہادت تھی یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اس میں خاص اُس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔ ماہرین فن کی شہادت مثلاً حُطیہ نے زبرقان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی، زبرقان نے حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمہ رجوع کیا چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرزِ ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حسّان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بُلا کر پوچھا اور اُن کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اسی طرح اشتباہ نسب کی صورت میں حلیہ شناسوں کے اظہار لیے۔ چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہیں۔

فصلِ خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اُصول مقرر کئے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا۔

marfat.com

تھا، ورنہ سب سے مقدم ان کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب مُلکوں نے انصاف اور دادرسی کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے کہ داد خواہوں کو دعوے سے باز آنا اُس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اُصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمرؓ کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔ یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لئے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعمیم اور اجازتِ عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صَرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا، عدالت کے دروازے پر کسی قسم کے رُوک ٹوک نہ تھی۔ تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور بتبذل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اُس سے نرمی اور کشادہ روئی سے پیش آئیں تاکہ اظہارِ مُدعا میں اُس پر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

عدالت کا آسان ہونا
مکان

اِفتاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغازِ اسلام میں قائم ہوا اور جس کی مثال، اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اُصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیئے کہ قانون سے واقف ہے، یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جُرم کرے تو اُس کا یہ عذر کام نہیں آسکتا کہ وہ اِس فعل کا جُرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دُنیا میں مسلّم ہے اور حال کے ترقی یافتہ مُلکوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔ بے شبہ یہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اس کے لئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی، یورپ میں تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے تو اُس کے لئے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اس کا

marfat.com

ایک خاص محکمہ تھا جس کا نام محکمۂ افتا تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون دان یعنی فقہا ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کرسکتا تھا، اُن پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ ان مسائل کو بتائیں۔ اس صورت میں گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہوسکتا تھا اور اس لئے کوئی شخص یہ عُذر نہیں کرسکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل رہا زمانۂ مابعد بلکہ اُن سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی نہیں رہا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے کے مفتی۔

اس طریقے کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ افتا کے لئے نامزد کر دیئے جائیں۔ تاکہ ہر کس و ناکس۔ غلط مسائل کی ترویج نہ کرسکے۔ حضرت عمرؓ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگوں کو اُنہوں نے افتا کی اجازت دی مثلاً حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، معاذ بن جبل، عبدالرحمٰن بن عوف۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت۔ ابوہریرۃ۔ ابو درداؓ۔ وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتوے دینے کے مجاز نہ تھے، شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں "سابق وعظ و فتوے موقوف بود بر رائے خلیفہ۔ بدون امر خلیفہ وعظ نمی گفتند و فتوے نمی دادند و آخر بغیر توقف بر رائے خلیفہ وعظ می گفتند و فتوے می دادند"[1] تاریخوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتویٰ کی اجازت نہ تھی اُنہوں نے فتوے دیئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو منع کر دیا چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود کیساتھ بھی یہ واقعہ گزرا[2]۔ بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ سے بارہا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتوے دیا؟ اور جب اُنہوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے۔"

[1] کتاب مذکور صفحہ ۱۳۰۔ [2] مسند دارمی و ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۰۔

marfat.com

دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضرور ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے اُسوقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جن سے بڑھ کر اعلانِ عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا حضرت عمر نے بارہا اس کا اعلان کیا۔ شام کے سفر میں بمقام جابیہ۔ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اُس میں یہ الفاظ بھی فرماتے۔

من اراد القرآن فلیات ابیا ومن اراد	یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو اُبی بن کعب کے پاس
ان یسال الفرایض فلیات زیداً ومن	اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس۔
اراد ان یسال عن الفقہ فلیات معاذا	اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔

فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے، مقدمات فوجداری، کے لئے حضرت عمر نے کوئی جدا محکمہ نہیں قائم کیا، بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا، اور سرقہ۔ قضاۃ کے ہاں فیصل ہوتے تھے، اور ابتدائی قسم کی تمام کاروائیاں پولیس سے متعلق تھیں، پولیس کا صیغہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اُس وقت اس کا نام اَحداث تھا چنانچہ افسر پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے، بحرین پر حضرت عمر نے قدامہ بن مظعون اور حضرت ابوہریرہ کو مقرر کیا تو قدامہ کو تحصیل مالگذاری کی خدمت دی اور حضرت ابوہریرہ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے، احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دکاندار ترازو میں دھوکا نہ دینے پائیں، کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام اُمور کا کافی انتظام تھا اور اس کے لئے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہو گیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں، کنز العمال میں جہاں ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر نے بازار کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن عتبہ کو مقرر کیا تھا وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمر کا یہ فعل عہدہ احتساب کا ماخذ ہے،

marfat.com

جیلخانے کی ایجاد

اس صیغے میں حضرت عمرؓ کی ایک ایجاد یہ ہے کہ جیل خانے بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں، حضرت عمرؓ نے اوّل مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اُس کو جیل خانہ بنایا[1]۔ پھر اور اضلاع میں بھی جیلخانے بنوائے علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا[2]، اُس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے لیکن دورِ خلافت کے بعد قاضی شریح مدیونوں کو بھی قید کی سزا دیتے تھے اور جیل خانے میں بھجواتے تھے۔

جیلخانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاؤں میں بھی تبدیلی ہوئی مثلاً ابو محجن ثقفی باربار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

جلاوطنی کی سزا

جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے چنانچہ ابو محجن کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی اور ایک جزیرہ میں بھیجدیا تھا[3]۔

بیتُ المال (یا) خزانہ

بیت المال پہلے نہ تھا

یہ صیغہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آں حضرتؐ کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جسکی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرتؐ نے یہ کُل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کردی حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ قائم نہیں کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اُسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا چنانچہ پہلے سال ۱۰۔۱۰ درہم اور دوسرے سال ۲۰۔۲۰ درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاوایل اور ابن سعد کی روایت

---

[1] مقریزی جلد دوم صفحہ ۱۸۷ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۳

[3] اسد الغابہ ذکر ابو محجن ثقفی۔

ہے، ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کرلیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا تھا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

بیت المال کس سنہ میں قائم ہوا

تقریباً ۱۵ھ میں حضرت ابوہریرہ کو حضرت عمر نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے، حضرت عمر نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم کثیر، بحرین سے آئی ہے، آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے، حضرت علیؓ نے رائے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کی سال تقسیم کر دی جائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمان نے اس کے خلاف رائے دی، ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطینِ شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔"[1]

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمر نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دار الخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا اور چونکہ اس کی نگرانی اور حساب وکتاب کے لئے نہایت قابل

بیت المال کے افسر

اور دیانت دار آدمی کی ضرورت تھی عبداللہ بن ارقم کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے، خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ ان کے ماتحت مقرر کئے جن میں سے عبدالرحمان بن عبید القاری اور معیقب بھی تھے۔ معیقب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ کے انگشتری بردار تھے اور اس وجہ سے ان کی دیانت اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔[2]

دار الخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے لیکن بیت المال

---

[1] فتوح البلدان از صفحہ ۴۴۸ تا ۴۶۱ [2] کتب رجال میں معیقب کا تذکرہ دیکھو ۱۲

marfat.com

کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے۔ مثلاً اصفہان میں خالد ابن حرث اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود، خاص خزانہ کے افسر تھے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں، کوفہ میں بیت المال کے لئے اول ایک محل تعمیر ہوا جس کو روزبہ ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور جس کا مصالحہ خسروانِ فارس کی عمارت سے آیا تھا لیکن جب اُسمیں نقب کے ذریعے سے چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سعد وقاص کو لکھا کہ مسجد کی عمارت؛ بیت المال سے ملادی جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہے گی اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا۔ چنانچہ سعد وقاص کے حکم سے روزبہ نے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی۔ اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہوگیا۔[1]

بیت المال کی عمارتیں

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ و زبیر حضرت علیؓ سے باغی ہوکر بصرہ میں آئے اور خزانے پر قبضہ کرنا چاہا تو سیابجہ کے ۴۰ سپاہی خزانے کے پہرے پر متعین تھے اور انہوں نے طلحہ اور زبیر کے ارادے کی مزاحمت کی۔ سیابجہ کی نسبت اسی مورخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہوکر آتے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے، حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہوگئی اور ابوموسیٰ نے ان کو بصرہ میں آباد کرایا،،[2]

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے ان کا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لئے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی چنانچہ اُس کے متعلق عُمّال کے نام حضرت عمرؓ کے تاکیدی احکام آتے رہتے تھے۔[3] یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے

[1] یہ تمام تفصیل تاریخ طبری ذکر آبادی کوفہ میں ہے [2] فتوح البلدان از صفحہ ۳۷۳ تا ۳۷۶ [3] عمرو بن العاص

گورنر مصر کو جو فرمان لکھا تھا اسمیں یہ الفاظ تھے۔ فاذا حصل الیک وجمعتہ اخرجت عطاء المسلمین وما یحتاج الیہ مما لابد منہ ثم انظر فیما فضل بعد ذلک فاحملہ الیّ (کنز العمال بحوالہ ابن سعد۔ جلد ۳ صہ ۱۶۳)

marfat.com

خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی، مورخ یعقوبی کی تصریح سے اس قدر معلوم ہے کہ دار الخلافہ کے خزانے سے۔ خاص دار الخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اُس کی تعداد تین کرور سالانہ تھی۔

جو رقم دار الخلافہ کے خزانہ میں رہتی تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمر کو جو اہتمام تھا اُس کے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جن کی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

پبلک ورک یا نظارت نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانۂ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اسکے لئے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصر و شام میں اِس کا ترجمہ نظارت نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغے میں مفصلۂ ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمارات۔ نہریں۔ سڑکیں۔ پُل۔ شفاخانے حضرت عمر کے زمانے میں اِس کے لئے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفاخانوں کے سوا اِس صیغے کے متعلق اور جتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منتظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لئے۔ حضرت عمر نے جس قدر نہریں تیار کرائیں اُن کا مختصر حال ہم صیغۂ محاصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص نہ تھیں۔

نہر ابی موسیٰ۔ یہ نہر ۹ میل لمبی تھی جس کی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈیپوٹیشن کے طور پر حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے، حضرت عمر نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ ان میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے نہایت پُر اثر تقریر

متفرق نہریں جو حضرت عمرؓ نے تیار کرائیں۔

لے عمرو بن العاص گورنر مصر کو جو فرمان لکھا تھا اس میں یہ الفاظ تھے فاذا حصل ایک دجبة اخرجت عطاء المسلمین وما یحتاج الیہ مما لا بد منہ ثم انظر فیما فضل بعد ذلک فاحملہ الیّ دکنز العمال بحوالۂ ابن سعد۔ جلد ۳ صفحہ ۱۶۳

یں جو کتابوں میں بالفاظہا منقول ہے اِس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی ۶ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت ابوموسیٰ اشعری کے نام اِس مضمون کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوادی جائے چنانچہ دجلہ سے ۹ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جس کے ذریعے سے گھر گھر پانی کی افراط ہوگئی۔[1]

نہر معقل یہ ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے اذا جاء نہر اللہ بطل نہر معقل۔ یہ نہر بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اِس کی تیاری کا اہتمام معقل بن یسار کو سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لئے اُنہی کے نام سے مشہور ہوگئی۔ نہر معقل

نہر سعد اس نہر کے لئے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد وقاص (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی، سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا، اُنہوں نے بڑے اہتمام سے کام لگایا لیکن کچھ دُور تک پہنچکر ایک پہاڑ بیچ میں آگیا اور وہیں چھوڑ دی گئی۔ پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر بقیہ کام پورا کیا تاہم نہر سعدی کے نام سے مشہور ہوئی۔ نہر سعد

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمرؓ کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیرالمؤمنین کے نام سے مشہور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملادیا گیا تھا۔ اِس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸ھ میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلہ اور اناج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دُور دراز تھا۔ اِس لئے غلہ کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی۔ حضرت عمرؓ نے اِن دقتوں پر خیال کرکے عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر دارالخلافہ میں حاضر ہو، جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل اگر سمندر سے ملادیا جائے تو عرب میں نہر امیرالمؤمنین

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۶، ۳۵۷ میں اِس کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ جغرافیہ بشاری میں بھی اس کا ذکر ہے۔۱۲

marfat.com

قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہوگا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلّہ کا آنا دقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جاکر کام شروع کر دیا اور فسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی۔ اس ذریعے سے دریائے نیل جو فسطاط کے نیچے بہتا ہے بحر قلزم میں مل گیا۔ جہازات، نیل سے چلکر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جار پہنچکر لنگر کرتے تھے جو مدینہ منوّرہ کا بندرگاہ تھا۔ یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے میں بن کر تیار ہوگئی، چنانچہ پہلی ہی سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلّہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کے بندرگاہ میں آئے، یہ نہر مدّتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقّی ہوئی، عمر بن عبدالعزیز کے بعد۔ عمّالوں نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا سے اَٹ گئی یہاں تک کہ مقام ذنب التمساح تک آکر بالکل بند ہوگئی۔ ۱۰۵ھ میں منصور عبّاسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اُسکو بند کر دیا لیکن بعد کو پھر جاری ہوگئی اور مدّتوں تک جاری رہی[1]۔

ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہِ راست ملا دینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کرلی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہاں سے بحر روم و بحرِ قلزم میں صرف ۷۰ میل کا فیصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے۔ لیکن حضرت عمر کو جب ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراضامندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی، جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑا لیجائیں گے[2]۔ اگر عمرو بن العاص کو اجازت مل ہوتی تو نہر سویز کی ایجاد کا فخر درحقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

عمارات جو حضرت عمر نے تعمیر کرائیں تین قسم کی تھیں۔

---

[1] یہ تفصیل حسن المحاضرہ سیوطی صفحہ ۹۳، ۹۴ و مقریزی جلد اول صفحہ ۷۱۔ و جلد دوم صفحہ ۱۳۹ تا ۱۴۰ میں ہے۔

[2] تقویم البلدان ابو الفداء صفحہ ۱۰۶۔

marfat.com

(۱) مذہبی۔ جیسے مساجد وغیرہ۔ اِن کا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صیغے میں آئے گا۔ یہاں اس قدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

(۲) فوجی۔ جیسے قلعے، چھاؤنیاں۔ بارکیں، اِن کا بیان فوجی انتظامات کے بیان میں آئیگا۔

(۳) ملکی۔ مثلاً دارالامارۃ وغیرہ۔ اِس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن ان کی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حضرت عمرؓ نے جو عمارتیں تیار کرائیں

(۱) دارالامارۃ۔ یعنی صوبجات اور اضلاع کے حکّام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں اُن کا دفتر رہتا تھا، کوفہ و بصرہ کے دارالامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ دارالامارہ

(۲) دیوان۔ یعنی جہاں دفتر کے کاغذات رہتے تھے۔ فوج کا دفتر بھی اِسی مکان میں رہتا تھا۔ دفتر

(۳) بیت المال یعنی خزانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گزر چکا۔ خزانہ

(۴) قید خانے۔ مدینہ منوّرہ کے قید خانے کا حال، صیغۂ پولیس کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا وہ دارالامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔ قید خانے

(۵) مہمان خانے۔ یہ مکانات اسلئے تعمیر کئے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لئے شہر میں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو مہمان خانہ بنا اِس کی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے امر عمران یتخذ لمن یرد من الافاق دارًا فکانوا ینزلونھا[۱]۔ مدینہ منوّرہ کا مہمان خانہ ۱۷ھ میں تعمیر ہوا چنانچہ ابن حبّان نے کتاب الثقات میں اِس کا تذکرہ کیا ہے۔ مہمان خانے

اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ

۱ے فتوح البلدان صفحہ ۲۷۴ ۲ے فتوح البلدان صفحہ ۲۷۸

marfat.com

بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں اسلام فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانۂ مابعد میں جو کچھ ہوا ہوا لیکن اُس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا۔ اور حضرت عمرؓ کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اِس کے علاوہ اِسوقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ اُس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونہ پتھر کے بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی تو عام ناراضی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپے کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوانِ حکومت بھی اِسی حیثیت کا تھا[1]۔ البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں کا انتظام

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مفتوحہ قوموں[2] سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پُل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائے گی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے شام فتح کیا تو شرائطِ صلح میں یہ امر بھی داخل تھا۔

مکۂ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیاں اور سرائیں

مکۂ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہِ خلائق تھا لیکن اِس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمرؓ ۱۷ھ میں جب مکۂ معظمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لیکر مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں اور سرائیں اور چشمے تیار ہوئے[3]۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں و از آں جملہ آنکہ سالے بقصد عمرہ بہ مکہ محترمہ

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۴۷ [2] کتاب الخراج صفحہ ۸۰ میں ہے وعلی ان علیہم ارشاد الضال وبناء القناطر علی الانہار من اموالہم تاریخ طبری واقعات سنہ ۱۶ھ صفحہ ۲۴۷۰ میں سڑک اور پُل دونوں کا ذکر ہے ۱۲

[3] طبری صفحہ ۲۵۲۹ و بلاذری صفحہ ۵۳۔

توجہ فرمودند نزدیک مراجعت امر فرمود تا در منازلے کہ ما بینِ حرمین واقع اند سایہا و پناہہا سازند و ہر جا ہیکہ اینا شتہ شدہ باشد آں را پاک کنند، وصاف نمایند و در منازلِ کم آب چاہہا راکنند تا بر حجاج باستراحت تمام قطعِ مراحل میسّر شود"

شہروں کا آباد کرنا

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوتے وہ جن ضرورتوں سے آباد ہوتے اور جو خصوصیتیں اُن میں پیدا کی گئیں اُن کے لحاظ سے ہر شہر، تاریخِ اسلام کا ایک صفحہ کہا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بصرہ و کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے۔ عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی، **نحو** کے اصلی دارالعلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگِ بنیاد کوفہ ہی میں رکھا گیا۔ اِن اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزوں نہ ہوگا۔

اس کتاب کے پہلے حصّے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے مطمئن رہنے کے لئے حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان کو متعین کیا کہ بندرگاہ ابلہ کے قریب جہاں بحر فارس کے خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسائیں، زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمرؓ نے بتا دیا تھا، عتبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوتے اور خُریبہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے بصرہ یہاں پہلے کفدست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکریلی تھی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان تھا، عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عُتبہ نے بنیاد کی داغ بیل ڈالی، اور مختلف قبائل کے لیے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھانس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن دلف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو اُتارنا مناسب ہو اُتاریں۔ خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوانِ حکومت جس کے ساتھ

marfat.com

دفتر اور قید خانہ کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا۔ ۱۷ھ میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن وقاص نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمرؓ کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ پختہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔

بصرہ[1] سے دریائے دجلہ دس میل پر ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے چنانچہ اس کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پبلک ورک کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے زمانہ حکومت میں، صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور اُن کی آل اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔

یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی اُس کا اندازہ اس سے کرنا چاہیئے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی، دُنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جس کا نام کتاب العین ہے اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتدا ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

کوفہ — دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے

---

[1] بصرہ کی وجہ تسمیہ عموماً اہل لغت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور یہاں کی زمین اسی قسم کی تھی لیکن معجم البلدان میں ایک مجوسی فاضل کا قول جو نقل کیا ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس کے نزدیک اصل میں یہ لفظ بس راہ تھا جس کے معنی فارسی میں وہ بہت سے راستوں کے ہیں چونکہ یہاں سے بہت سی راہیں ہر طرف کو تھیں اس لئے اہل عجم اسکو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ اسکی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ اس کے آس پاس شاہان عرب نے جو عمارتیں تیار کرائیں تھیں اُن کے نام بھی دراصل فارسی رکھے تھے مثلاً خورنق جو دراصل خورنگاہ ہے اور سدیر جو دراصل سہ دز ہے ۱۲

marfat.com

تو سعد وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ اہل عرب کو وہاں کی آب و ہوا راس نہیں آ سکتی۔ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جو برّی و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو چنانچہ سلمان و حذیفہ نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے۔ کوفہ کی زمین انتخاب کی، یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اس کا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرماں روا تھا ان کا پایۂ تخت یہی مقام تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورنق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں، منظر نہایت خوشنما اور دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خدّ العذرا، یعنی عارض محبوب کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی پھولوں مثلاً اُقحوان، شقایق، قیصوم، خزامی۔ کا چمن زار تھا۔

غرض ۱۷ھ میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہائے عام ۴۰۔ ۴۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰، ۳۰ ہاتھ اور ۲۰، ۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷، ۷ ہاتھ چوڑی ہوں جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دیکر بنائی گئی تھی اسقدر وسیع تھی کہ اسمیں ۴۰ ہزار آدمی آسکتے تھے اسکے ہر چہار طرف دُور دُور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ عمارتیں اوّل گھاس پھوس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا جو دو سو ہاتھ لمبا تھا اور سنگِ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا جو نوشیروانی عمارات سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل، نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصولِ سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہوسکتا تھا تو خلیفۂ وقت ہوتا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل و انصاف تھا

marfat.com

کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی یعنی اُن کی تخمینی جو قیمت ٹھہری وہ اُن کے جزیہ میں مجرا دی گئی۔ مسجد سے دو سو ہات کے فاصلے پر ایوانِ حکومت تعمیر ہوا جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور اُن کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔ چند دنوں کے بعد بیت المال میں چوری ہوگئی اور چونکہ حضرت عمرؓ کو ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی اُنہوں نے سعد کو لکھا کہ ایوانِ حکومت مسجد سے ملا دیا جائے۔ چنانچہ روزبہ نام ایک پارسی معمار نے جو مشہور اُستاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا نہایت خوبی اور موزونی سے ایوانِ حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزبہ کو مع اور کاریگروں کے اس صلے میں دربارِ خلافت کو روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی بڑی قدردانی کی اور ہمیشہ کے لئے روزینہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر ہر قبیلے کے لئے جُدا جُدا مسجدیں تعمیر ہوئیں جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسبِ ذیل ہیں:۔ سلیم۔ ثقیف۔ ہمدان۔ بجیلہ۔ تیم اللات۔ تغلب۔ بنو اسد۔ نخع و کندۃ۔ ازد، مزینہ، تمیم و محارب، اسد و عامر۔ بجالہ جدیلہ و اخلاط۔ جہینہ۔ مذحج۔ ہوازن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ اس کو راس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔ زمانۂ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی گئی لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے ۔ ۲۶۴ھ میں مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعۃ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے۔ اہل یمن کے ۶ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانۂ مابعد کی تغیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثارات کو قائم نہیں رکھا تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانۂ دراز تک قائم رہے۔ ابنِ بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن وقاص نے جو ایوانِ حکومت بنایا تھا اُسکی بنیاد اب بھی قائم ہے۔

marfat.com

اِس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فنِ نحو کی ابتداء یہیں ہوئی۔ یعنی ابوالاسود دیلی نے اوّل اوّل نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی۔ امام ابوحنیفہ صاحب نے قاضی ابویوسف وغیرہ کی شرکت سے **فقہ** کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث۔ فقہ۔ اور علومِ عربیت کے بڑے بڑے ائمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی۔ حماد۔ امام ابوحنیفہ۔ امام شعبی یادگارِ زمانہ تھے۔[1]

فسطاط۔ عمرو بن العاص نے جب اسکندریہ فتح کرلیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے، اُن کے مکانات خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اسی کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربارِ خلافت سے اجازت طلب کی، حضرت عمرؓ، دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسروں کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے، چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا اِس لئے اُس کو مستقر ریاست بنانا حضرت عمرؓ نے ناپسند کیا۔ فسطاط

عمرو بن العاص۔ اسکندریہ سے چل کر قصر الشمع میں آئے، یہاں اِن کا وہ خیمہ اب تک اُسی حالت سے کھڑا تھا جس کو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے، چنانچہ اسی خیمے میں اُترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لئے الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خدیج۔ شریک بن سمی۔ عمرو بن مخرم۔ حیویل بن ناشرۃ کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہاں مناسب سمجھیں آباد کریں۔ جس قدر محلّے اُس وقت تھے اور جو قبائل اُن میں آباد ہوئے ان کے نام علامۂ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر اِس کے قبلہ کی سمت متعین کی، ان صحابہ میں زُبیر۔ مقداد۔ عبادۃ۔ ابودرداء۔ اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے، یہ مسجد ۵۰ گز

---

[1] کوفہ و بصرہ کے حالات طبری۔ بلاذری۔ اور معجم البلدان سے لئے گئے ہیں۔

marfat.com

لمبی اور ۳۰ گز چوڑی تھی، تین ۳ طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دارالحکومت کے متقابل تھا اور دونوں عمارتوں میں سات گز کا فیصلہ تھا۔

عمرو بن العاص نے ایک مکان، خاص حضرت عمر کے لئے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمر نے لکھ بھیجا کہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا۔ چونکہ ـــــــــ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لئے اس کا نام **فسطاط** پڑا جس کے معنی عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا سن ۲۱ ہجری ہے۔

فسطاط کی وسعت آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کے بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں ۴۰ ہزار اہلِ عرب کے نام دفتر میں قلمبند تھے۔ مورخ قضاعی کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں یہاں ۳۶ مسجدیں ۸ ہزار سڑکیں ۱۱۷۰ حمام تھے۔ اس کی وُسعت اور ہر قسم کے سروسامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پائی تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جس نے چوتھی صدی میں دُنیا کا سفر کیا تھا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے ناسخ بغداد ومفخر الاسلام. خزانة المغرب لیس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعہ ولا احسن تجملا من اھلہ ولا اکثر مراکب من ساحلہ یعنی یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ، اور اسلام کا فخر ہے تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں۔ نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے ہیں۔

موصل

موصل: یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اُس وقت اس کی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اُس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے، حضرت عمر کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا، ہرثمہ بن عرفجہ نے اس کی بنیاد رکھی اور قبائلِ عرب کے متعدد محلے آباد کئے، ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی[۱]۔ مُلکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے

[۱] فتوح البلدان از صفحہ ۳۳۱ تا ۳۳۲

marfat.com

یعنی اس کے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اس کا نام موصل رکھا گیا۔ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دُنیا کے بڑے شہر تین ہیں، نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے، اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے، اور موصل جو مشرق و مغرب کا گذرگاہ ہے، یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اُس کو یہاں سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔

اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی چنانچہ اس کی وسعت اور عظمت کے حالات معجم البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

جیزہ — **جیزۃ** یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمرو بن العاص۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کے لیے کہ رومی، دریا کے طرف سے نہ چڑھ آئیں، تھوڑی سی فوج اس مقام میں متعین کر دی جس میں حمیر اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص نے ان لوگوں کو بلا لینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لئے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کہیں نہیں جا سکتے۔ عمرو بن العاص نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمرؓ کو دی، وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت کو دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھیجا کہ اُن کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے چنانچہ ۲۱ھ میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور ۲۲ھ میں بن کر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ "ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے، ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے" چنانچہ یہ قبیلہ اور اُن کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔

حضرت عمرؓ کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا چنانچہ

marfat.com

بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے ان میں سے بعض کے نام معجم البلدان میں مذکور ہیں۔

صیغۂ فوج

فوجی نظام رومن امپائر میں۔

اسلام سے پہلے دُنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گزر چکی تھیں جن کی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں لیکن فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منتظم اور اُصولِ سیاست کے خلاف تھا۔ روم کبیر میں جس کی سلطنت کسی زمانے میں تمام دُنیا پر چھا گئی تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا کہ مُلک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جوہر رکھتے تھے اُن کو بڑی بڑی جاگیریں دیجاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اِس قدر فوج لے کر حاضر ہوں گے۔ یہ لوگ تمام مُلک میں پھیلے ہوئے ہوتے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے، لیکن اِن فوجوں کا تعلق براہِ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا۔ اور اس وجہ سے اگر یہ لوگ کبھی عَلَم بغاوت بلند کرتے تھے تو اُن کی فوج اُن کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اِس طریقے کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے، اِس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ بیرن لوگ بھی اپنے نیچے اِس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے

فوجی نظام اور فارس میں

سلسلہ بسلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے، ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا، فارسی میں جن کو مرزبان اور دہقان کہتے ہیں وہ اِسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے۔ اِس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا تھا اور آج تو عام طور پر مُسلّم ہے کہ یہ نہایت مُرِبطل طریقہ تھا۔

فوجی نظام فرانس میں

فرانس میں ۵۱۱ءتک فوج کی تنخواہ یا روزینہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتح کی لوٹ میں جو ہاتھ آتا تھا وہی قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا، اِس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا چنانچہ اسلام کے بعد ۷۵۱ءتک یہی طریقہ جاری رہا۔

۱؎ جیزہ کے متعلق مقریزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے۔

marfat.com

عرب میں شاہانِ یمن وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منتظم بندوبست نہیں تھا، اسلام کے آغاز تک اِس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی، حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں صرف اِس قدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر ۱۰۔ ۱۰ روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا، دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد دس سے بیس[۲] تک پہنچ گئی، لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہلِ فوج کا کوئی رجسٹر بنا۔ نہ کوئی محکمۂ جنگ قائم ہوا، حضرت عمرؓ کی اوائلِ خلافت تک بھی یہی حال رہا لیکن ۱۵ھ ہی میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر منتظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اسوقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا فوجی نظام

حضرت عمرؓ کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جو بحرین کے حاکم مقرر کئے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کو اسکی اطلاع دی، پانچ لاکھ کی رقم اِس وقت اِس قدر اعجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ خیر ہے۔ کہتے کیا ہو؟ انہوں نے پھر پانچ لاکھ کہا، حضرت عمرؓ نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابوہریرہؓ نے کہا ہاں، یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمرؓ کو یقین آیا تو مجلس شوریٰ منعقد کی اور رائے پوچھی کہ اس قدر زرِ کثیر کیونکہ صرف کیا جائے؟ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ نے مختلف تجویزیں پیش کیں، ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیانِ ملک کو دیکھا ہے کہ اُن کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے، حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیبِ دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطینِ عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرینِ قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا اور یہ فارسی لفظ ہے، ۔۔ دبستان ۔ دبیر ۔ دفتر ۔ دیوان ۔ سب ایک مادہ کے الفاظ ہیں جن کا مشترک مادہ دب ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی نگاہ رکھنے کے ہیں۔

---

[۱] مقریزی صفحہ ۹۲ ۔ اور فتوح البلدان صفحہ ۴۴۹

marfat.com

بہرحال ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا، اس باب میں تمام ملک کا اُن کی سب سے زیادہ قابلِ لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ اُنہوں نے اس فوج بنانا مسئلے کو کہ ہر مسلمان فوجِ اسلام کا ایک سپاہی ہے، باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا لیکن چونکہ ابتدا میں ایسی تعمیم ممکن نہ تھی اوّل قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اُسوقت تین شخص بہت بڑے نسّاب اور حساب کتاب کے فن میں اُستاد تھے۔ مخرمہ بن نوفل، جُبیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب، علم الانساب عرب کا موروثی فن تھا۔ اور خاصکر یہ تینوںؓ بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے، حضرت عمرؓ نے ان کو بُلا کر یہ خدمت سپرد کی۔ کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب مفصلاً درج ہو، ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابوبکرؓ کا خاندان پھر حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا، یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت خودغرضی کا آلہ بن جاتی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "یوں نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے قرابت داروں سے شروع کرو اور درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر آنحضرتؐ سے دُور ہوتے گئے ہیں اسی ترتیب سے ان کے نام آخر میں لکھتے جاؤ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو"۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمرؓ کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرتؐ سے ملتا ہے، غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسبِ ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔[2]

---

[1] جاحظ نے کتاب البیان والتبیین (جلد دوم صفحہ ۷۳ مطبوعہ مصر) میں لکھا ہے کہ تمام قریش میں چار شخص استاد عرب اور انساب و اخبار کے حافظ تھے مخرمہ بن نوفل، ابوالجہم، حویطب بن عبدالعزی، عقیل بن ابی طالب ۱۲

[2] تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں۔ میں نے کتاب الخراج صفحہ ۲۴ و مقریزی جلد اوّل صفحہ ۹۲ و بلاذری صفحہ ۴۴۸ و یعقوبی صفحہ ۱۷۵ و طبری صفحہ ۲۴۱۱ کے بیانات کو حتی الامکان مطابق کر کے لکھا ہے ۱۲

تقسیم مراتب	تعداد تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگِ بدر میں شریک تھے۔	۵ ہزار درہم
مہاجرینِ حبش اور شرکائے جنگِ اُحد۔	۴ ہزار درہم
فتح مکہ کے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی۔	۳ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے۔	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگِ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔	۲ ہزار درہم
اہلِ یمن	۴۰۰ درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین۔	۳۰۰ درہم
بلا امتیازِ مراتب	۲۰۰ درہم

جن لوگوں کے نام درجِ دفتر ہوتے اُن کی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں چنانچہ مُہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولادِ ذکور کی دو دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اِس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی ان کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا پایہ تھا؟

• جس قدر آدمی درجِ رجسٹر ہوئے اگرچہ سب درحقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے

ا؎ اس موقع پر ایک امر نہایت توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام عرب کی جو تنخواہیں مقرر کیں اُسکو فوجی صیغے سے چنداں تعلق نہیں بلکہ رفاہِ عام کی غرض سے تھا، لیکن یہ نہایت غلط خیال ہے، اوّلاً تو جہاں مورخوں نے اِس واقعہ کا شانِ نزول بیان کیا ہے لکھا ہے کہ ولید بن ہشام نے حضرت عمرؓ سے کہا "قد جئت الشام فرایت ملوکھا قد دونوا دیوانا وجندوا جندا فدون دیوانا وجند جندا فاخذ بقولہ" یعنی "میں نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ وہ دفتر اور فوج رکھتے ہیں آپ بھی دفتر بنائیے اور فوج مرتب کیجئے" چنانچہ حضرت عمرؓ نے ولید کے قول

بقیہ ص۲۶۲

marfat.com

لیکن ان کی دو قسمیں قرار دی گئیں۔

(۱) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔

(۲) جو معمولاً اپنے گھروں پر رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جا سکتے تھے، ان کو عربی میں مطوعہ کہتے ہیں اور آج کل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والنٹیر کہا جاتا ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ آج کل، والنٹیر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اسمیں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں۔ سب سے بڑا خلط مبحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی رجسٹر تھا لیکن رفتہ رفتہ یعنی ۲۱ھ میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور منتظم کیا کہ غالباً اس عہد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ ط ۲۶۱) پر عمل کیا۔

دوسرے یہ کہ جن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں لی جاتی تھی اور قدیم جنگی خدمتوں کا استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے حضرت عمرؓ ان کی تنخواہ نہیں مقرر کرتے تھے اسی بنا پر مکہ کے لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ فتوح البلدان[۴۵۸] میں ہے۔ "ان عمر کان لا یعطی اہل مکۃ عطاءً ولا یضرب علیہم بعثا۔" یہی وجہ تھی کہ جب صحرانشین بدوؤں نے حضرت ابو عبیدہؓ سے تنخواہ کی تقرری کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک آبادی میں رہنے والوں کی تنخواہیں مقرر نہ ہو جائیں صحرانشینوں کا روزینہ نہیں مقرر ہو سکتا،،

البتہ اس میں شک نہیں کہ اول اول فوج کے رجسٹر میں اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے، یا کسی فن میں صاحب کمال تھے، لیکن استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ خلط مبحث جو بضرورت اختیار کیا گیا تھا مٹتا گیا چنانچہ اسی مضمون میں آگے اسکی بحث آتی ہے ۱۲۔

marfat.com

اِس صیغے میں سب سے مقدم اور اُصولی انتظام، مُلک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصّوں میں تقسیم کرنا تھا، حضرت عمرؓ نے سنہ ۲۰ھ میں فوجی اور مُلکی حیثیت سے مُلک کی دُو تقسیمیں کیں مُلکی اور فوجی۔ مُلکی کا حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا۔ **فوجی**:۔ حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دیے جن کا نام جُند[1] رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے، اُن کی تفصیل یہ ہے۔ مدینہ، کوفہ[2]۔ بصرہ[3]۔ موصل[4]۔ فسطاط[5] مصر۔ دمشق[6]۔ حمص[7]۔ اُردن[8]۔ فلسطین[9]۔ فوجی صدر مقامات

حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتوحات کی حد، اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے مِل گئی تھی لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جا سکتے تھے وہ صرف عراق، مصر، جزیرہ اور شام تھے، چنانچہ اِسی اُصول پر فوجی صدر مقامات بھی اِنہی ممالک میں قائم کئے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام قائم کرنے ضرور تھے اس لئے دمشق۔ فلسطین۔ حمص۔ اردن چار صدر مقام قرار دیئے۔ فسطاط کی وجہ سے جو اب قاہرہ سے بدل گیا ہے۔ تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ۔ کوفہ۔ یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

اِن صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لئے تھے حسب ذیل تھے۔

(۱) فوجوں کے رہنے کے لئے بارکیں تھیں۔ کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاط یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بود و باش کیلئے ہی آباد کئے گئے تھے۔ موصل میں عجمیوں کے زمانے کا ایک قلعہ اور چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہرثمہ بن عرفجۃ ازدی (گورنرِ موصل) نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اُسکو شہر کی صورت میں آباد کیا، اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لئے جُدا جُدا محلّے بسائے۔ فوجی بارکیں

---

[1] جند کی تحقیق کیلئے دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۳۲۔ مؤرخ یعقوبی نے واقعات سنہ ۲۰ھ میں لکھا ہے کہ اِس سال حضرت عمرؓ نے فوجی صدر مقامات قائم کئے لیکن مؤرخ مذکور نے صرف فلسطین۔ جزیرہ۔ موصل۔ اور قنسرین کا نام لکھا ہے، یہ صریح غلطی ہے۔

marfat.com

گھوڑوں کی پرداخت

(۲) ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت سازوسامان کے ساتھ تیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعۃً ضرورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ فوراً تیار ہو جائے[1]۔ ۲۱؁ھ میں جزیرہ والوں نے دفعۃً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھہری۔ ان گھوڑوں پر داخت اور تربیت میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ[2] تیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جس کا نام ہنی تھا اسکی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر داغ کے کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے جیس فی سبیل اللہ[3]۔ کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعۃ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت میں کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ اُن کے نام میں یہ خصوصیت داخل ہوگئی تھی اور سلمان الخیل کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ جاڑوں میں یہ گھوڑے اصطبل خانے میں رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی اصطبل خانہ کے ہیں اور اسی لحاظ سے عجمی اس کو آخور شاہ جہان کہتے تھے۔ بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقول کے قریب شاداب چراگاہوں میں چرائے جاتے تھے۔ سلمان ہمیشہ گھوڑوں کی تربیت میں نہایت کوشش کرتے تھے، اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑ دوڑ بھی کراتے تھے۔

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰۴ میں ہے کان لعمر اربعۃ الاف فرس عُدۃ لکون ان کان بشیتہانی قبلۃ قصر الکوفۃ د بالبصرۃ نحو منہا وقیمہ علیہا جزء بن معاویۃ فی کل مصر من الامصار الثمانیۃ علی قدرہا فان نابتہم نائبۃ رکب قوم و تقدموا الی ان یستعد الناس ۱۲

[2] حضرت عمرؓ نے گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے عرب میں متعدد چراگاہیں تیار کرائی تھیں۔ سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ میں تھی جو مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلے پر نجد کے ضلعے میں واقع ہے۔ یہ چراگاہ ۱۰ میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی۔ دوسری مقام ضریہ میں تھی جو مکہ معظمہ سے سات منزل پر ہے۔ اسکی وسعت ہر طرف سے چھ چھ میل تھی۔ اس میں قریباً چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔ ان چراگاہوں کی پوری تفصیل خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر ۲۵۵، ۵۶، ۲ میں ہے ۱۲ [3] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۳۱۔

marfat.com

خاصکر عمدہ نسل کے گھوڑوں کو انہوں نے نہایت ترقی دی، اِس سے پہلے اہل عرب نسل میں ماں کی پروا نہیں کرتے تھے، سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا چنانچہ جس گھوڑے کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی اُسکو دوغلا قرار دیکر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصّے سے محروم کر دیتے تھے۔[1]

بصرہ کا اہتمام جزء بن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبۂ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

فوج کا دفتر (۳) فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتر انہی مقامات میں رہتا تھا۔

رسد کا غلہ (۴) رسد کے لیے جو غلّہ اور اجناس مہیّا کی جاتی تھیں وہ انہی مقامات میں رکھی جاتی تھیں اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

فوجی چھاؤنیاں ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا۔ اگرچہ یہ ان کا عام اُصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اُسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعیّن کر دی جاتی تھی[2] جو وہاں سے ٹلتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے جب شام فتح کیا تو ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتد بہ فوج رہتی تھی، لیکن امن و امان قائم ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو اُن مقامات میں جہاں مُلک کی سرحد دشمن کے مُلک سے ملتی تھی یعنی دلوک منبج، رعبان، قورس، تیزین، انطاکیہ وغیرہ (عربی میں ان کو فروج یا ثغور کہتے ہیں)، ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق

---

[1] کتب رجال میں سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو ۱۲ [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے وکان المسلمون کلما فتحوا مدینۃ ظاہرۃ انہ عند ساحل رتبوا فیہا قدر من یحتاج لہا الیہ من المسلمین فان حدث فی شیٔ منہا حدث من قبل العدو سربوا الیہا الامداد اور صفحہ ۱۵۱ میں ہے: وولی ابو عبیدۃ کل کورۃ فتحہا عاملا وضم الیہ جماعۃ من المسلمین وشحن النواحی المخوفۃ ۱۲

marfat.com

اور مناسب انتظامات کئے۔ جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے اور بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے یعنی عسقلان، یافا، قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرسوس، صیدا، ایاس، لاذقیہ، چونکہ رومیوں کی بحری طاقت کی زد پر تھے اس لئے اِس کا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اِس کا افسرِ کل عبداللہ بن قیس کو مقرر کیا[1]۔ بالس چونکہ غربی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہم سرحد تھا، وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اِسقدر اور اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے[2]۔ ۱۹ھ میں جب یزیدؓ بن ابی سفیان کا انتقال ہُوا تو ان کے بھائی معاویہؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ حضرت عمرؓ نے اِسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سر سے مرمّت کرائی جائے اور اُن میں فوجیں مُرتّب کیجائیں اِس کے ساتھ تمام دریائی منظرگاہوں پر پہرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے[3]۔

اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمروؓ بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اُس کی ایک چوتھائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی۔ باقی آدھی فوج خود عمروؓ بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں۔ ہر ایوان میں اِن کے ساتھ ایک عریف رہتا تھا جو اُن کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جس کی معرفت اُن کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں۔ ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۳۔ اصل عبارت یہ ہے۔ قسم عمر الارزاق وسمی الشواتی والصوایف وسد فروج الشام ومسالحہا واخذ یدوربہا وسمّی ذلک فی کل کورۃ واستعمل عبداللہ بن قیس علی السواحل من کل کورۃ ۱۲ [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰ میں ہے ورتب ابوعبیدۃ بیالس جماعۃ من المقاتلۃ واسکنہا قوما من العرب الذین کانوا بالشام فاسلموا بعد قدوم المسلمین الشام ۱۲ [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے ان معاویۃ کتب الی عمر بن الخطاب بعد موت اخیہ یزید یصف لہ حال السواحل فکتب الیہ فی مرمۃ حصونہا وترتیب المقاتلۃ فیہا واقامۃ الحرس علی مناظرہا واتخاذ المواقید لہا ۱۲

marfat.com

افتادہ زمین ہوتی تھی[1]۔

سنہ ۲۶ھ میں جب ہرقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ عمروؓ بن العاص کی ماتحتی میں جس قدر فوج تھی اُس کی ایک چوتھائی انہی مقامات کے لئے مخصوص کر دی[2]۔ عراق میں بصرہ و کوفہ اگرچہ خود محفوظ مقام تھے۔ چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے ۱۰ ہزار۔ بیرونی مہمات میں مصروف رکھے جائیں[3]۔ تاہم ان اضلاع میں عجمیوں کی جو فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں از سر نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں۔ خریبہ اور زابوقہ میں ساٹ چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب نئے سر سے تعمیر کر دی گئیں[4]۔ صوبہ خوزستان، میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں چنانچہ نہر تیری، مناذر۔ سوق الاہواز، سرق، ہرمزان، سوس، بنیان، جندی سابور، مہرجانقدق، یہ تمام مقامات فوجوں سے معمور ہو گئے[5]۔ رے اور آذربایجان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ ۱۰ ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور سیکڑوں چھاؤنیاں جا بجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وسعت کیوں دی گئی تھی اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اُصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت

فوجی چھاؤنیاں کس اصول پر قائم کی گئیں۔

---

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۶۷ میں ہے وکان لکل عریف قصر ینزل فیہ بمن معہ من اصحابہ واتخذوا فیہ اخایذ ۱۲

[2] دیکھو طبری صفحہ ۲۵۹۴ و مقریزی صفحہ ۱۶۷۔

[3] تاریخ طبری صفحہ ۲۸۰۵ میں ہے وکان بالکوفۃ اذ ذاک اربعون الف مقاتل وکان یغزو ہذین الثغرین (ای الری و اذربیجان) ھم عشرۃ الاف فی کل سنۃ فکان الرجل یصیبہ فی کل اربع سنین غزوۃ ۱۲

[4] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۰۔ [5] طبری صفحہ ۲۶۵۰ - ۱۲

marfat.com

کا کچھ سامان نہ تھا، اُدھر یونانی مدت سے اِس فن میں مشاق ہوتے آتے تھے۔ اِس وجہ سے شام و مصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا کیونکہ اہلِ ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا، اِس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں اُن کی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ اِن وجوہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جس قدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں انہی مقامات میں کیں جو یا ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے۔

عراق کی حالت اِس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا، ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بقائے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے اور دب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو اُن کی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا، اِس لئے اِن ممالک میں ہر جگہ، فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضروری تھا کہ مدعیانِ ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

حضرت عمرؓ نے اِس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیغوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اِس قدر منتظم کر دیا کہ اُس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے،

فوجی دفتر کی وسعت

فوجوں کی بھرتی کا دفتر جس کی ابتداء مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ مدینہ سے عسفان، تک جو مکہ معظمہ سے دو منزل ادھر ہے جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے مگر عرب کے جغرافیہ نویس اس کو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، جیزہ، وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اِس بے شمار گروہ کی اعلیٰ قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں اور اگرچہ اِن سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے۔ ابن سعد کی روایت

marfat.com

ہے کہ ہر سال تیس (۳۰) ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی[1]۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل بسائے گئے، جن میں سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی اُن کو باری باری سے ہمیشہ رَے اور آذربایجان کے مہمات میں حاضر رہنا ضرور تھا۔

ہر سال ۳۰ ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دُنیا پر عرب کا رعب وداب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا، جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے اسمیں تبدیلی کی یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی۔ عبدالملک بن مروان نے اور بھی اس کو گھٹایا اور معتصم باللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام نکال دیئے۔ اور اُسی دن درحقیقت، حکومت بھی عربوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔

یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ میں آگیا تھا، ہم پھر حضرت عمرؓ کے فوجی نظام کی طرف واپس آتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہلِ عجم بھی اُس میں داخل کیے گئے۔ یزدگرد شاہنشاہ فارس نے دیلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی اور جُند شاہنشاہ یعنی فوجِ خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج قادسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی، سعدؓ بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے اِن کو فوج میں داخل کر لیا اور کوفہ میں آباد کر کے اُن کی تنخواہیں مقرر کر دیں[2]۔ چنانچہ اسلامی فتوحات میں اِن کا نام بھی جابجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزدجرد کی فوج ہراول کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ ۱۷ھ میں یزدگرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر بڑے بڑے نامی

فوج میں عجمی رومی ہندوستانی اور یہودی بھی داخل تھے

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۳۱ - امام مالکؒ نے موطا میں ۳۰ ہزار کے بجائے ۴۰ ہزار کی تعداد بیان کی ہے۔ [2] فتوح البلدان صہ ۲۸۰

marfat.com

پہلوان تھے اصطخر کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چیدہ بہادر منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے جب ۲۰ھ میں سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے۔ سیاہ کو حکم دیا کہ اس چیدہ رسالے کے ساتھ ابو موسیٰ کے مقابلے کو جائے، سوس کی فتح کے بعد سیاہ نے مع تمام سرداروں کے ابو موسیٰؓ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی۔ ابو موسیٰ گو۔ ان شرائط پر راضی نہ تھے۔ لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لیے جائیں چنانچہ وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کئے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا کر ان کی تنخواہیں مقرر ہو گئیں۔ ان میں سے چھ افسروں کی (جن کے یہ نام تھے سیاہ، خسرو، شہریار شیرویہ، شہرویہ، افرودین) ڈھائی ڈھائی ہزار اور سو بہادروں کی دو دو ہزار تنخواہ مقرر ہوئی۔ تستر کے معرکہ میں سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی۔[1]

باذان۔ نوشیرواں کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، اس کی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی اس میں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کا نام بھی دفترِ فوج میں لکھا گیا۔ تعجب یہ ہے کہ فاروقی لشکر، ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جن کو اہل عرب زط کہتے تھے، یزدگرد کے لشکر میں شامل تھے۔ سوس کے معرکہ کے بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کئے گئے۔[2]

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے۔ چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانسو آدمی شریکِ جنگ تھے۔ اور جب عمروؓ بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کئے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا، چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔[3]

غرض حضرت عمرؓ نے صیغۂ جنگ کو جو وسعت دی تھی اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی، والنیٹر فوج میں تو

۱؎ طبری واقعات ۲۱ھ ذکر فتح سوس و فتوح البلدان از صفحہ ۳۷۲ تا ۳۷۵ ۲؎ فتوح البلدان صفحہ ۳۷۵

۳؎ مقریزی ص ۲۹۸ میں ان سب کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں۔

marfat.com

ہزاروں مجوسی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔ فوج نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آتے گی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ صیغۂ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کر لیا گیا تھا، صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات مُلکی کے لئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا کبھی ممنون ہونا نہیں پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا اُنہی کے ہم قوموں کو اُن سے لڑانا فنِ جنگ کا بڑا اُصول تھا۔

سگِ آں ولایت تواند گرفت ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ بے تکلف کہ خرگوشِ ہر مرز را

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ابتدائے انتظام میں فوجی صیغہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا یعنی جو لوگ اور اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے اُن کے نام بھی فوجی رجسٹر میں درج تھے اور اس وقت یہی مصلحت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اب یہ پردہ بھی اُٹھا دینا چاہا۔ شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اس کو فوجی اُمور سے کچھ تعلق نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو صیغۂ تعلیم سے متعلق کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا۔ چنانچہ سعدؓ بن وقاص کو یہ الفاظ لکھ کر بھیجے کہ لا تعط علی القرآن احداً۔

تنخواہوں میں ترقی

اِس کے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی، چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت، اور اس قسم کے تمام اشتغال سے بزور باز رکھتے تھے اس لئے ضرور تھا کہ اُن کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے، اِس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو ۲۰۰ سالانہ تھی۔ ۳۰۰ کر دی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لیکر دس ہزار تک بڑھا دی، بچوں کی تنخواہ دُودھ چھوڑنے کے دن سے مقرر ہوتی تھی اب حکم دیدیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دی جائے۔

رسد کا انتظام

رسد کا بندوبست پہلے صرف اِس قدر تھا کہ فوجیں مثلاً قادسیہ میں پہنچیں تو آس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلّہ لوٹ لائیں، البتہ گوشت کا بندوبست

marfat.com

دار الخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے[1]۔ پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵۔ آثار غلہ لیا جاتا تھا اور وُہ رسد کے کام میں آتا تھا۔ مصر میں غلّہ کے ساتھ روغن زیتون، شہد، اور سرکہ بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے لئے سالن کا کام دیتا تھا۔ جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا لیکن اِس میں رعایا کو زحمت ہوتی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ نے آخر اِس کے بجائے نقدی مقرر کر دی[2] جس کو رعایا نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔

رسد کا منتقل محکمہ

رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام اہراء تھا چنانچہ شام میں عمرو بن عتبہؓ اس محکمہ کے افسر مقرر ہوئے۔ اہراء ہری کی جمع ہے۔ ہری ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں، چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اِس لئے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا، تمام جنس اور غلّہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا اور مہینے کی پہلی تاریخ فی سپاہی امن[3] آثار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا، اِس کے ساتھ فی کس ۲ آثار روغنِ زیتون اور ۲ آثار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اِس کے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کے بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا چنانچہ مورّخ یعقوبی نے حضرت عمرؓ کے سفرِ شام کے ذکر میں اِس کی تصریح کی ہے۔

خوراک اور کپڑا اور بھتہ

تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربارِ خلافت سے ملتا تھا جس کی تفصیل۔ وردی کے ذکر میں آئے گی ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جس کو عربی میں معونتہ کہتے ہیں، سواری کا گھوڑا اسواروں کو اپنے اہتمام سے مہیا کرنا ہوتا تھا لیکن جو شخص کم مایہ ہوتا تھا اور اُس کی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی اُس کو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا چنانچہ خاص اِس غرض کے لئے حضرت عمرؓ

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۵۶۔ اصل عبارت یہ ہے فاذا احتاجوا الی العلف والطعام اخرجوا خیولا فی البر فاغارت علی اسفل الفرات وکان عمر یبعث الیہم من المدینۃ الغنم والجزر ۱۲

[2] فتوح البلدان صفحہ ۱۷۸، ۲۱۶۔

[3] تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲۶۔ اہراء کے معنی اور مفہوم کے لیے دیکھو لسان العرب اور فتوح البلدان صہ ۲۰۸

marfat.com

کے حکم سے خود دار الخلافہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔[1]

بھتہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے۔ شروع محرم میں تنخواہ، فصل بہار میں بھتہ اور فصل کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔[2] تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا، فوجی افسر جو کم سے کم ۱۰۔ ۱۰ سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو امراء الاعشار کہلاتے تھے تنخواہ اُن کو دی جاتی تھی، وہ عریف کو حوالہ کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیوں کو حوالہ کرتے تھے۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ و بصرہ میں سو عریف تھے۔ جن کے ذریعے سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی۔ اِس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبرگیری سے کام لیا جاتا تھا، عراق میں اُمرائے اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمرؓ نے، عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران، مشعلہ بن نعیم، وغیرہ کو بُلا کر اس کی جانچ پر مقرر کیا چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کئے اور دس دس کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا۔[3] عریف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا جس کی تقلید مدتوں تک کی گئی۔ کنز العمال باب الجہاد میں بیہقی کی روایت ہے اول من دون الدواین وعرف العرفاء عمر بن الخطاب۔

تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ

تنخواہوں میں قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

تنخواہ کی ترقی

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۲۷۔ اصل عبارت یہ ہے، کان لعمر بن الخطاب اربعۃ الاف فرس، فاذا کان فی عطاء الرجل خفۃ من کان محتاجا اعطاہ الفرس ۱۲ [2] طبری صفحہ ۲۴۸۶۔ اصل عبارت یہ ہے، وامرلہم بمعاونہم فی الربیع من کل سنۃ وباعطیاتہم فی المحرم من کل سنۃ وبفیئہم عند طلوع الشعری فی کل سنۃ وذلک عند ادراک الغلات ۱۲۔ [3] یہ واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ طبری صفحہ ۲۴۹۵، ۲۴۹۶ و مقریزی صفحہ ۹۲ میں ہیں ۱۲

marfat.com

قادسیہ میں زہرہ، عصمۃ، ضبی، وغیرہ نے بڑے مردانہ کام کئے تھے اس لئے اُن کی تنخواہیں دو دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہوگئیں۔ مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہاتھ آتا تھا اور اعلیٰ قدرِ مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا اُس کی کچھ انتہا نہ تھی چنانچہ جلولاء میں نو نو ہزار نہاوند میں چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصے میں آئے تھے۔

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے حسبِ ذیل قاعدے مقرر تھے۔

اختلافِ موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم

(۱) جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتیں متعین کر دی تھیں، یعنی جو سرد ملک تھے اِن پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں۔ اس تقسیم کا نام شاتیہ اور صافیہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے، یہاں تک کہ ہمارے مؤرخین مغربی مہمات اور فتوحات کو صرف صوائف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ انتظام حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں کیا تھا علامہ طبری لکھتے ہیں وسمی الشواتی والصوائف وسمی ذلك فی کل کورۃ

(۲) فصلِ بہار میں فوجیں اُن مقامات میں بھیجی جاتی تھیں جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اوّل اوّل ۱۷ھ میں جاری کیا گیا جبکہ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا چنانچہ عتبہ بن غزوان کو بہار کے زمانے میں لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں[۱]۔

بہار کے زمانہ میں فوجوں کا قیام

عمرو بن العاصؓ گورنر مصر، موسمِ بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار میں بسر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر اور فربہ بنا کر لائیں۔

آب و ہوا کا لحاظ

(۳) بارکوں کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے۔ فوجوں کے لئے جو شہر آباد کئے گئے مثلاً کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاط وغیرہ ان میں اصولِ صحت کے لحاظ سے

---

[۱] تاریخ طبری میں ہے: وکتب عمر الی سعد بن مالک والی عتبۃ بن غزوان ان یتربعا بالناس فی کل حین ربیع فی اطیب ارضیہم کتاب مذکور صفحہ ۲۴۸۶۔

سڑکیں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع ہوتی تھیں حضرت عمرؓ کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعیین بھی خود لکھ کر بھیجی تھی چنانچہ اس کی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گزر چکی ۔

کوچ کی حالت میں فوج کے آرام کا دن

(۴) فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لے لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کریں ۔ یہ بھی تاکید کی تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں چنانچہ سعدؓ بن وقاص کو جو فرمان، فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا اس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی ہے[1]

رخصت کے قاعدے

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا۔ جو فوجیں دور دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب انہوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دردناک اشعار پڑھتے سنا تو افسروں کو احکام بھیج دیئے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے ۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اسی حد تک تھیں جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا، ورنہ آرام طلبی، کاہلی، عیش پرستی، سے بچنے کے لئے سخت بندشیں کی تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہلِ فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حماموں میں نہ نہائیں ۔

فوج کا لباس

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے لئے کوئی خاص لباس جس کو وردی کہتے ہیں قرار دیا تھا ۔ فوج کے نام اُن کے جو احکام منقول ہیں ان میں صرف اسقدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چنداں زور نہیں دیا گیا کیونکہ ۲۱ھ میں جب مصر میں ذمیوں پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے کپڑے بھی اُسمیں شامل

[1] عقد الفرید جلد اول صفحہ ۴۹ میں یہ فرمان بعینہٖ منقول ہے ۱۲

marfat.com

تھے اور وہ یہ تھے۔ اُون کا جُبّہ، لمبی ٹوپی یا عمامہ، پاجامہ، موزہ حالانکہ اوّل اوّل پاجامہ اور موزہ کو حضرت عمرؓ نے بتصریح منع کیا تھا۔

فوج میں خزانچی و محاسب و مترجم

فوج کے متعلق حضرت عمرؓ کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جن کا عرب میں کبھی وجود نہ تھا۔ مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسرِ خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی، اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جرّاح ہوتے تھے، چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبدالرحمٰن بن ربیعہ[۱] قاضی، زیادؓ بن ابی سفیان محاسب، ہلال ہجری مترجم تھے[۲]۔ فوج میں محکمۂ عدالت، سررشتۂ حساب، مترجمی، اور ڈاکٹری کی ابتدا بھی اِسی زمانے سے ہے۔

فوجی قواعد کی نسبت ہم کو صرف اِس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ فوجی افسروں کو جو احکام بھیجتے تھے اُن میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی۔ تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، ننگے پاؤں چلنا۔ اِس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھلائی جاتی تھی۔

فن جنگ میں ترقی

تاہم اِس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں سابق کی نسبت فنِ جنگ نے بہت ترقی کی۔ عرب میں جنگ کا پہلے یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج چُپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا، اور فوج کے مختلف حصّے قرار پائے۔ مثلاً میمنہ، میسرہ، وغیرہ لیکن ہر حصّہ بطورِ خود لڑتا تھا۔ یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے رہ کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے ۱۵ھ میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالدؓ کی بدولت تعبیہ کی طرز پر جنگ ہوئی[۳] یعنی کل فوج جس کی تعداد ۴۰ ہزار کے قریب تھی ۳۶ صفوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالدؓ کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام

۱؎ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵ ۲؎ طبری واقعات ۱۴ھ صفحہ ۲۲۲۶ ۳؎ علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ میں فصلؒ نے الحروب کے عنوان سے عرب، فارس و روم کے طریقۂ جنگ پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے۔ اسمیں لکھا ہے کہ "تعبیہ کا طریقہ اوّل اوّل مروان بن الحکم نے قائم کیا۔" لیکن یہ غلط ہے طبری اور دیگر مؤرخین نے بتصریح لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں اول اول خالدؓ نے تعبیہ کی طرز پر صف آرائی کی۔

marfat.com

فوج کو تنہا لڑاتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں فوج کے جس قدر حصے اور شعبے تھے حسبِ ذیل ہیں۔ فوج کے حصے

قلب	سپہ سالار اسی حصے میں رہتا تھا۔
مقدمہ	قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا۔
میمنہ	قلب کے دائیں ہات پر رہتا تھا۔
میسرہ	بائیں ہاتھ پر۔
ساقہ	سب سے پیچھے۔
طلیعہ	گشت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔
ردء	جو ساقہ سے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔
رائد	جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔
رُکبان	شتر سوار۔
فرسان	سوار
راجل	پیادہ
رُماۃ	تیر انداز

فوج کے مختلف حصے!

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے سات رکھنی پڑتی تھیں، فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ کثیر بن شہاب (حضرت عمرؓ کے ایک فوجی افسر تھے) کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سوئیاں، سُوا، ڈورا، قینچی، سُوتالی، توبرا، چھلنی "[1] ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی پڑتی تھیں

قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے منجنیق کا استعمال اگرچہ خود آنحضرت کے زمانے میں شروع ہو چکا تھا، چنانچہ سب سے پہلے سنہ ۸ھ میں طائف کے محاصرے میں اس سے کام لیا گیا لیکن قلعہ شکن آلات

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۱۸۔

marfat.com

حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعے سے فتح ہوئے، مثلاً ۱۶ھ میں بہرسیر کے محاصرے میں ۲۰ منجنیقیں استعمال کی گئیں۔ محاصرے کے لئے ایک اور آلہ تھا جس کو دَبّابہ کہتے تھے۔ یہ ایک لکڑی کا بُرج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پہیے لگے ہوتے تھے۔ سنگ اندازوں اور نقب زنوں اور تیر اندازوں کو اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا، اور اُس کو ریلتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے، اس طرح قلعہ کی جڑ میں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلات کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے۔ بہرسیر کے محاصرہ میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

سفر مینا

راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پُل باندھنا، یعنی جو کام آج کل سفر مینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اس کا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاصکر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔ عمروؓ بن العاص نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر رُخ کرے گی سفر مینا کی خدمتوں کو مصری انجام دیں گے[1]۔ چنانچہ عمروؓ بن العاص جب رومیوں کے مقابلے کے لئے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری، منزل بمنزل پُل باندھتے، سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام مُلک کو گرویدہ کر لیا تھا اس واسطے قبطی خود بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

خبر رسانی اور جاسوسی

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اس کے لئے قدرتی سامان ہاتھ آگئے تھے، شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے آئے تھے اس لئے کوئی واقعہ اُن سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت تھی کہ اپنا اسلام

---

[1] مقریزی صفحہ ۱۶۳ میں ہے:- فخرج عمرو بالمسلمین و خرج معہ جماعۃ من رؤساء القبط و قد اصلحوا لھم الطرق و اقاموا لھم الجسور و الاسواق ۱۲

لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لئے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے۔ یرموک، قادسیہ، تکریت، میں انہی جاسوسوں کی بدولت بڑے بڑے کام نکلے[1]۔

شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے، قاضی ابویوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں[2]۔ فلما رای اهل الذمة وفاء المسلمين لهم وحسن السيرة فيهم صاروا اشداء على عدو المسلمين وعونا للمسلمين على اعدائهم فبعث اهل كل مدينة ممن جرى الصلح بينهم وبين المسلمين، رجالا من قبلهم يتجسسون الاخبار عن الروم وعن ملكهم وما يريدون ان يصنعوا اردن اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا، یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لئے مقرر کئے گئے اور اس کے صلے میں اُن کی مقبوضہ زمینیں اُن کو معافی میں دے دی گئیں[3]۔ اسی طرح جراجمۃ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی اور اُن کو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔

فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بیشمار فوجیں تھیں اور مختلف مُلک، مختلف قبائل، مختلف طبائع، کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے، اس کے ساتھ وہ نہایت دُور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھیں جہاں سے دارالخلافہ تک سیکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمرؓ کے قبضۂ قدرت میں تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کا عام سبب تو

---

[1] تاریخ شام للازدی صفحہ ۵۲ اور طبری صفحہ ۲۲۲۹ و ۲۴۷۵ ۔ ازدی کی عبارت یہ ہے: لما نزلت الروم منزلهم الذى نزلوا به دسسنا اليهم رجالا من اهل البلد كانوا انصارا ‌لے وحسن اسلامهم وامرناهم ان يدخلوا عسكرهم ويكتموا اسلامهم ويأتوا باخبارهم ۱۲۔ [2] کتاب مذکور صفحہ ۸۰ ۔ [3] فتوح البلدان صفحہ ۱۵۸۔

marfat.com

حضرت عمرؓ کی سطوت اور اُن کا رعب وداب تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی اُنکو خبر پہنچتی رہتی تھی علامہ طبری ایک ضمنی موقع پر لکھتے ہیں وکانت تکون لعمر العیون فی کل جیش فکتب الی عمر بما کان فی تلک الغزاۃ وبلغہ الذی قال عتبۃ[1]۔ ایک اور موقع پر لکھتے ہیں :

پرچہ نویسوں کا انتظام

وکان عمر لا یخفی علیہ شیئ فی عملہ[2]۔

اس انتظام سے حضرت عمرؓ یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بداعتدالی ہوجاتی تھی فوراً اس کا تدارک کر دیتے تھے جس سے اوروں کو بھی عبرت ہوجاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عمرو معدیکرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تھا، فوراً حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی اور اُسی وقت اُنہوں نے عمرو معدیکرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر ان کو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوئی، اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصا نہیں ہو سکتا۔

صیغۂ تعلیم

حضرت عمرؓ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں قرآنِ مجید۔ اخلاقی اشعار، اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علمائے صحابہؓ، اضلاع میں حدیث وفقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے تھے مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ لیکن چونکہ تعلیم۔ زیادہ تر مذہبی تھی اس لئے اس کا ذکر، تفصیل کے ساتھ "صیغۂ مذہبی" کے بیان میں آئے گا۔

صیغۂ مذہبی

[1] طبری صفحہ ۲۲۰۸۔ [2] طبری صفحہ ۲۵۲۶

marfat.com

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور درحقیقت حضرت عمرؓ کے کارناموں کا طغرا یہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توجہ الی اللہ۔ استغراق فی العبادۃ۔ صفائے قلب، قطع علائق، خضوع و خشوع، یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی سررشتۂ انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اس لئے نظامِ حکومت کی تفصیل میں ہم اس کا ذکر نہیں کر سکتے اس کا ذکر حضرت عمرؓ کے ذاتی حالات میں آئے گا۔ البتہ اشاعتِ اسلام، تعلیم قرآن و حدیث، احکام مذہبی کا اجراء۔ اس قسم کے کام انتظام کی تحت میں آسکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُن کے متعلق جو کچھ کیا اُس کی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اشاعتِ اسلام کا طریقہ

اِس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعتِ اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآنِ مجید کی اس آیت پر لا اکراہ فی الدین بلاتاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہوگا، حضرت عمرؓ نے خود ایک موقع پر یعنی جب ان کا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لَا اکراہ فی الدین[1]

اشاعتِ اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جاوے۔

حضرت عمرؓ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں چنانچہ فاتح ایران سعدؓ وقاص کو جو خط لکھا اسمیں یہ الفاظ تھے وقد کنت امرتك ان تدعوامن لقیت الی الاسلام قبل القتال۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب اُن کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو اُن پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحبِ علم اور صاحبِ فقہ ہوتا تھا[2]" یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لئے علم و فقہ کی ضرورت اسی

[1] یہ روایت طبقات ابن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے، دیکھو کنز العمال جلد پنجم صفحہ ۴۹۔ مطبوعہ حیدرآباد [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۰۔

marfat.com

تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی، شام وعراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی سفارتیں گئیں اُنہوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصُول وعقائد اُن کے سامنے بیان کئے۔

اشاعتِ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دِل اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ اُنہوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا، کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دُنیا کی تسخیر کو اُٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو اُن کے دیکھنے اور اُن سے ملنے جُلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان۔ سچائی۔ سادگی، پاکیزگی۔ جوش، اور اخلاص، کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دِل کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کرتا جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ رومیوں کا سفیر جارج، ابو عبیدہؓ کی فوج میں جاکر کس اثر سے متأثر ہوا اور کس طرح دفعۃً قوم اور خاندان سے الگ ہوکر مسلمان ہوگیا۔ شطا جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا مسلمانوں کے حالات ہی سُنکر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہوگیا۔[1]

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اِس خیال کو قوت دی، یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پُرزور قوموں کا قدم اُکھڑتا جاتا ہے۔ خوش اعتقاد قوموں کے دِل میں خود بخود یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اِس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی شامل ہے۔ یزدگرد شہنشاہِ فارس نے جب خاقانِ چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی، تو خاقان نے

اشاعتِ اسلام کے اسباب

۱؎ تاریخ مقریزی صفحہ ۲۲۶ میں ہے فخرج شطا فی الفین من اصحابہ ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلک یحب الخیر ویمیل الی مایسمعہ من سیرۃ اہل الاسلام ۱۲

marfat.com

اسلامی فوج کے حالات دریافت کئے اور حالات سُن کر یہ کہا کہ ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔" فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی، تو اُس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا ان کے ساتھ ہے اور اُن سے لڑنا بیکار ہے [1] ابورجاء فارسی کے دادا کا بیان ہے، کہ "قادسیہ کی لڑائی میں میں حاضر تھا اور اُس وقت تک میں مجوسی تھا۔ عرب نے جب تیراندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ "تکلے ہیں، لیکن انہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی"۔ مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ رومیوں کی سلطنت ہوچکی اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ [2]

اِن باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃً جس قدر اُن کا میلان ایک نبی عربی کی طرف ہوسکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے یہی بات ہے کہ اِس عہد کے نومسلم، جس قدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام اور کون تھا حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا [3] ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اُس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔

اِن مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ اسلام لائے۔ افسوس ہے، کہ ہمارے مؤرخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا جس کی وجہ

---

[1] طبری واقعات جنگ فارس۔ [2] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۹۔

[3] معجم البلدان ذکر قنطرہ سنان۔

marfat.com

سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بتا سکتے تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر پتہ لگ سکتا ہے چنانچہ ہم ان کو اِس موقع پر بیان کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے۔

سنہ ۱۶ھ کے اخیر میں جب جلولاء فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤسا اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے اُن کے یہ نام ہیں۔ جمیل بن بصبہری۔ بسطام بن نرسے۔ رفیل۔ فیروز[1]۔ اِن رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے اُن کی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔

قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج، جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی کُل کی کُل مسلمان ہو گئی[2]۔

یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جس کا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اُس نے سیاہ کو بُلا کر تین سَو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کئے اور اصطخر کو روانہ کیا، یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے، اسلامی فوجیں جب تستر پہنچیں، تو سیاہ اپنے سرداروں کے ساتھ اِن اطراف میں مقیم تھا، ایک دن اُس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب)، ہمارے مُلک پر غالب آجائیں گے، اس کی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے، اِس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ خود اسلام قبول کرلیں، چنانچہ اُسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے[3]، یہ لوگ اساورۃ کہلاتے تھے۔ کوفہ میں ان کے نام سے نہر اساورۃ مشہور رہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیابجہ۔ زط۔ اندغار بھی مسلمان ہو گئے۔ یہ تینوں قومیں اصل میں سندھ کی رہنے والی تھیں جو خسرو پرویز کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۵ [2] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰

[3] فتوح البلدان صفحہ ۳۷۴

مصر میں بھی اسلام، کثرت سے پھیلا، عمروؓ بن العاص نے جب مصر کے بعض قصبات کے لوگوں کو اِس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑے تھے گرفتار کر کے لونڈی غلام بنایا، اور وہ فروخت ہوکر تمام عرب میں پھیل گئے، تو حضرت عمرؓ نے بڑی قدغن کے ساتھ ہر جگہ سے اُن کو واپس لیکر مصر بھیجدیا اور لکھ بھیجا کہ اُن کو اختیار ہے خواہ اسلام لائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ چنانچہ ان میں سے قصبۂ بلہیب کے رہنے والے کُل کے کُل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے[۱]۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقارۃ اور وراوۃ سے لے کر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا[۲]۔

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں۔ یہاں کا رئیس مسلمانوں کے حالات سُن کر پہلے ہی سے اسلام کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آملا اور مسلمان ہو گیا[۳]۔

فسطاط جس کو عمروؓ بن العاص نے آباد کیا تھا اور جس کی جگہ اب قاہرہ، دارالسلطنت ہے۔ یہاں تین بڑے بڑے محلّے تھے، جہاں زیادہ تر نومسلم آباد کرائے گئے تھے۔ ایک محلّہ بنو نبہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا اور مسلمان ہو گیا تھا، مصر کے معرکہ میں اِس خاندان کے سو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔ دوسرا محلّہ بنو الازرق کے نام پر تھا۔ یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اس قدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اِس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔ تیسرا محلّہ روبیل کے نام سے آباد تھا، یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے، پھر مسلمان ہو کر عمروؓ بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے، یہ ایک بہت

۱؎ تاریخ مقریزی صفحہ ۱۶۶ جلد اول ۲؎ مقریزی صفحہ ۱۸۴ میں ہے ولما فتح المسلمون الفرس بعد ما افتتحو دمیاط وتنیس ساروا الی بقارۃ فاسلم من بہا وساروا منہا الی الورادۃ فدخل اہلہا فی الاسلام وما حولہا الی عسقلان ۱۲

۳؎ مقریزی جلد اوّل صفحہ ۲۲۶۔

marfat.com

بڑا یہودی خاندان تھا، مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے [1]۔

فسطاط میں ایک اور محلّہ تھا جہاں صرف نومسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے چنانچہ یہ محلّہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلّہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیروان کی طرف سے یمن کا عامل تھا۔ جب اسلام کا قدم، شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرؓو بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔

اسی طرح اور جستہ جستہ مقامات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا، مورّخ بلاذری نے بالس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہاں وہ عرب آباد کرلئے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے [2]۔ مورخ ازدی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ "جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اُتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کے رہنے والے تھے، اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رُومی اُن سے بدگمان نہ ہونے پائیں۔"

مورّخ طبری نے ۱۴؁ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے [3]۔

ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

اشاعتِ اسلام کے بعد اصولِ مذہب اور اعمالِ مذہبی کی ترویج تھی یعنی جن چیزوں پر اسلام کا مدار ہے ان کا محفوظ رکھنا، اور ان کی اشاعت، اور ترویج کرنی، اس سلسلے میں سب سے مقدم، قرآنِ مجید کی حفاظت، اور اُس کی تعلیم و ترویج تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں ان کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت

[1] اس کے متعلق پوری تفصیل مقریزی صفحہ ۹۸ ۲ جلد اول میں ہے۔ [2] بلاذری صفحہ ۱۵۰۔ [3] طبری ص ۲۲۶۱

صحیح لکھا کہ "امروز ہر کہ قرآن می خواند از طوایفِ مسلمین، منتِ فاروقِ اعظم در گردنِ اوست"

یہ مسلّم ہے کہ اسلام کا اصل الاصول قرآنِ مجید ہے اور اِس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ قرآنِ مجید کا جمع کرنا، ترتیب دینا، صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ رکھنا، تمام ممالک میں اس کی تعلیم کو رواج دینا، جو کچھ ہوا حضرت عمرؓ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا، تفصیل اِس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہؐ کے عہد تک قرآنِ مجید مُرتّب نہیں ہوا تھا، متفرق اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ہڈیوں پر کچھ کھجور کے پتوں پر، کچھ پتھر کی تختیوں پر، لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا، کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی کسی کو کوئی۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں جب مسیلمہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سیکڑوں صحابہؓ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظِ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے پاس جا کر کہا کہ "اگر اِسی طرح حفاظِ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہیگا،، اس لئے ابھی سے اُس کی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہیئے" حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا جو "کام رسول اللہؐ نے نہیں کیا میں کیونکر کروں" حضرت عمرؓ نے بار بار اسکی مصلحت اور ضرورت بیان کی، یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ اُن کی رائے سے متفق ہوگئے۔

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوشش کی

صحابہؓ میں سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زیدؓ بن ثابت نے کیا تھا چنانچہ وہ طلب کئے گئے اور اِس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں یکجا کی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہؐ سے سیکھا ہو میرے پاس لے کر آئے۔ اِس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اُس پر دو شخصوں کی اور شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اسکو آں حضرتؐ کے عہد میں قلمبند دیکھا تھا۔ غرض اِس طرح جب تمام سورتیں جمع ہوگئیں تو چند آدمی مامور ہوتے کہ ان کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جائے، سعیدؓ بن العاص بتلاتے جاتے تھے اور زیدؓ بن ثابت لکھتے جاتے تھے، نگران لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفّظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے۔ کیونکہ قرآنِ مجید مضر ہی کی خاص زبان میں اُترا

marfat.com

ہے ۔[1]

قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ و اعراب کی تدبیریں۔

اُس وقت قرآنِ مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے اوّل یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سیکڑوں ہزاروں آدمی حافظِ قرآن بنا دیئے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآنِ مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر مُلک میں کثرت سے شائع ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے ان تینوں اُمور کو اِس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اِس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآنِ مجید کا درس جاری کیا اور معلم وقاری مقرر کر کے اُن کی تنخواہیں مقرر کیں، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اوّلیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ اُنھوں نے معلّموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔[2] تنخواہیں اُسوقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں مثلاً خاص

مکاتبِ قرآن

مدینہ منوّرہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے اُن کے معلّموں کی تنخواہیں ۱۵ . ۱۵ درہم ماہوار تھیں، خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی،

بدوؤں کو جبری تعلیم

چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآنِ مجید کا کوئی حصّہ یاد نہ ہو اُس کو سزا دے۔[3]

مکاتب میں لکھنا بھی سکھلایا جاتا تھا، عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیجدیئے تھے کہ بچّوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابوعامر سلیم جو رُواۃ حدیث میں ہیں

کتابت کی تعلیم

ان کی زبانی روایت ہے کہ مَیں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا، یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا معلّم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور مَیں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھ جسطرح گائے کی

---

[1] کنز العمال جلد اوّل صفحہ ۲۷۹ اور اتقان ۱۲۔ [2] سیرۃ العمرین لابن الجوزی میں ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان بن العفان کان یرزقان المؤذنین والائمۃ والمعلمین۔ [3] اغانی جزء ۶، صفحہ ۵۸۔ اصابہ فی احوال الصحابہ میں بھی یہ واقعہ منقول ہے۔

آنکھیں ہوتی ہیں"۔[۱]

صحابہؓ میں سے ۵ بزرگ تھے جنہوں نے قرآنِ مجید کو آنحضرتؐ ہی کے زمانے میں پورا حفظ کرلیا تھا، معاذ بن جبل۔ عبادۃ بن الصامتؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ ابوایوبؓ، ابوالدرداءؓ۔ ان میں خاص کر ابی بن کعبؓ سید القراء تھے اور خود آنحضرتؐ نے اس باب میں ان کی مدح کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو بُلا کر کہا کہ شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے۔" ابوایوبؓ ضعیف اور اُبی بن کعبؓ بیمار تھے، اس لئے جا نہ سکے۔ باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کرلیا۔ حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حمص کو جائیں۔ وہاں کچھ دن قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں باقی دو آدمیوں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حمص گئے۔ وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہوگیا تو عبادہؓ نے وہیں قیام کیا اور ابودرداءؓ دمشق۔ اور معاذؓ بن جبل فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبل نے طاعونِ عمواس میں وفات پائی[۲] لیکن ابودرداءؓ حضرت عثمانؓ کی اخیر خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے۔ ابودرداءؓ کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے گرد قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابودرداءؓ دس دس آدمیوں کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ اُن کو قرآن پڑھائے، خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے۔ جب کوئی طالب علم پورا قرآن یاد کرلیتا تھا تو ابودرداءؓ خود اُس کو اپنی شاگردی میں لیتے تھے۔ ایک دن ابودرداءؓ نے شمار کرایا تو سولہ سو[۱۶۰۰] طالب العلم ان کے حلقہ درس میں موجود تھے۔

قرآن اصحاب کا تعلیم قرآن کے لئے دُور دراز مقامات پر بھیجنا

تعلیم قرآن کا طریقہ

دمشق کی مسجد میں طلبۂ قرآن کی تعداد

[۱] معجم البلدان۔ لغت حاضر۔ معجم میں اس روایت کو حضرت ابوبکرؓ کے عہد کی نسبت لکھا ہے لیکن خود صاحب معجم نے اُس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے۔

[۲] یہ تمام تفصیل کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۸۱ میں ہے اور اصل روایت طبقات ابن سعد کی ہے ۱۲

حضرت عمرؓ نے قرآنِ مجید کی زیادہ اشاعت کے لئے اِن تدبیروں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے۔ ضروری سورتوں یعنی بقرہ۔ نساء۔ مایدۃ۔ حج۔ نور۔ کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اِس قدر قرآن ضرور سیکھیں کیونکہ ان میں احکام اور فرائض مذکور ہیں[۱]۔ عمّال کو لکھ کر بھیجا کہ جو لوگ قرآنِ مجید سیکھیں ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں[۲] (بعد کو جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا)، اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وقتاً فوقتاً عمّال سے قرآن خوانوں کا رجسٹر منگواتے رہتے تھے۔ ان تدبیروں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیشمار آدمی قرآن پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظوں کی تعداد بھی سیکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظِ قرآن کو میرے پاس بھیجدو تاکہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لئے جابجا بھیجوں، تو سعدؓ وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سَو حافظ موجود ہیں[۳]۔"

اشاعتِ قرآن کے ادر وسائل

حافظوں کی تعداد

تیسرا امر یعنی صحتِ اعراب و صحتِ تلفظ، اس کے لئے بھی نہایت اہتمام کیا اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآنِ مجید جب مرتب و مدوّن ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اِس لئے صرف قرآنِ مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا اگر صحتِ اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے اِس کیلئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

صحت اعراب کی تدبیریں

سب سے اوّل یہ کہ ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحتِ الفاظ اور صحتِ اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ اُن کے خاص الفاظ حسب روایت ابن الانباری یہ ہیں تَعَلَّمُوا اعراب القُرآنِ کَمَا تَعَلَّمُوْنَ حِفْظَہ اور مسند دارمی میں یہ الفاظ ہیں:

تعلموا الفرائض واللحن والسنن کما تعلموا القرآن۔

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ۔ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ لوگ خود اعراب کی صحت و غلطی کی تمیز کر سکیں۔

ادب اور عربیت کی تعلیم۔

---

۱ کنز العمال جلد اوّل صفحہ ۲۲۔ ۲ کنز العمال جلد اوّل صفحہ ۲۱۷۔ ۳ کنز العمال جلد اوّل صفحہ ۲۱۷۔

marfat.com

تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے[1]۔

قرآن مجید کے بعد، حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا، اور یہ اُن کی دقیقہ سنجی کی سب سے بڑی دلیل ہے، وہ بجز مخصوص صحابہؓ کرام کے عام طور پر لوگوں کو روایتِ حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں[2] "چنانکہ فاروق اعظمؓ عبداللہؓ بن مسعود را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت وابو دردا را بشام و بہ معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیثِ ایشاں تجاوز نکنند۔" حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے روایتِ حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ ان کی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے لیکن اُن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اُن کے ذاتی حالات میں، اُن کے فضل و کمال کا جہاں ذکر آئے گا ہم اس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیں گے۔

فقہ

حدیث کے بعد فقہ کا رُتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقیہہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اس لیئے حضرت عمرؓ نے اُس کو اِس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے، یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں، مسائلِ فقیہہ کی ترویج کے لیئے جو تدبیریں اختیار کیں حسب ذیل ہیں۔

مسائل فقہ کی اشاعت

(۱) جہاں تک وقت اور فرصت مساعدت کر سکتی تھی، خود بالمشافہہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے، جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اُسمیں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔ حج کے خطبہ میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔ مؤطا امام محمد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کئے[3]۔ اسی طرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پُر اثر خطبے پڑھے ان میں

[1] کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۲۸ [2] ازالۃ الخفاء جزو دوم صفحہ ۶ [3] مؤطا امام محمد صفحہ ۲۲۷۔

marfat.com

اسلام کے تمام مہمات اصول اور ارکان بیان کئے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا اس لئے اُن مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا فقہاء نے اُسکو بہت سے مسائلِ فقیہہ کے حوالے میں جا بجا نقل کیا ہے۔

(۲) وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے، مثلاً نمازِ پنجگانہ کی اوقات کے متعلق جس کی تعیین میں مجتہدین اجتک مختلف ہیں تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا، چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب مؤطا میں بعینہٖ اُس کی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلے کے متعلق ابو موسیٰؓ اشعری کو جو تحریر بھیجی اُسکو بھی امام مالک نے بالفاظہا نقل کیا ہے۔ "دو نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ ناجائز ہے[۱]" سنہ ۱۴ھ میں جب نمازِ تراویح، جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰؓ اشعری اور دیگر افسرانِ ملکی کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے امام مالک کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ تھا۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ھٰذَا کِتَابُ الصَّدَقَۃِ الخ قضا اور شہادت کے متعلق ابو موسیٰؓ اشعری کو جو تحریر بھیجی تھی اُسکو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مہمات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزئیہ بھی عمال کو لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے، حضرت ابو عبیدہ کو ایک دفعہ لکھا کہ "میں نے سُنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں جاکر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں، لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔" روزہ کے متعلق تمام عمال کو تحریری حکم بھیجا کہ لَا تَکُونُوا مِنَ المسوفین لفطرکم زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ اِنَّ المرءۃ لاتصوم تطوعاً الّا باذن زوجھا ابو وائل کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ اِنَّ الاھلۃ بعضھا اکبر

[۱] مؤطا امام محمد صفحہ ۱۲۹۔

marfat.com

مِن بعضٍ اس طرح کی اور بہت سی بے شمار مثالیں ہیں ۔

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام، حضرت عمرؓ، فرامین کے ذریعہ سے شائع کرتے تھے، چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل، اجماعی اور متفق علیہ ہوں، چنانچہ بہت سے مسائل جن میں صحابہؓ کا اختلاف تھا اُن کو مجمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرالیا، مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں اِنَّ عُمرَ استشار فی السَّارِق فَاَجمعُوا الخ[۱] غسل جنابت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب سے رائے طلب کی، لوگوں نے مختلف رائیں دیں، اُس وقت فرمایا انتم اصحابُ بدرٍ وَقد اختلفتم فمن بعدکم اشدُّ اختلافاً یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر آپس میں مختلف الرائے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا، چنانچہ ازواج مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا اور اُن کی رائے قطعی قرار پاکر شائع کی گئی۔[۲] جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور ایک منقح بات طے ہوگئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہوگیا۔

مسائل فقیہ میں اجماع

(۳) اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان میں یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہ ہوں چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اس کا اعلان کر دیا تھا، ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ تھے اِنّی اُشہدُکم علیٰ امراء الامصارِ انّی لم ابعثھُم الا لیفقھوا النَّاسَ فی دینِھِم۔ یعنی میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں۔[۳] یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اس کا لحاظ کیا جاتا تھا، قاضی ابو یوسف صاحب لکھتے ہیں اِنَّ عمر بن الخطابؓ کَانَ اذا اجتمع الیہ جیشٌ من اھل الایمانِ بعث علیھم رجلاً

[۱] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۶ [۲] ازالۃ الخفا صفحہ ۸۵ - [۳] کتاب الخراج صفحہ ۶۷ -

marfat.com

من اَھْلِ الفقهِ والعلم یہی نکتہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابوعبیدہؓ، سلمانؓ فارسی، ابوموسیٰ اشعریؓ، معاذبن جبلؓ، وغیرہ کا نام پاتے ہیں۔ جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم وفضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث وفقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔

فقہ کی تعلیم کا انتظام

(۴)، تمام ممالکِ محروسہ میں فقہا اور معلّم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دیں، مؤرخین نے اگرچہ اِس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلّموں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکتی تاہم جستہ جستہ تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہا اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبداللہؓ بن مغفل کے حال میں صاحب اُسد الغابہ نے لکھا ہے کہ یہ منجملہ اُن دس بزرگوں کے ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں[1]، عمرانؓ بن الحصین جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے اُن کی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں "وکان ممن بعثھم عمر بن الخطاب الیٰ اھل البصرۃ لیفقھھم۔ یعنی یہ اُن لوگوں میں ہیں جن کو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا۔ عبدالرحمٰنؓ بن غنم کے حال میں طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تعلیم فقہ کے لئے شام بھیجا تھا، اور صاحب اُسد الغابہ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے کہ "یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھلائی"، عبادہؓ بن الصامت کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے ان کو اور معاذؓ بن جبل اور ابوالدرداءؓ کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ میں حبان بن ابی جبلہ کی نسبت لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا"۔

اِن فقہا کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شائقینِ علم نہایت کثرت سے اُن کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے

[1] اصل عبارت یہ ہے کان احد العشرۃ الذین بعثھم عمر الی البصرۃ یفقھون الناس۔ ۱۲

marfat.com

جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے، ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے، لیکن جب اُن کو کسی مسئلے میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے، میں نے لوگوں سے اُس نوجوان کا نام پوچھا، تو معلوم ہوا کہ معاذؓ بن جبل ہیں[1]۔ لیث ابن سعد کا بیان ہے کہ ابو درداؓ جب مسجد میں آتے تھے تو اُن کے ساتھ لوگوں کا اِس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ سب لوگ اُن سے مسائل دریافت کرتے تھے[2]۔

فقہا کی تنخواہیں

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اِن فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں اور درحقیقت تعلیم کا مرتب اور منتظم سلسلہ بغیر اِس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لیے انتخاب کیا تھا مثلاً معاذ بن جبلؓ، ابو درداؓ، عبادہ بن صامتؓ، عبدالرحمٰنؓ بن غنم، عمرانؓ بن حصین، عبداللہؓ ابن مغفلؓ۔ تمام جماعت اسلام میں انتخاب تھے، اس کی تصدیق کے لیے اُسد الغابہ اور اصابہ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔ ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اِس بات کی بڑی احتیاط کی، کہ عموماً ہر شخص تعلیم مسائل کا مجاز نہ ہو۔ مسائل بھی خاصکر وہ تعلیم دیے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق رائے ہو چکا تھا یا جو مجمع صحابہؓ میں پیش ہو کر طے کر لیے جاتے تھے، چنانچہ اس کی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے۔ ہم اُس کے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اِس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

معلمین فقہ کی رفعتِ شان

ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا

"و معہذا البعد عزم خلیفہ بر چیزے مجالِ مخالفت نبود۔ در جمیع ایں امور شد رو ندر نمیر فتند و بدونِ استطلاعِ رائے خلیفہ کارے را مصمم نمی ساختند۔ لہٰذا دریں عصر اختلاف

[1] تذکرۃ الحفاظ ذکر معاذ بن جبل۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ذکر ابو درداء ۱۲

مذاہب وتشتت آرا واقع نشد۔ ہمہ بر یک مذہب متفق و بر یک راہ مجتمع، چوں ایام خلافتِ خاصہ بالکلیہ منقرض شدہ خلافتِ عامہ ظہور نمود، علماء در ہر بلدے مشغول بافادہ شدند۔ ابن عباس در مکہ فتوے می دہد + وعائشہ صدیقہ وعبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمایند + وابوہریرۃ اوقاتِ خود را بر اکثار روایت حدیث مصروف میسازد، بالجملہ دریں ایام اختلافِ فتاوے پیدا شد۔ یکے را بر رائے دیگرے اطلاع نہ واگر، اطلاع شدہ مذاکرہ واقع نہ، واگر مذاکرہ بمیان آمد ازاحت شبہہ وخروج از مضیق اختلاف بفضائے اتفاق میسر نہ، اگر تتبع کنی روایتِ علمائے صحابہ کہ پیش از انقراضِ خلافتِ خاصہ از عالم گذشتہ اند بغایت کم یابی، وجمعے کہ بعد ایام خلافت ماندہ اند ہرچہ روایت کردہ اند بعد ایام خلافتِ خاصہ روایت کردہ اند۔ ہرچند جمیع صحابہ عدول اند در روایتِ ایشاں مقبول وعمل بموجب آنچہ بروایت صدوق از ایشاں ثابت شود لازم۔ امّا درمیان آنچہ از حدیث وفقہ در زمنِ فاروق اعظم بود وآنچہ بعدِ وے حادث شدہ فرق بابین السموات والارض ست[1]"

عملی انتظام

یہ تمام امور جن کا اوپر ذکر ہوا علمی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عملی صیغہ پر بھی حضرت عمرؓ نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کئے، ہر شہر وقصبہ میں امام ومؤذن

اماموں اور مؤذنوں کا تقرر

مقرر کئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں، علامہ ابن الجوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ کَانَا یَرْزُقَانِ الْمُؤَذِّنِیْنَ وَالْاَئِمَّۃَ موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لئے خاص اشخاص مقرر تھے[2]۔ حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منا میں عقبہ کے پار پہنچا آئیں[3]۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ ناواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسکِ حج میں محسوب نہ تھا۔

---

[1] ازالۃ الخفاء جزء دوم صفحہ ۱۴۱ [2] موطا امام محمد ص ۸۶ [3] ایضاً ص ۲۲۹

چونکہ عہد خلافت میں متصل ۱۰ حج کئے اس لئے میر حاج، ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حاجیوں کی قافلہ سالاری
حجّاج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔ ابو موسیٰ اشعری کو جو مساجد کی تعمیر
کوفہ کے حاکم تھے لکھا "کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور باقی ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کی جائیں"۔ سعد وقاص اور عمرو بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے۔ شام کے تمام عمّال کو لکھا کہ ہر ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کی جائے[1] چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جوامع عمری کے نام سے مشہور ہیں۔ گو اُن کی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی ہے۔ ایک جامع عمری میں جو بیروت میں واقع ہے راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، محدّث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں" یہ خاص تعداد گو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اُس کی زیب و زینت پر توجہ کی۔ اس کی حرم محترم کی وسعت
تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اُس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لئے ۱۷ھ میں گرد و پیش کے مکانات مول لے کر ڈھا دیئے اور اُن کی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی، اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لئے اسکی حد، عام مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اُس سے یہ بھی کام لیا کہ اُس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے[2]۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے قباطی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے[3] اور مصر میں بُنا جاتا ہے حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۷، اور ۹ میل ہیں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں۔ چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جو

---

[1] مقریزی جلد دوم صفحہ ۲۴۶۔ [2] الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۱۵۸، و فتوح البلدان صفحہ ۴۸ [3] فتوح البلدان ص ۴۷

marfat.com

انصاب حرم کہلاتے تھے اس لئے حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اس کی تجدید کی۔ صحابہؓ میں سے جو لوگ حدودِ حرم کے پورے واقف کار تھے۔ یعنی مخرمہؓ بن نوفل، ازہرؓ بن عبدِ عوف، حویطبؓ بن عبد العزیٰ، سعیدؓ بن یربوع کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کئے گئے۔

مسجد نبوی کی مرمت اور وسعت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی، آنحضرتؐ کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اُس عہد کے لئے کافی تھی لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی، ۱۷ھ میں حضرت عمرؓ نے اُس کو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لے لئے لیکن حضرت عباسؓ نے اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کیا۔ حضرت عمرؓ کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباسؓ کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے، آخر مقدمہ ابیؓ بن کعب کے پاس گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمرؓ کو بجبر خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ "اب میں بلا قیمت عامۃ المسلمین کے لئے دیدیتا ہوں"۔ غرض ازواجِ مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر باقی جس قدر عمارتیں تھیں ڈھا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے طول ۱۰۰ گز تھا انہوں نے ۱۴۰ گز کر دیا اسی طرح عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا لیکن عمارت میں کچھ تکلف نہیں کیا گیا، آنحضرتؐ کے عہد میں جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے۔ اب بھی لکڑی کے رہے، حضرت عمرؓ نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جس نے بات چیت کرنی، یا شعر پڑھنا ہو اُس کے لئے یہ جگہ ہے[1]

مسجد میں فرش اور روشنی کا انتظام

حضرت عمرؓ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا، اس کی ابتدا بھی حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوئی، یعنی اُن کی اجازت سے تمیم داری نے مسجد میں چراغ جلائے حضرت عمرؓ نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا، جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک دفعہ مالِ غنیمت

[1] خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر ۱۳۲، ۱۳۳۔

marfat.com

میں عود کا ایک بنڈل آیا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ مؤذن کو حوالہ کیا۔ وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگیٹھی میں جلا کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا اور اُن کے کپڑے بساتا تھا[1]۔ فرش کا انتظام بھی اوّل حضرت عمرؓ ہی نے کیا لیکن یہ کوئی پُر تکلف قالین اور شطرنجی کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کے سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد و خاک میں نہ آلود ہوں۔

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق، بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال، اوپر گزر چکا، لیکن ان کے علاوہ، اور بہت سے جزئیات ہیں جن کے لئے جُدا جُدا عنوان نہیں قائم کیے جا سکتے اس لئے ان کو یکجا لکھنا زیادہ موزوں ہوگا۔

ان میں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب، اور اُس کی ضرورت سے سن اور سال کا قائم کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ سے پہلے اِن چیزوں کا وجود نہ تھا، عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سن کا حساب کرتے تھے، مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا، پھر عام الفیل قائم ہوا یعنی جس سال ابرہۃ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر عام الفجار اور اُس کے بعد اور مختلف سن قائم ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مستقل سن قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

سنہ ہجری مقرر کرنا۔ اِس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چک پیش ہوئی جس پر صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ، اُسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی، تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ اکثروں نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ

[1] خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۷۴۔

marfat.com

ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لاکر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا، اُس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے، اُس کو ماہ روز کہتے ہیں اور اسمیں مہینہ اور تاریخ دونوں کا ذکر ہوتا ہے، اُس کے بعد یہ بحث ہوئی کہ سنہ کی ابتدا کب سے قرار دی جائے، حضرت علیؓ نے ہجرت نبوی کی رائے دی، اور اسی پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ آنحضرتؐ نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے۔ اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا۔[۱]

عرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش کے قبیلہ میں ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے، لیکن حساب کتاب سے عموماً لوگ بے بہرہ تھے، یہاں تک کہ جب ۱۲ھ میں اُبلّہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جس کو حساب کتاب آتا ہو اور جو مالِ غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک ۱۴ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اِس صلے میں اُس کی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی۔[۲] یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمرؓ کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔

سب سے مشکل اور پُرپیچ، روزینہ داروں کا حساب تھا جو اہل عطا کہلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں، ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی اور مختلف گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی ہے، مثلاً بہادری کے لحاظ سے، شرافت کے لحاظ سے پچھلی کارگزاریوں کے لحاظ سے، اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی۔ یعنی ہر ہر قبیلہ کا جدا جدا رجسٹر تھا، اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی، اس صیغے کے حساب و کتاب کی درستی کے لئے حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے، قابل لوگوں

مختلف قسم کے رجسٹر

۱ے مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۴ - ۲ے طبری صفحہ ۲۳۸۸ -

کو مامور کیا مثلاً دار الخلافہ میں عقیلؓ بن ابی طالب، مخرمہؓ بن نوفل، جبیرؓ بن مطعم کو بصرہ میں مغیرہؓ بن شعبہ کو، کوفہ میں عبد اللہؓ بن خلف کو۔

دفترِ خراج

خراج کا تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، فارسی، شامی، قبطی زبان میں رہا کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کے کاغذات جانوروں کا حساب

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا، زکوٰۃ و صدقہ میں جو مویشی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے چنانچہ ان کے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب تھے، جانوروں کا حلیہ، رنگ، اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور بعض وقت خود حضرت عمرؓ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے[1]۔

مصارفِ جنگ کے کاغذات

مصارفِ جنگ اور مالِ غنیمت کا حساب، ہمیشہ افسروں سے طلب کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت خالدؓ کی پہلے معزولی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذاتِ حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے[2]۔ جلولاء کی فتح میں جو ۱۶ھ میں واقع ہوئی تھی۔ زیادؓ بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمرؓ کو ملاحظہ کرایا تھا[3]۔

مردم شماری کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے، چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔

خاص خاص صنفوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرلئے گئے تھے، مثلاً سعدؓ وقاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں اُن کی فہرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی چنانچہ اُس کا ذکر کسی اور موقع پر آئے گا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے۔ وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمرؓ کے اہتمام میں رہتا تھا[4]۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۷۳۶ [2] اصابہ فی احوال الصحابۃ تذکرہ خالد بن ولید [3] طبری صفحہ ۲۴۶۵ [4] مقریزی جلد اول صفحہ ۲۹۵

marfat.com

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ اُس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اُس کو لپیٹ کر رکھتے تھے، بعینہٖ اس طرح جس طرح ہمارے مُلک میں مہاجنوں کی بہیاں ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ، خلیفہ سفاح کے زمانے میں اُس کے وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا۔

کاغذات حساب کے لکھنے کا طریقہ

سکّہ کی نسبت اگرچہ عام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکّہ جاری کیا وہ عبدالملک بن مروان ہے، لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے موجد بھی عمرؓ فاروق ہی ہیں، چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں۔

سکّہ

جب امیر المؤمنین عمرؓ خلیفہ ہوئے اور خدا نے ان کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا، تو انھوں نے سکّہ کے معاملہ میں کچھ دخل نہیں دیا، بلکہ، پرانے سکّے جو جاری تھے بحال رہنے دیئے۔ سنہ ۱۸ھ میں جب مختلف مقامات سے، سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفرا آئے جن میں احنف بن قیس بھی شامل تھے، احنف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں، حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست پر معقل بن یسارؓ کو بھیجا جنھوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی، جس کا نام نہر معقل ہے، اور جس کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے اِذَا جَاءَ نَهرُ اللهِ بَطَلَ نَهرُ مَعقِلٍ، حضرت عمرؓ نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لئے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کئے۔ اسی زمانے میں حضرت عمرؓ نے اپنے سکّہ کے درہم جاری کئے، جو نوشیروانی سکّہ کے مشابہ تھے، البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمرؓ کے سکّوں پر الحمدُ لله اور بعض سکّوں پر مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ اور بعض پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحدَهٗ لکھا ہوتا تھا، حضرت عمرؓ کے اخیر زمانے میں دس درہم کا مجموعی وزن چھ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔ [1]

۱ دیکھو کتاب النقود الاسلامیہ للمقریزی مطبوعہ مطبع جوائب سنہ ۱۲۹۸ھ صفحہ ۴، ۵

یہ مقریزی کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ حضرت عمرؓ نے سکّہ میں ترمیم و اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے، بغلی آٹھ دانگ کا۔ طبری چار دانگ کا۔ مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لئے دونوں کو ملا کر اِن کا نصف، اسلامی درہم قرار دیا جائے، چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔[۱]

ذمی[۲] رعایا کے حقوق

حضرت عمرؓ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے، اُس کا مقابلہ اگر اُس زمانے کی اور سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم اور فارس تھیں، اِن دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق، غلاموں سے بھی بدتر تھے، شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا، بلکہ خود وہ ایک قسم کی جائداد خیال کئے جاتے تھے، چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہوجاتے تھے، اور مالکِ سابق کو اُن پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض حال کو حاصل ہوجاتے تھے، یہودیوں کا حال اور بدتر تھا بلکہ اِس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے اُن پر رعایا کا اطلاق ہوسکتا، کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے، اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے اُن کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

پارسیوں اور عیسائیوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ

حضرت عمرؓ نے جب اِن ممالک کو زیرِ نگین کیا تو دفعتہً وہ حالت بدل گئی، جو حقوق اُن کو دیئے گئے اُس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے، بلکہ اِس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے

۱؎ الاحکام السلطانیہ للماوردی صفحہ ۱۴۷، ۲؎ ذمی سے وہ قومیں مراد ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک اسلام میں سکونت رکھتی تھیں ۱۲

marfat.com

گئے ہم ان کو اس مقام پر بعینہٖ نقل کرتے ہیں، جس سے اس دعوے کی تصدیق ہوگی اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملیگا کہ یورپ نے باا ینہمہ دعوئے تہذیب، اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو کہیں دیئے ہیں؟

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں ان میں بعض مفصل اور باقی مجمل ہیں، کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویل مُمِل کا باعث تھا اس لئے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دے دیا گیا ہے، بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں اور اُن کے الفاظ میں لکھا گیا حسب ذیل ہے۔

بیت المقدس کا معاہدہ

هذا ما اعطى عبدُ اللهِ عُمر امير المؤمنينَ اهلَ ايليا من الامان اعطاهم امانًا لانفسهم و اموالهم و لكنائسهم و صلبانهم و سقيمها و بريئها و سائر ملتها انه لا يسكن كنائسهم و لا تهدم و لا ينتقص منها و لا من حيزها و لا من صليبهم و لا من شيءٍ من اموالهم و لا يكرهون على دينهم و لا يضارّ احدٌ منهم و لا يسكن بايلياء معهم احدٌ من اليهود و على اهلِ ايلياء ان يعطوا الجزية كما يعطى اهل المدائن و عليهم ان يخرجوا منها الروم	یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار، اور اُن کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے، اسطرح پر کہ اُن کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو یا ان کے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں اُن پر جبر نہ کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے، ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کو امن ہے تا آنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ

marfat.com

واللصوت فمن خرج منهم فهو آمن على انفسه وماله حتى يبلغوا مامنهم ومن اقام منهم فهو آمن وعليه مثل اهل ايلياء من الجزية ومن احب من اهل ايلياء ان يسير بنفسه وماله مع الروم ويخلى بيعهم وصلبهم فانهم آمنون على انفسهم وعلى بيعهم وصلبهم حتى يبلغوا مامنهم + وعلى ما فى هذا الكتاب عهد الله وذمة رسوله وذمة الخلفاء وذمة المؤمنين اذا اعطوا الذى عليهم من الجزية شهد على ذلك خالد بن الوليد وعمرو بن العاص وعبد الرحمٰن بن عوف ومعاوية بن ابى سفيان وكتب وحضر سنة ۱۵ھ ۔

جاتے ۔ اور جو ایلیاء ہی میں رہنا اختیار کرے تو اسکو بھی امن ہے اور اُس کو جزیہ دینا ہوگا ۔ اور ایلیاء والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لیکر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں ۔ اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا، رسولِ خدا کا، خلفاء کا، مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ جزیۂ مقررہ ادا کرتے رہیں ۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمرو بن العاص اور عبد الرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان اور سنہ ۱۵ھ میں لکھا گیا ۔

اِس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے مال، جان، اور مذہب، ہر طرح سے محفوظ رہیگا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہوسکتے ہیں انہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔ گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ وہ توڑی جائیں گے ۔ نہ اُن کی عمارت کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے گا، نہ اُن کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی ، مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لا یکرهون على دينهم

لے دیکھو تاریخ ابو جعفر جریر طبری ، فتح بیت المقدس ؛

marfat.com

عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا اس لئے اُن کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں گے۔ یونانی۔ باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدو تھے، تاہم ان کے لئے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں، کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں، اور نکل جانا چاہیں تو نکل جا سکتے ہیں، دونوں حالتوں میں اُن کو امن حاصل ہوگا اور اُن کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا، سب سے بڑھ کر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائیوں اگر یہ چاہیں کہ وطن سے نکل کر رومیوں سے جا ملیں تو اس پر بھی ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا۔ بلکہ اُن کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں سب محفوظ رہیں گے۔" کیا کوئی قوم مفتوح ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر انصافانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا، کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمرؓ فوراً اُس کے بدلے مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے، امام شافعی نے روایت کی ہے کہ قبیلۂ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرۃ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل، مقتول کے وارثوں کو دے دیا جائے چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا حوالہ کیا گیا اور اُس نے اُسکو قتل کر ڈالا[1]۔ مال اور جائداد کے متعلق اُن کے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے؟ کہ جس قدر زمینیں اُن کے قبضے میں تھیں اُسی حیثیت سے بحال رکھی گئیں جس حیثیت سے فتح سے پہلے اُن کے قبضے میں تھیں، یہاں تک کہ مسلمانوں کو اُن زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا، چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کے ساتھ محاصل ملکی کے بیان میں لکھ آتے ہیں۔"

بندوبست مالگذاری میں ذمیوں کا خیال

مالگذاری جو مشخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ہلکی تھی اس پر بھی حضرت عمرؓ کو ہمیشہ یہ خیال

[1] الدرایۃ فی تخریج الھدایۃ مطبوعہ دہلی، صفحہ ۳۶۰۔

marfat.com

رہتا تھا کہ کہیں ان پر سختی تو نہیں کی گئی چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو ۱۰ شخص کوفہ اور ۱۰ شخص بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ اُن سے چار دفعہ بتاکید قسم لیتے تھے کہ مالگذاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی ہے[1]۔ وفات سے ۳ تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسرانِ بندوبست کو بلایا اور تشخیص جمع کے متعلق ان سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی[2]۔

ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ

ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے، یہ ہے کہ انتظاماتِ مُلکی میں اُن کو حصّہ دیا جائے، حضرت عمرؓ ہمیشہ اُن انتظامات میں جن کا تعلّق ذمیوں سے ہوتا تھا ذمیوں کے مشورہ اور استصواب کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ عراق کا بندوبست جب پیش تھا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بُلا کر مالگذاری کی حالات دریافت کئے۔ مصر میں جو انتظام کیا اُس میں مقوقس سے اکثر رائے لی۔[3]

جان و مال و جائداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دیئے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ اُن کی پابندی کی جاتی تھی، شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہلِ فوج نے اُس کی زراعت کو پامال کر دیا، حضرت عمرؓ نے بیت المال سے ۱۰ ہزار درہم اُسکو معاوضہ میں دلوائے۔[4] اضلاع کے حکّام کو تاکیدی فرمان بھیجتے تھے کہ ذمیوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے، خود بالمشافہ لوگوں کو اِس کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ قاضی ابویوسف نے کتاب الخراج باب الجزیہ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام سے واپس آرہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور اُن کے سر پر تیل ڈالا جارہا ہے، لوگوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا ہے،

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۵ [2] کتاب الخراج صفحہ ۲۱ میں ہے:۔ قال شہدت عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بثلاث او اربع واقفا علی حذیفۃ بن الیمان و عثمان بن حنیف وھو یقول لھما لعلکما حملتما الارض ما لا تطیق ۱۲

[3] مقریزی جلد اوّل صفحہ ۷۴، [4] کتاب الخراج صفحہ ۶۸۔

marfat.com

اِس لئے اِن کو سزا دی جاتی ہے، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ آخر ان کا عذر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ "ناداری" فرمایا کہ "چھوڑ دو اور اِن کو تکلیف نہ دو۔ مَیں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ لا تعذبوا الناس فانّ الّذین یعذّبون النّاس فی الدّنیا یعذبھم اللہ یوم القیامۃ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دُنیا میں لوگوں کو عذاب پہنچاتے ہیں خُدا قیامت میں ان کو عذاب پہنچائے گا" حضرت ابوعبیدہؓ کو شام کے فتح کے بعد جو فرمان لکھا اُس میں یہ الفاظ تھے۔

ذمیوں کی شرائط کا ایفا

وامنع المسلمین من ظلمھم والاضرار بھم واکل اموالھم الا بحلھا ووف لھم بشرطھم الذی شرطت لھم فی جمیع ما اعطیتھم[1]

مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں نہ ان کو نقصان پہنچانے پائیں نہ ان کا مال بےوجہ کھانے پائیں۔ اور جس قدر شرطیں تم نے اُن سے کی ہیں سب وفا کرو۔

حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب، خلیفہ ہونے والے شخص کے لئے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی، اِس وصیت نامہ کو امام بخاری، ابوبکر بیہقی، جاحظ، اور بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے اُس کا اخیر فقرہ یہ ہے۔

واوصیہ بذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ ان یوفی لھم بعھدھم وان یقاتل من ورائھم وان لا یکلفوا فوق طاقتھم[2]

یعنی میں اُن لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ اُن سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے اور اُن کی حمایت میں لڑا جائے۔ اور ان کو اُن کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔"

اِس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔" غرفہؓ ایک صحابی تھے۔ اُن کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلعم کو گالی دی، غرفہؓ نے اُس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا، عیسائی نے عمروؓ بن العاص کے پاس جاکر

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۲۔ [2] صحیح بخاری صفحہ ۱۸۷ مطبوعہ میرٹھ۔

marfat.com

شکایت کی، اُنہوں نے غرفہؓ کو بُلا بھیجا اور باز پُرس کی، غرفہؓ نے واقعہ بیان کیا، عمرؓو بن العاص نے کہا "ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے،" غرفہؓ نے کہا "نعوذ باللہ اُن کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی ہے کہ رسولؐ اللہ کو اعلانیہ گالیاں دیں۔ اُن سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤں میں جو کچھ چاہیں کریں، اور اگر اُن پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم اُن کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں، اور اُن پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جس کے وہ متحمل نہ ہوں، عمرؓو بن العاص نے کہا ہاں یہ سچ ہے[1]۔ اِس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیوں کے حفظِ حقوق کا کِس قدر خیال رکھا جاتا تھا۔

مذہبی امور میں آزادی

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ ہر قسم کے رسوم مذہبی ادا کرتے تھے، اعلانیہ ناقوس بجاتے تھے، صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے، ان کے پیشوایانِ مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے، مصر میں اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے اِدھر اُدھر مارا مارا پھرا عمرؓو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو ۲۰ھ میں اس کو تحریری امان لکھ کر بھیجی وہ نہایت ممنون ہو کر آیا اور پیٹریارک کی کرسی دوبارہ اُسکو نصیب ہوئی چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب (صفحہ ۴۹۲ جلد اوّل) میں اِس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ اور معاہدات میں اور اُمور کے ساتھ مذہبی آزادی کا حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اُس میں یہ الفاظ تھے۔

لا یغیرون عن ملة ولا یحال بینھم وبین شرائعھم[2]

ان کا مذہب نہ بدلا جائے گا، اور اُن کے مذہبی اُمور میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی۔

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

---

[1] اسد الغابۃ تذکرہ غرفہ [2] طبری صفحہ ۲۶۳۳۔

marfat.com

لهم الامان علی انفسهم واموالهم وملّلهم وشرائعهم ولا یغیر من شیٔ من ذٰلک[۱]

ان کے جان اور مال اور مذہب و شریعت کو امان ہے اور اسمیں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا۔"

آذربایجان کے معاہدہ میں یہ تصریح تھی۔

الامان علیٰ انفسهم واموالهم وملّلهم وشرائعهم[۲]

جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

موقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔

الامان علی اموالهم وانفسهم وملّتهم وشریعهم۔

جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے

حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصبِ خلافت کے لحاظ سے اِن کا یہ فرض تھا، لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا، ورنہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے، کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ استیق ان کا ایک عیسائی غلام تھا، اُس کو ہمیشہ مذہبِ اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اُس نے انکار کیا تو فرمایا لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے[۳]۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی، کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تھا تو بیدریغ اُس کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا، مسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے، ذمیوں سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اِس کے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی جس کی مقدار دونوں

مسلمانوں اور ذمیوں کی برابری

[۱] طبری صفحہ ۲۶۵۸ [۲] طبری ص ۲۶۶۲ [۳] کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد۔ جلد پنجم صفحہ ۴۹۔

سے زیادہ تھی، اس کے سوا عشور مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا البتہ اُس کی شرح بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی، بیت المال سے والنٹیروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہیں ملتی تھیں ذمی بھی اُس میں برابر کے شریک تھے، سب سے بڑھ کر یہ (اور در حقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے) کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپاہج اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش نہیں پیدا کر سکتا تھا بیت المال سے اُس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ اسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی مرعی تھی۔ اوّل اوّل یہ قاعدہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں مقرر ہوا چنانچہ خالدؓ بن ولید نے حیرۃ کی فتح میں جو معاہدہ لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل او اصابه آفة من الآفات او كان غنياً فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام فان خرجوا الى غير دار الهجرة ودار الاسلام فليس على المسلمين النفقة على عيالهم۔[1]	اور میں نے اُن کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آئے، یا پہلے دولت مند تھا پھر غریب ہو گیا اور اس وجہ سے اُسکے ہم مذہب اُسکو خیرات دینے لگے، تو اُسکا جزیہ موقوف کر دیا جائیگا اور اُس کو اور اُسکی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے۔ لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اُس کا نفقہ واجب نہ ہو گا۔

یہ قاعدہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمرؓ نے اُس کو قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو یہ لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ (صدقہ اور خیرات، فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہے)، اسمیں فقراء کے لفظ سے مسلمان اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک پیر کہن سال کو بھیک مانگتے دیکھا، پوچھا کہ بھیک کیوں

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۵۔

marfat.com

مانگتا ہے؟ اُس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدور نہیں" حضرت عمرؓ اُسکو ساتھ گھر پر لوا لائے اور کچھ نقد دیکر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے، اسی واقعہ میں آیت مذکورۂ بالا کا حوالہ دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ "واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں اُن کو نکال دیں[1]"

ذمیوں کی عزت کا خیال

ذمیوں کی عزت وآبرو کا اُسی قدر استحفاظ تھا جس قدر مسلمان کی عزت وناموس کا، ان کے نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ عمیرؓ بن سعد جو حمص کے حاکم تھے اور زہد وتقدس وترکِ دُنیا میں تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، ایک دفعہ ان کے منہ سے ایک ذمی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا اخزاک اللہ یعنی خُدا تجھ کو رسوا کرے۔ اِس پر ان کو اِس قدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری سے استعفیٰ دے دیا، اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی[2]۔

سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

ایک خاص بات جو سب سے بڑھ کر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیوں نے اگر کبھی سازش، یا بغاوت کی تب بھی اُن کے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا۔ آج کل جن حکومتوں کو تہذیب وترقی کا دعوےٰ ہے رعایا کے ساتھ اُن کی تمام عنایت اُسی وقت تک ہے جب تک اُن کی طرف سے کوئی پولیٹکل شبہ نہ پیدا ہو، ورنہ دفعۃً وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدل جاتی ہے، اور ایسا خونخوار اور پُر غیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں بھی اُس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اِس کے حضرت عمرؓ کا قدم کسی حالت میں جادۂ انصاف سے ذرا نہیں ہٹا، شام کے آخری سرحد پر ایک شہر تھا جس کا نام عربسوس تھا اور جس کی دوسری سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صُلح کا معاہدہ

[1] کتاب الخراج صفحہ ۷۲، [2] دیکھو ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۳۔

ہوگیا لیکن یہاں کے لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور اِدھر کی خبریں اُن کو پہنچاتے رہتے تھے۔ عمیرؓ بن سعد وہاں کے حاکم نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، حضرت عمرؓ نے اُن کی اس کمینہ خصلت کا جو انتقام لیا، وہ یہ تھا کہ عمیرؓ بن سعد کو لکھا بھیجا کہ جس قدر اُن کی جائداد۔ زمین، مویشی، اور اسباب ہے سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دوچند قیمت دے دو، اور اُن سے کہو کہ اور کہیں چلے جائیں، اگر اس پر راضی نہ ہوں تو اُن کو ایک برس کی مہلت دو، اور اس کے بعد جلاوطن کر دو، چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی[۱]۔ کیا آج کل کوئی قوم اس درگذر اور عفو و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟

ذمیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اُس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیوں نے ہر موقع پر خود اپنے ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلے میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذمی ہی تھے جو مسلمانوں کے لئے رسد بہم پہنچاتے تھے، لشکر گاہ میں مینا بازار لگاتے تھے۔ اپنے اہتمام اور صرف سے سڑک اور پل تیار کراتے تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے۔ یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آکر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن اُنہی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے حسنِ سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہوگیا تھا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لیکر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائینگے" عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ "خدا کی قسم تم رومیوں کے بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہم کو محبوب ہو۔"

اخیر میں ہم کو اُن واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضرور ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے، یا ہو سکتا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے بلکہ خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ ناانصافانہ سلوک کئے۔

---

[۱] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۷۔

marfat.com

مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر

اِس مسئلے کو مخالف اِس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبُّہ نہ کرنے پائیں، کمر میں زنّار باندھیں، لمبی ٹوپیاں پہنیں، گھوڑوں پر کاٹھی کسیں، نئی عبادتگاہیں نہ بنائیں، شراب اور سور نہ بیچیں، ناقوس نہ بجائیں، صلیب نہ نکالیں، بنو تغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں، اِن سب باتوں پر یہ مستزاد کہ حضرت عمرؓ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سیکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے، جلاوطن کر دیئے؛

بے شبہ، یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں، اور ہم اُن کے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل سے کام لیں گے، کیونکہ ایک زمانہ ممتد کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرے پر بہت سے پردے ڈال دیئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کو غیر قوموں کے مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا، لباس کی بحث میں تحقیق طلب یہ امر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو جس لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی آیا وہی ذمیوں کا قدیم لباس تھا۔ یا حضرت عمرؓ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیر کے تجویز کیا تھا۔ جس شخص نے عجم کی قدیم تاریخ پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے، کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا، حضرت عمرؓ کا معاہدہ جس کو کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا ہے اگرچہ راویوں نے اس کو بہت کچھ کم و بیش کر دیا ہے تاہم جہاں ذمیوں کیطرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم فلاں فلاں لباس نہ پہنیں گے، وہاں یہ الفاظ بھی ہیں وان تلزم زینا حیث ما کنا یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو ہمیشہ سے پہنتے آتے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔

زنّار جس کا ذکر حضرت عمرؓ کے فرمان میں ہے اُسکی نسبت ہمارے فقہا نے اکثر

ا کنز العمال جلد دوم صـ ۳۰۲

marfat.com

غلطیاں کی ہیں، اُن کا خیال ہے کہ وہ اُنگل برابر موٹا ایک قسم کا جنیو ہوتا تھا اور اس سے ذمیوں کی تحقیر مقصود تھی، لیکن یہ سخت غلطی ہے زنّار کے معنی پیٹی کے ہیں اور عرب میں یہ لفظ آج کل بھی اسی معنی میں مستعمل ہے، پیٹی کو عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں اور اس لحاظ سے زنّار اور منطقہ مرادف الفاظ ہیں، ان دونوں الفاظ کا مرادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے، کنز العمال[1] میں بیہقی وغیرہ سے روایت منقول ہے، کہ حضرت عمرؓ نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا دتلزموا ھم المناطق یعنی الزنانیر اسی زنّار کو کستیج بھی کہتے تھے چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے زنّار کے کستیج ہی لکھا ہے، اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے بہر حال اہل عجم قدیم سے پیٹی لگاتے تھے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ[2] والاشراف میں لکھا ہے، کہ عجم کی اس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب مروج الذہب میں لکھی ہے۔"

ایک قطعی دلیل اس بات کی کہ یہ لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا، یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لئے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا، لمبی ٹوپیاں جو نرسل کی ہوتی تھیں، وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں، جسکا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے، اس درباری لباس میں پیٹی بھی داخل تھی اور یہ وہی زنّار، یا منطقہ، یا کستیج، ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی، منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مورخین عرب نے تصریح کی ہے، کہ عجم کی تقلید تھی، اب یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لباس، حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے لئے قرار دیا تھا، وہ اگر کوئی جدید لباس تھا اور ان کی تحقیر کے لئے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اس کو اپنا اور اپنے دربار کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

صلیب اور ناقوس کی بحث

ذمیوں کو نئی عبادت گاہیں بنانے، شراب بیچنے، صلیب نکالنے، ناقوس پھونکنے اصطباغ دینے سے، روکنا بے شبہہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن میں بیباکانہ اس راز کی پردہ دری کرتا ہوں، کہ یہ احکام جن قیدوں کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے جاری کئے

[1] کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۲۰ [2] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۷

marfat.com

تھے وہ بالکل مناسب تھے۔ لیکن زمانۂ مابعد کے مورخوں نے اُن قیدوں کا ذکر چھوڑ دیا، اور اس وجہ سے تمام دُنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے اُس میں یہ قید تھی وَلَا یرفعوانی نادی اہل الاسلام صلبا[1] یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں۔

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی یضربوا نواقیسھم فی ای ساعۃ شاؤا من لیل او نھار الا فی اوقات الصلوٰۃ[2] یعنی ذمی رات دن میں جس وقت چاہیں، ناقوس بجائیں بجز نماز کے اوقات کے۔" سُور کی نسبت یہ الفاظ تھے وَلَا یخرجوا خنزیرا من منازلھم الی افنیۃ المسلمین۔ یعنی ذمی۔ سُور کو مسلمانوں کے احاطہ میں نہ لیجائیں۔

ان تصریحات کے بعد، کسکو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا۔ یا ناقوس بجانا، عموماً منع نہ تھا بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی، اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلافِ انصاف نہیں کہی جاسکتی۔ سب سے زیادہ قابلِ لحاظ امر۔ بنی تغلب عیسائیوں کے اولاد کا اصطباغ نہ دینا ہے، عیسائیوں میں دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بلوغ سے پہلے اصطباغ دے دیتے ہیں، اور یہ گویا اِس بات کی حفاظت ہے کہ آئندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کرنے پائے، بعینہٖ اِسطرح جس طرح ہم مسلمانوں میں بچّوں کا ختنہ کیا جاتا ہے، بے شبہ حضرت عمرؓ کو عام طور پر اس رسم کے روکنے کا کچھ حق نہ تھا، لیکن اُس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوا تھا، یعنی یہ اگر کسی عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جاتے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے، تو اُس کی اولاد کس مذہب کے موافق پرورش پائیگی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا اُن کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہو گا کہ اسکو اصطباغ دیکر عیسائی بنالیں۔ حضرت عمرؓ نے اِس صورت خاص کے لئے یہ قرار دیا کہ خاندان والے، اُسکو اصطباغ نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں، اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے۔ کیونکہ جب اس

اصطباغ نہ دیسکنا

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۰ [2] کتاب الخراج صہ ۸۶

marfat.com

کا باپ مسلمان ہوگیا تھا تو اُس کی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائیگی۔ علامۂ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں علیٰ ان لاینصّروا ولیداً ممن اسلم اباءھم یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے اُن کی اولاد کو عیسائی بنا سکیں[1]۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں[2] ان لاینصّروا اولادھم اذا اسلم آباءھم۔

یہاں شاید یہ اعتراض ہو، کہ حضرت عمرؓ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو کیوں سخت کیا۔ لیکن جواب یہ ہے کہ یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، اِس لئے ان کی خاص حالت کے لحاظ سے اُس صورت کا ذکر ضرور تھا، بلکہ علامہ طبریؒ[3] نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہی نے معاہدہ کے یہ شرائط پیش کئے تھے۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام، میں خلل نہ واقع ہونے کے لئے، عیسائیوں کو اگر یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلسوں میں صلیب اور سُور نہ لائیں، خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائیں، نومسلم عیسائیوں کی اولاد کو اصطباغ نہ دیں، تو کیا کوئی شخص اِس کو تعصب مذہبی سے تعبیر کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے، کہ ہمارے پچھلے مؤرخوں نے، ان احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اُڑا دیا۔ بلکہ قدماء میں بھی جو تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے، روایت میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں، لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں ابن الاثیر وغیرہ نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا، رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اِس قدر پھیل گئیں کہ عربی زبان سر تا پا اِس سے معمور ہوگئی۔ فقہا چونکہ تاریخ سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے اُنہوں نے بے تکلف انہی غلط روایتوں کو قبول کر لیا اور اِن پر فقہ کے مسائل تفریع کر لئے۔

[1] طبری ۲۴۸۲۔ [2] طبری ۱۰ د ۲۔ [3] طبری صفحہ ۲۵۰۹

marfat.com

عیسائیوں کے جلاوطن کرنیکا معاملہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ، اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانے میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے۔ خیبر جب فتح ہوا تو ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جس وقت مناسب ہو گا تم کو یہاں سے نکال دیا جائے گا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبد اللہؓ بن عمر کو ایک دفعہ بالاخانے سے دھکیل دیا جس سے ان کے ہاتھ میں زخم آگیا، مجبوراً حضرت عمرؓ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر ان کی شرارتیں بیان کیں اور پھر اُن کو عرب سے نکال دیا[1]۔ چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الشروط میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی۔ یمن اور اسکی اطراف میں رہتے تھے اور اُن سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا لیکن اُنہوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں، اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کئے۔ حضرت عمرؓ نے صرف اس ضرورت سے اُن کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں۔

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے، کہ عیسائی اور یہودی پولیٹکل ضرورتوں کی وجہ سے جلاوطن کئے گئے اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا، البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کس قسم کی رعایت ان کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ فدک کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمرؓ نے ایک واقف کار شخص کو بھیجا کہ اُن کی زمین اور باغوں کی قیمت کا تخمینہ کرے، چنانچہ جو قیمت متعین ہوئی حضرت عمرؓ نے انکو بیت المال سے دلوادی[2]۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی، اُن کی زمین کی قیمت دلوائی[3]۔

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا، تو ان کے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں، ان کو امن کا جو ـــــ پروانہ دیا، اس میں یہ شرطیں لکھیں۔

عراق یا شام، جہاں یہ لوگ جائیں، وہاں کے افسران کی آبادی اور زراعت کے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۵ و کتاب الخراج ۲۹ [2] کتاب الخراج صفحہ ۴۲ [3] فتوح صفحہ ۲۹ [4] کتاب مذکور ۲۹

marfat.com

لئے ان کو زمین دیں۔ جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے جائیں وہ اُن کی مدد کرے۔ ۴ ۲/۳ مہینے تک اِن سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اِس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہؓ کے دستخط ثبت کرلئے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اِس معاہدہ کو بالفاظہا نقل کیا ہے[1]۔

ایک ایسی فوج، جس کی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں۔ اُس کے ساتھ اِس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جاسکتی ہے۔

اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے ہم نے اِس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ تین زبانوں (اُردو۔ انگریزی، عربی) میں چھپ کر شائع ہوچکا ہے تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضرور ہے۔

جزیہ کا موضوع اور مقصد، اگرچہ شروع اسلام ہی میں ظاہر کردیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے، لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہوگیا کہ احتمال کی بھی گنجائش نہیں رہی، اولاً تو انہوں نے نوشیرواں کی طرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں، اور اِس طریقے سے گویا صاف بتادیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نوشیروانی محصول ہے، اِس کے علاوہ موقع بہ موقع عملی طور سے اِس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے، اِس کتاب کے پہلے حصّے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پُرخطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے، اسلامی فوجیں شام کے مغربی حصّوں سے ہٹ آئیں اور ان کو یقین ہوگیا کہ جن شہروں سے وہ جزیہ وصول کرچکے تھے یعنی حمص، دمشق، وغیرہ وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا اب وہ ذمّہ نہیں اُٹھا سکتے، تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی، سب واپس کردی، اور صاف کہدیا کہ اسوقت ہم تمہارے جان ومال کی حفاظت کے ذمّہ دار نہیں ہوسکتے، اِس لئے جزیہ لینے کا بھی ہم

جزیہ کی بحث

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۴۱

marfat.com

کو کوئی حق نہیں ہے، اِس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی اُن کو باوجود اُن کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے خود سنہ ۱۷ھ میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ۔

یستعینوا بمن احتاجوا الیہ من الاساورۃ ویرفعوا عنھم الجزاء[1]

یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اُس سے مدد لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو،

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی تو اُس سال کا جزیہ اس کے لئے معاف کر دیا گیا۔ سنہ ۲۲ھ میں جب آذربائیجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھ دیا گیا۔

ومن حشر منھم فی سنۃ وضع عنہ جزاء تلک السنۃ۔

یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دیں گے اُس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔

اِسی سال آرمینیہ کے رئیس شہربراز سے جو معاہدہ ہوا اُس میں یہ الفاظ تھے۔

وَعلی اھل آرمینیۃ اَن ینفروا لِکل غارۃ وَ ینفذوا لکل امر ناب او لم ینب راٰہ الوالی صلاحًا علی ان توضع الجزاء[2]

اِسی سنہ میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی۔

اِنَّ لکم الذمۃ وعلینا المنعۃ علیٰ اَن علیکم مِن الجزاءِ فی کل سنۃ علیٰ قدرِ طاقتکم ومن استعنا بہ منکم فلہ جزاءہ فی معونتہ عوضا عن جزائہ[3]

یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اِس شرط پر کہ تم کو ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر تم سے اعانت لیں گے تو اس اعانت کے بدلے جزیہ معاف ہو جائے گا۔

غرض حضرت عمرؓ کے اقوال سے، معاہدوں سے، طرزِ عمل سے، روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گیا تھا کہ جزیہ کا موضوع کیا ہے اور وہ کس غرض سے مقرر کیا گیا۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۹۷ [2] طبری صفحہ ۲۶۶۵ [3] طبری صفحہ ۲۶۶۶

marfat.com

جزیہ کا مصرف، فوجی مصارف پر محدود تھا، یعنی اس رقم سے صرف اہل فوج کے لیے خوراک، لباس، اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جہاں جہاں جزیہ مقرر کیا اسکے ساتھ جنس اور غلہ بھی شامل کیا، مصر میں فی کس جزیہ کی تعداد دراصل چار دینار تھی لیکن دو نقد اور باقی کے عوض گیہوں، روغن زیتون، شہد، سرکہ، لیا جاتا تھا اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کُل جزیہ کی مقدار نقد کر دی گئی اور دو دینار کے بجائے چار دینار لیے جانے لگے۔[1]

غُلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمرؓ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا، اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے، تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اُنہوں نے مختلف طریقوں سے اِس کے رواج کو کم کر دیا، اور جس قدر قائم رکھا اِس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں، بلکہ برادری اور ہمسری رہ گئی۔ عرب میں تو اُنہوں نے سرے سے اُسکا استیصال کر دیا اور اِس میں اُن کو اِس قدر اہتمام تھا کہ عنانِ خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ، پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں قبائل مرتدہ میں سے جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے اِس کے ساتھ یہ اُصول قائم کر دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے، ان کا قول ہے کہ لا یسترق عربی۔ یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا۔[2] اگرچہ بہت سے مجتہدین اور آئمہ فن نے اُن کے اِس اُصول کو تسلیم نہیں کیا، امام احمد حنبل کا قول ہے کہ لا اذھب الی قولِ عمر لیس علی عربی ملک[3] یعنی میں عمرؓ کی یہ رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے، یہ موقع اِس مسئلہ پر بحث کرنے کا نہیں یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ تھا۔

عرب کا غلام نہ ہو سکنا

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶ [2] کنز العمال میں امام شافعی کی روایت سے یہ قول منقول ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۳۰۴ جلد دوم [3] منتقی الاخبار لابن تیمیہ۔

marfat.com

غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے، جب کوئی ملک فتح ہوتا تھا تو اہلِ فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ مُلک کے ساتھ تمام رعایا اُن کی غلامی میں دے دی جائے۔ مُلک کی تقسیم میں تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بند کی۔ لیکن غلامی کے لئے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا، اِس لئے وہ تمام اہلِ فوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے، تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا، جس قدر ممالک اُن کے زمانے میں فتح ہوئے اُس کی وسعت کئی ہزار میل تھی۔ جس میں کروروں آدمی بستے تھے۔ لیکن غلامی کا جہاں جہاں پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے، اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو معرکہ جنگ میں شریک تھے، عراق اور مصر میں جو بجائے خود مستقل مملکتیں ہیں باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا، یہاں تک کہ جب مصر کے بعض دیہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیجدیئے گئے تو حضرت عمرؓ نے سب کو جا بجا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیجدیا کہ اُن کو غلام بنانا جائز نہ تھا، چنانچہ مورّخ مقریزی نے اُن دیہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔[1]

شام کے شہروں میں سے بصریٰ، فحل، طبریہ، دمشق، حمص، حماۃ، عسقلان، انطاکیہ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے زور شور سے لڑے، غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے، جہاں اسیرانِ جنگ غلام بنائے گئے، فارس، خوزستان، کرمان، جزیرہ، وغیرہ میں خود معاہدہ صُلح میں یہ الفاظ لکھدیئے گئے تھے کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ ہوگا، صامغان، جندی سابور، شیراز وغیرہ میں اِس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ لا یسبوا یعنی وہ لوگ گرفتار ہو کر لونڈی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

مناذر میں باوجود اِس کے کہ فوج نے اسیرانِ جنگ کو غلام بنا کر اُن پر قبضہ کر لیا تھا،

---

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۱۶۶۔

marfat.com

لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو اور خراج و جزیہ مقرر کر لو[1]۔ ابو موسیٰؓ اشعری کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے[2]۔

حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے، وہ خریدی اور بیچی نہیں جا سکتی، جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی، یہ قاعدہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے، ان سے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کی بھی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی، چنانچہ مورخین اور محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کے اولیات لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جس کو مکاتبہ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ لکھ دے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر روپے ادا کر دوں گا، جب وہ زر معینہ ادا کر دیتا ہے تو بالکل آزاد ہو جاتا ہے، یہ قاعدہ خود قرآن مجید میں موجود ہے:۔

فکاتبوا ھم ان علمتم فیھم خیرًا لیکن فقہا اس حکم کو وجوبی نہیں قرار دیتے یعنی آقا کو اختیار ہے معاہدہ کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن حضرت عمرؓ نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا صحیح بخاری کتاب المکاتب میں ہے کہ حضرت انسؓ کے غلام، سیرین نے مکاتبت کی درخواست کی، انسؓ نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا حضرت عمرؓ نے انس کو دُرّے لگائے اور مذکورہ بالا آیت، سند میں پیش کی، آخر انسؓ کو مجبورًا ماننا پڑا۔

حضرت شہر بانو کا قصہ

اس موقع پر حضرت شہر بانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اس کا ذکر کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں، حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں اُن کے بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا کہ خاندانِ شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں، ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور اُس سے ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خود اُن کو اپنے اہتمام میں لیا، اور

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۰۷ [2] کنز العمال صفحہ ۳۱۲ جلد دوم

marfat.com

ایک امام حسینؓ کو ایک محمدؓ بن ابی بکر کو ایک عبداللہؓ بن عمر کو عنایت کی۔ اِس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے، کہ زمخشری نے جس کو فنِ تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں، ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدینؒ کے حال میں یہ روایت اُس کے حوالہ سے نقل کردی، لیکن یہ محض غلط ہے، اوّلاً تو زمخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی، بلاذری، ابن قتیبہ، وغیرہ کسی نے اِس واقعہ کو نہیں لکھا، اور زمخشری کا فنِ تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے، اِس کے علاوہ تاریخی قرائن اِس کے بالکل خلاف ہیں، حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد اور خاندانِ شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا، مدائن کے معرکے میں یزدگرد مع تمام اہل وعیال کے دار السلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا، جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا، مرو میں پہنچکر ۳۰ھ میں جو عثمانؓ غنی کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا، اس کی آل اولاد، اگر گرفتار ہوئے ہونگے تو اُسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے، مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اِس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُسوقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی عمر ۱۲ برس کی تھی، کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے اور فارس ۱۷ھ میں فتح ہوا، اِس لئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؓ نے انکی نابالغی میں اُن پر اِس قسم کی عنایت کی ہوگی، اِس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی، اور حضرت علیؓ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اِس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہوسکتا، حضرت عمرؓ کی تاریخ میں اِس قسم کا واقعہ جو مسلّم طور پر ثابت ہے اُس میں وہی برتاؤ کیا گیا جو تہذیب و انسانیت کا مقتضا تھا اور جو آج بھی تمام مہذب ملکوں میں جاری ہے،

شاہی خاندان کے اسیران کے ساتھ جناب کا برتاؤ

عمروؓ بن العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی تو اوّل بلبیس پر حملہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے، اتفاق سے مقوقس بادشاہ مصر کی بیٹی جس کا نام ارمانوسہ تھا یہیں مقیم تھی، وہ بھی گرفتار ہوئی، عمروؓ بن العاص نے اُسکو نہایت عزت وحرمت

سے مقوقس کے پاس بھیجدیا، اور مزید احتیاط کے لئے اپنے ایک سردار کو جس کا نام قیس بن ابی العاص سہمی تھا ساتھ کر دیا کہ حفاظت کے ساتھ پہنچا آئے[1]۔

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمرؓ نے غلامی کے روکنے کے لئے کئے، لیکن جو لوگ غلام بنا لئے گئے تھے اُن کے حق میں وہ مراعاتیں قائم کیں کہ غلامی ہمسری کے درجے تک پہنچ گئی فوجی انتظامات کے بیان میں تم نے پڑھا ہوگا، کہ حضرت عمرؓ نے بدر وغیرہ کے مُجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو ان کے غلاموں کی بھی انہی کے برابر تنخواہ مقرر کی، بعد کی تمام کارروائیوں میں بھی اُنہوں نے یہ اُصول ملحوظ رکھا، اضلاع کے جو عُمال تھے اُن کی نسبت وہ اور اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ اُس کا برتاؤ کیسا ہے، چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا، تو صرف اسی جُرم پر اُس کو معزول و موقوف کر دیتے تھے[2]۔ اکثر غلاموں کو بُلا کر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سُنا کر کہتے تھے کہ "خُدا اُن لوگوں پر لعنت کرے جنکو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے۔" سردارانِ فوج کو لکھ بھیجا کہ تمہارا کوئی غلام کسی قوم کو امان دے، تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائے گی، اور فوج کو اُس کا پابند ہونا ہوگا، چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے اِنَّ عَبدَ المُسلِمِینَ مِنَ المُسلِمِینَ وَ ذِمَّتَہٗ مِنْ ذِمَّتِھِمْ یجوز امانہ[3]۔

عام غلاموں کے ساتھ مراعات

غلاموں کے لئے جو بڑی تکلیف کی بات تھی، یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جُدا ہو جاتے تھے، بیٹا باپ سے چھُٹ جاتا تھا، بیٹی ماں سے بچھڑ جاتی تھی، آج جو لوگ غلامی کی بُرائیوں پر مضامین لکھتے ہیں، وہ اسی واقعہ کو دردانگیز صورت میں دکھاتے ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ قاعدہ مقرر کیا، کہ کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جُدا نہ ہونے پائے، یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا، کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ کسی اور کی غلامی میں رہے، باپ بیٹے، بھائی بہن، ماں بیٹیاں، بکتی تھیں تو ساتھ بکتی تھیں، اور جن کی غلامی میں رہتی تھیں، ساتھ رہتی تھیں۔ اِس

غلاموں کا اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا

[1] مقریزی جلد اوّل صفحہ ۱۸۴۔ [2] طبری صفحہ ۲۷۷۵ [3] کتاب الخراج صفحہ ۱۲۶۔

marfat.com

باب میں اُن کے جو احکام ہیں اُن کو کنز العمال میں مستدرک حاکم، بیہقی، مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

لَا یُفَرَّقُ بَیْنَ اخوَیْنِ اذا بیعا۔ — یعنی جب دو بھائی بیچے جائیں تو ایک دوسرے سے جدا نہ بیچا جائے۔

لَا تفرقوا بَیْنَ الاُمِّ وَوَلَدِھَا — یعنی بچہ ماں سے الگ نہ کیا جائے۔

لَا یُفَرَّقُ بَیْنَ السبایا واولَادِھِنَّ — یعنی لونڈی غلام جو گرفتار ہو کر آئیں تو بچے ماں سے علیٰحدہ نہ کئے جائیں۔

حضرت عمرؓ نے اِس باب میں تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اِس آیت پر استدلال کیا وَ لَا تقطعُوا ارحامکم اور کہا کہ اِس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے، چنانچہ اِس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور بیہقی نے نقل کیا ہے[1]۔

حضرت عمرؓ نے جب مسمط ابن اسود ایک افسر کو شام کی مہمات پر بھیجا، اور اُن کے بیٹے شرجیل کو کوفہ میں کسی کام پر مامور کیا، تو اُنہوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزوں سے جدا نہیں ہونے دیتے، تو مجھ کو کیوں بیٹے سے دُور پھینک دیا ہے[2]۔

حضرت عمرؓ نے غلاموں کا جو رتبہ قائم کیا اور تمام عرب کو جو نمونے دِکھلاتے اُس کا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحبِ کمال پیدا ہو گئے جن کی تمام ملک عزت و توقیر کرتا تھا۔ عکرمہؒ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں، اور جن کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتوے کی اجازت دی تھی، نافع جو امام مالک کے اُستاد تھے اور جن کی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے، علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدینؒ کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں لوگ کنیزوں اور کنیز زادوں کو حقیر سمجھتے تھے، لیکن جب قاسم (حضرت ابوبکر کے پوتے)، اور سالم (حضرت عمر کے پوتے)، اور امام زین العابدینؒ سنِ رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور

غلاموں میں اہل کمال

[1] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۸۔

marfat.com

لونڈی غلاموں کی قدر بڑھ گئی ، لیکن ہمارے نزدیک اِس قبول اور عزت کا اصلی سبب حضرت عمرؓ کا طریق عمل تھا، بے شبہ قاسم وسالم (امام زین العابدینؒ کا نام اِس سلسلے میں لینا میں بے ادبی خیال کرتا ہوں) کے فضل و کمال نے اس مسئلے پر اثر کیا، لیکن اگر حضرت عمرؓ نے اُمّہاتِ اولاد کا وہ رُتبہ نہ قائم کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ہاتھ آتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اِس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کوئی نیا مسئلہ ایجاد نہیں کیا تھا ورنہ خدانخواستہ اُن کو یہ حق تھا، غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود بانی اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا، وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی، امام بخاری نے کتاب المفرد میں غلاموں کے متعلق، آنحضرتؐ کے جو افعال اور اقوال لکھے ہیں اُن سے اِس دعوے کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست و تدبیر، عدل و انصاف

خلافت فاروقی، بسیط عالم میں کہاں سے کہاں تک پھیلی ہے، اور کس قدر مختلف ملک، مختلف مذاہب، مختلف قومیں، اُس کے دائرے میں داخل ہیں، لیکن اِس سرے سے اُس سرے تک ہر طرف امن و امان اور سکوت و اطمینان چھایا ہوا تھا۔ دُنیا میں اور بھی ایسے صاحب جاہ و جلال گزرے ہیں جن کی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ لیکن اُن کو یہ بات اُس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جس کے اُصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرا سے احتمال پر دفعۃً انصاف کا قانون بالکل اُلٹ دیا جاتے، ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے، واقعات کے ثبوت میں یقین کے بجائے۔ صرف قیاس سے کام لیا جائے، وحشیانہ سزائیں دی جائیں، آبادیاں جلا کر برباد کر دی جائیں، یہ اُصول قدیم زمانے تک محدود نہ تھے اب بھی یورپ کو باوجود اِس قدر تمدن و تہذیب کے انہی قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

عام سلاطین اور حضرت عمرؓ کے طریق سیاست میں فرق

marfat.com

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہوسکتا تھا، عرسوس والوں نے باربار عہد شکنی کی تو اُن کو جلاوطن کیا لیکن، اس طرح کہ اُن کی جائداد، مال، اسباب، کی مفصل فہرست تیار کرا کر ایک ایک چیز کی دوگنی قیمت ادا کردی۔ نجران کے عیسائیوں نے خود مختاری اور سرکشی کی تیاریاں کیں اور ۴۰ ہزار آدمی بہم پہنچالئے تو اُن کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کرایا مگر اس رعایت کے ساتھ کہ اُن کی جائداد وغیرہ کی قیمت دے دی اور عاملوں کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جدھر ان کا گزر ہو اُن کے آرام کے سامان بہم پہنچائے جائیں، اور جب یہ کہیں مستقل قیام اختیار کرلیں تو چوبیس مہینے تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔[۱]

شاید تم کو خیال ہو کہ حضرت عمرؓ کو رعایا ایسی ہاتھ آئی تھی جس میں زیادہ تر اطاعت وانقیاد کا مادہ تھا اور اس لئے اُن کو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں حضرت عمرؓ کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا، غیر قومیں جو حلقۂ اطاعت میں آئی تھیں پارسی یا عیسائی تھیں جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں اور اس لئے اُن کو رعیت بننا مشکل سے گوارا ہوسکتا تھا۔ اندرونی حالت یہ تھی

حضرت عمرؓ کی مشکلات

کہ عرب میں بہت سے صاحب ادعا موجود تھے جو حضرت عمرؓ کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، مثلاً ایک مؤلفۃ القلوب کا گروہ تھا جن کا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو امیّہ کا حق ہے اور عمرؓ کسی میں نہیں، عمرو بن العاصؓ جو مصر کے گورنر تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اُن کو خراج کے معاملے میں تنگ پکڑا، تو انہوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ "خدا کی قدرت ہے!! جاہلیت میں، میرا باپ جب کمخواب کی قبا زیب بدن کرتا تھا تو خطاب (حضرت عمرؓ کے والد) سر پر ــــ لکڑی کا گٹھا لادے پھرتے تھے، آج اُسی خطاب کا بیٹا مجھ پر حکومت جتا رہا ہے"۔ بنو ہاشم۔ ہمیشہ استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اُن کے

۱؎ ان واقعات کو ہم ذمیوں کے حقوق کے بیان میں اوپر لکھ آئے ہیں اور وہاں کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے ۱۲

ہوتے تیمی اور عدوی خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں تو علانیہ نقضِ خلافت کے مشورے ہوتے رہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں "زبیر و جمعے از بنو ہاشم در خانۂ حضرت فاطمہؓ جمع شدہ در بابِ نقضِ خلافت مشورہا بکار می بردند"۔[1]

حضرت عمرؓ کی سطوت نے بنو ہاشم کے ادعا کو اگرچہ دبا دیا لیکن بالکل مٹا کیونکر سکتی تھی، اس کے علاوہ عرب کا فطری مذاق آزادی اور خودسری تھا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہیں آئے۔ حضرت عمرؓ۔ اگر امیر معاویہؓ کی طرح اس آزادی اور خودسری کو مٹا کر۔ حکومت کا رعب و داب قائم رکھتے تو چنداں تعجب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اور چمکاتے تھے، بارہا مجامعِ عام میں لوگ اُن پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیاں کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے، شام کے سفر میں جب انہوں نے مجمع عام میں، حضرت خالدؓ کی معزولی کی وجہ اور اپنی برأت بیان کی، تو ایک شخص نے وہیں اٹھ کر کہا۔[2]

واللہ مَا عَدلت یا عُمر۔ لقد نزعت	یعنی اے عمر! خدا کی قسم تونے انصاف نہیں کیا۔ تونے
عاملا استعملہ رسُولُ اللہ وَغمدتَ سَیفاً	رسول اللہؐ کے عامل کو موقوف کر دیا، تونے رسول اللہؐ کی
سَلّہٗ رسول اللہ ولقد قطعت الرّحم	کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا؛ تونے قطع رحم کیا،
وحسدت ابن العم۔	تونے اپنے چچیرے بھائی پر حسد کیا۔

حضرت عمرؓ نے یہ سب سن کر، صرف یہ کہا کہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا"۔

ان حالات کے ساتھ یہ رعب و داب تھا کہ حضرت خالدؓ کو۔ عین اُسوقت جب۔ تمام عراق و شام میں لوگ اُن کا کلمہ پڑھنے لگے تھے معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالدؓ کسی قسم کا خیال دل میں نہ لا سکے، امیر معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ کی شان و شوکت

---

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صفحہ ۲۹ [2] اسد الغابہ تذکرہ احمد بن حفص المخزومی۔

marfat.com

محتاج بیان نہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے نام سے اُن کو لرزہ آتا تھا، عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا، حضرت عمرؓ نے، عمرو بن العاصؓ کے سامنے اُن کو اسی مضروب کے ہاتھ سے کوڑے پٹوائے اور باپ بیٹے دونو عبرت کا تماشا دیکھا کئے۔ سعد وقاص فاتحِ ایران کو معمولی شکایت پر جوابدہی میں طلب کیا تو اُن کو بے عذر حاضر ہونا پڑا۔

اِن واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا۔ کسی مُدبّر اور فرمانروا کے حالات میں اس کی نظیر نہیں مِل سکتی۔"

ان کی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آئینِ حکومت میں شاہ و گدا شریف، و رذیل، عزیز، و بیگانہ، سب کا ایک رتبہ تھا۔

حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں

جبلہ بن الایہم غسانی، شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہوگیا تھا۔ کعبہ کے طواف میں اُس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اُس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا، اُس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ غصے سے بیتاب ہوگیا، اور حضرت عمرؓ کے پاس آیا، حضرت عمرؓ نے اُس کی شکایت سُن کر کہا کہ "تم نے جو کچھ کیا اُس کی سزا پائی"۔ اُسکو سخت حیرت

مثالِ مساوات

ہوئی اور کہا کہ ہم اِس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے "، حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ " جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔" اُس نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں، تو میں اسلام سے باز آتا ہوں " غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اُس کی خاطر سے قانونِ انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ تمام عہدہ دارانِ ملکی کو حج کے زمانے میں طلب کیا، اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس کسی کو اِن لوگوں سے شکایت ہو، پیش کرے۔ اِس مجمع میں عمرو بن العاصؓ گورنرِ مصر اور بڑے بڑے رُتبہ کے حُکام اور عُمّال موجود تھے، ایک شخص نے اُٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بیوجہ مجھ کو سَو دُرّے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا " اُٹھ

marfat.com

اور اپنا بدلا لے ۔" عمرو بن العاص رض نے کہا امیر المؤمنین ! اس طریقِ عمل سے تمام عمال بیدل ہو جائیں گے " حضرت عمر رض نے فرمایا " تاہم ایسا ضرور ہوگا "، یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ " اپنا کام کر" آخر عمرو بن العاص رض نے مستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دو دو سو دینار لے اور اپنے دعوے سے باز آئے۔[1]

ایک دفعہ، سردارانِ قریش اُن کی ملاقات کو آئے، اتفاق سے صہیب، بلال، عمار وغیرہ موجود تھے جن میں سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے، اور دُنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر رض نے اوّل انہی لوگوں کو بُلایا اور سردارانِ قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابوسفیان رض جو زمانۂ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے، ان کو یہ امر سخت ناگوار گزرا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا " کیا خُدا کی قدرت ہے، غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں "، ابوسفیان رض کی یہ حسرت اگرچہ اُن کے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم اُن میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا " بھائیو " ! سچ یہ ہے کہ ہم کو عمر رض کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیئے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بُلایا۔ لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے آج بھی وہ پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔"[2]

قادسیہ کے بعد جب تمام قبائلِ عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے رشک و منافست کا موقع پیش آیا، سردارانِ قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خوگر تھے بڑے دعوے کے ساتھ منتظر رہے، کہ تنخواہ کے تقرر میں حفظِ مراتب کا خیال کیا جائے گا، اور فہرست میں اُن کے نام، سب سے پہلے نظر آئیں گے لیکن حضرت عمر رض نے اُن کے تمام خیالات غلط کر دیئے، انہوں نے دولت وجاہ، زور و قوت، ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو مٹا کر، صرف اسلامی خصوصیت

[1] کتاب الخراج صفحہ ۶۶ - [2] اسد الغابۃ تذکرہ سہیل بن عمرو ۱۲

marfat.com

قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہیں بیش و کم مقرر کیں، جو لوگ اوّل اسلام لائے تھے، یا جہاد میں کارہائے نمایاں کئے تھے، یا آنحضرتؐ کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے۔ اُن کو غیروں پر ترجیح دی، جو ان خصوصیتوں میں برابر درجے پر تھے اُن کی تنخواہیں برابر مقرر کیں، یہاں تک کہ غلام اور آقا میں کچھ فرق نہ رکھا، حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زیدؓ کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی، تو انہوں نے عذر کیا کہ واللہ اُسامہؓ کسی موقع پر مجھ سے آگے نہیں رہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ہاں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسامہؓ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔[1]

اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیوں میں فخریہ اپنے اپنے قبیلہ کی جے پکارتے تھے۔ اس فخر کے مٹانے کے لئے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کریں اُن کو سخت سزا دی جائے"، ایک دفعہ ایک شخص نے جو ضبّہ کے قبیلے سے تھا، لڑائی میں یاآل ضبہ کا نعرہ مارا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لئے اُس کی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں۔[2]

اصول مساوات — اسی اُصول مساوات کی بنا پر وہ، کسی شخص کے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے عمرو بن عاصؓ نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ "کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو" عمّال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور نمود، اختیار نہ کریں،

ایک دفعہ اُبیّ بن کعبؓ سے کچھ نزاع ہوئی، زید بن ثابتؓ کے ہاں مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ اُن کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی، حضرت عمرؓ نے کہا "یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی، یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے یہی بھید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھا تھا، سفر و حضر میں، جلوت و

---

1. فتوح البلدان صفحہ ۴۵۶ - 2. کنز العمال ج ۲، ۱۶۷

خلوت میں، مکان اور بازار میں، کوئی شخص اُن کو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفۂ وقت ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے ایلچی۔ مسجد نبوی میں آکر ڈھونڈھتے کہ شہنشاہ اسلام کہاں ہے، حالانکہ شاہنشاہ وہیں۔ پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشے میں بیٹھا ہوتا تھا۔ اُن کے عمّال اُن کو اسی برابری کے القاب سے خط لکھتے تھے جس طرح وہ عمّال کو لکھا کرتے تھے۔

اِس اُصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جن کی اِدعائی شان کو صدمہ پہنچتا تھا دِل میں مُکدّر ہوتے تھے، لیکن یہ چونکہ عرب کا اصلی مذاق تھا اِس لئے عام ملک پر اس کا نہایت عمدہ اثر ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہوگیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے وہ روز بروز معترف ہوتے گئے۔ اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلانِ عام کے مقابلے میں اپنی خودرائی کے اظہار کی جرأت نہ کرسکے۔

اِس اُصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائلِ عرب، جو انہی بیہودہ مفاخر کی بناپر، آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جس کی وجہ سے عرب کا سارا خطّہ، ایک میدانِ کارزار بن گیا تھا، اُن کی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا؟

اِس موقع پر یہ بتادینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُصولِ مساوات کے ساتھ اپنے لئے امیر المؤمنین کا پُرفخر لقب کیوں ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ اُس زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اِس سے صرف عُہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا، افرانِ فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے، کفّارِ عرب، آنحضرتؐ کو امیر مکّہ کہا کرتے تھے، سعد بن وقاصؓ کو عراق میں لوگوں نے امیر المؤمنین کہنا شروع کردیا تھا[1]۔"

حضرت عمرؓ کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا۔ اِس کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتمؓ مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا

---

[1] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اللقب بامیر المؤمنین۔

marfat.com

قاعدے کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں رہ کر امیرالمؤمنین کا لفظ اُن کی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیرالمؤمنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کردو، عمرو بن العاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا، حضرت عمرؓ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی، انہوں نے کیفیت واقعہ بیان کی، حضرت عمرؓ نے بھی اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اسکو شہرت عام ہوگئی[1]۔ اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمرؓ کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو انہوں نے خلافت اختیار ہی کیوں کی؟ بے غرضی کا کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوانِ نعمت کو ہاتھ ہی نہ لگاتے۔ لیکن یہ خیال محض عامیانہ خیال ہے، حضرت عمرؓ بے شبہ، خلافت سے ہاتھ اٹھا لیتے۔ لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اس کو سنبھال لیتا؟ حضرت عمرؓ قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارِ گران، اُن کے سوا کسی سے اُٹھ نہیں سکتا! کیا ایسے وقت میں ان کی راستبازی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے، خلافت سے دست بردار ہوجاتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ اُنہوں نے پہلے ہی دن خطبہ میں کہہ دیا تھا کہ۔

لولا رجائی ان اکون خیر کم لکم واقواکم علیکم واشدکم اضطلاعًا بما ینوب من مھمّ امرکم ما تولّیت ذلک منکم[2]

یعنی اگر مجھ کو یہ امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں سے سب سے زیادہ کارآمد، سب سے زیادہ قوی، اور مہماتِ امور کے لئے سب سے زیادہ قوی بازو ہوں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا۔

اس سے زیادہ صاف الفاظ وہ ہیں جو امام محمدؒ نے مؤطا میں روایت کئے ہیں۔

لوعلمت ان احدًا اقوی علیٰ ھذا الامر منّی لکان ان اقدم فیضرب عنقی اھون علیّ۔

یعنی اگر میں جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت) کے لئے مجھ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو خلافت قبول کرنے کی بہ نسبت میرے نزدیک یہ زیادہ آسان تھا کہ میری گردن مار دی جائے۔

---

[1] امام بخاری کی کتاب ادب المفرد مطبوعہ مطبع آرہ صفحہ ۱۴۲۔ [2] انساب الاشراف بلاذری۔

marfat.com

حضرت عمرؓ کے اِن الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اِس کا ایک حرف بھی صحت و واقعیت سے ہٹا ہوا ہے؛ حضرت عمرؓ سیاست کے اُصول سے خوب واقف تھے، اور یہ وُہ سیاست خصوصیت ہے جس میں وہ تمام اور صحابہ سے اعلانیہ ممتاز ہیں، جو ممالک، دائرۂ خلافت میں داخل تھے اُن کی اصلی تین تقسیمیں تھیں۔ عرب، ایران، شام و مصر، اس لئے ہر ایک کی حالت کے مناسب، الگ الگ تدبیریں اختیار کیں، عراق و ایران میں چونکہ مدت سے مرزبان اور دہقان چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی ان کا زور اور اقتدار قائم تھا اس لئے ان کی پولیٹکل تنخواہیں مقرر کر دیں جس سے وہ بالکل رام ہو گئے۔ چنانچہ رؤسائے عراق میں سے ابن النخیرجان، بسطام بن نرسی، رفیل، خالد، جمیل، کے معقول روزینے مقرر کر دیئے۔ شام و مصر میں رومیوں نے اصلی باشندوں کو صاحب جائداد نہیں چھوڑا تھا، اِس لئے اُن کی طرف سے چنداں اندیشہ نہ تھا، وہ رومی حکومت کے بجائے ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ اُنہوں نے بار ہا کہا کہ "ہم کو مسلمان، رومیوں کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہیں"۔ غیر قوموں کے ساتھ، اگرچہ اُن کا برتاؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا چنانچہ اس کی بحث ذمیوں کے حقوق میں گزر چکی۔ لیکن زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔ مصر میں۔ مقوقس مصر کا باشندہ اور رومیوں کیطرف سے نائب حکومت تھا، اُس کے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کئے کہ وہ ناخریدہ غلام بن گیا، اور اس کی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوشِ اطاعت ہو گئی۔ اِن باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کرا دیئے یا فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں جن کی وجہ سے سیکڑوں میل تک اثر پہنچتا تھا اور کسی کو بغاوت کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی، کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا، خاص اِسی غرض سے آباد کرایا گیا تھا، شام اور مصر میں تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اِسی ضرورت سے قائم کی گئی تھیں۔

marfat.com

خاص عرب میں اُن کو مختلف پولٹیکل تدبیروں سے کام لینا پڑا، یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے بالکل نکال دیا، بڑے بڑے مُلکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے، چنانچہ عمرو بن العاصؓ کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلتا نہ رہا ہو۔ مُلکی افسروں میں سے جس کی نسبت زیادہ زور پا جانے کا خیال ہوتا تھا اُس کو علیحدہ کر دیتے تھے، جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے اُن کو اکثر دار الخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ اُن لوگوں نے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ "آپ لوگ یہ دولت بہت جمع کر چکے ہیں پھر فرمایا لاتخرجوا فتسللوا یمیناً و شمالاً[1]۔ ایک دفعہ عبدالرحمن بن عوفؓ نے پوچھا کہ "آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں"، فرمایا "اس سوال کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے[2]۔" اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی مُلکی عہدے نہیں دیئے، صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا، پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی مُلکی عُہدے نہیں دیئے اور اس میں زیادہ تر یہی مصلحت ملحوظ تھی۔

اسوقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشہور مُدبّر اور صاحبِ اِدعا تھے امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہؓ، چونکہ مہماتِ مُلکی کے انجام دینے کے لئے ان لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آسکتا تھا اس لئے سب کو بڑے بڑے عہدے دیئے، لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تدبیریں کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔ اُن کی وفات کے بعد، کوئی ایسا شخص نہ رہا جو اُن کو دبا سکتا، چنانچہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہوئے کئے۔ سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالٹیکس، حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کو اس باب میں تمام دُنیا پر جو امتیاز حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالٹیکس

---

[1] تاریخ یعقوبی صفحہ ۱۸۱ [2] تاریخ یعقوبی صفحہ مذکور

marfat.com

کی ضرورت سے جو جو کام کئے اُن کا واقعی نام، خدع، مکر، فریب، ظاہرداری، اور نفاق، تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں، بڑے بڑے رفارمر اس شائبہ سے خالی نہیں ہوتے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی کسی کارروائی پر۔ فریب، اور حکمت عملی کا نقاب نہیں ہوتا تھا وہ جو کچھ کرتے تھے اعلانیہ کرتے تھے، اور لوگوں کو صاف صاف اُس کی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے، حضرت خالدؓ کو معزول کیا تو تمام اضلاع میں فرمان بھیجدیا کہ۔

اِنی لَمْ اَعْزِلْ خَالِداً عَنْ سَخطۃٍ وَلَاخیانۃٍ وَلٰکِنَّ النَّاسَ فُتِنُوا بِہٖ فَخَفِتُ اَن یُوکَلُوا اِلَیْہِ[1]

یعنی میں نے خالدؓ کو ناراضی، یا خیانت کے جرم میں نہیں موقوف نہیں کیا بلکہ اس وجہ سے کہ لوگ ان کی طرف زیادہ مائل ہوتے جاتے تھے۔ اس لئے میں ڈرا کہ ان پر بھروسہ نہ کریں۔

مثنیٰ کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے۔ اور فرمایا لَمْ اَعْزِلْهُمَا عَنْ دبیۃ وَلٰکِنَّ النَّاسَ عظمُوْاھما فخشیتُ اَنْ یُوْکَلُوا اِلَیْھِمَا[2] بنو ہاشم کو جس وجہ سے مُلکی خدمتیں نہیں دیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صاف اُسکی وجہ بیان کر دی چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اس کی تفصیل آئے گی۔

حضرت عمرؓ کی حُسنِ سیاست کا ایک بڑا کارنامہ، اور اُن کی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انہوں نے حکومت و انتظام کی کَل میں نہایت موزوں پُرزے استعمال کئے تھے۔

یہ عموماً مسلم ہے کہ جوہر شناسی کی صفت، اُن میں سب سے بڑھ کر تھی، اس ذریعہ سے اُنہوں نے تمام عرب کے قابل آدمیوں اور اُن کی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی، اور اُنہی قابلیتوں کے لحاظ سے اُن کو مناسب عہدے دیئے تھے، سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، امیر معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، زیاد بن سمیہؓ، چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی مُلکی خدمتیں سپرد کیں، اور درحقیقت ان لوگوں کے

عہدہ دارانِ سلطنت کا عمدہ انتخاب

---

[1] طبری صفحہ ۲۵۲۸
[2] طبری صفحہ ۲۳۹۳۔

marfat.com

سوا، شام و مصر و کوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

جنگی مہمات کے لئے عیاض بن غنمؓ، سعد وقاصؓ، خالدؓ، نعمان بن مقرنؓ، وغیرہ کو انتخاب کیا، عمرو معدیکربؓ، اور طلیحہ بن خالدؓ، اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہیں سکتے تھے اس لئے ان دونوں کی نسبت حکم دے دیا کہ اُن کو کسی حصّہ فوج کی افسری نہ دی جائے۔ زید بن ثابتؓ، وعبداللہ بن ارقمؓ، انشا و تحریر میں مستثنےٰ تھے، انکو میر منشی مقرر کیا، قاضی شریحؒ، کعب بن سورؓ، سلمان بن ربیعہؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ، فصل قضایا میں ممتاز تھے اُن کو قضا کی خدمت دی، غرض جس کو جس کام پر مقرر کیا وہ گویا اُسی کے لئے پیدا ہوا تھا، اِس امر کا اعتراف غیر قوموں کے مورخوں نے بھی کیا ہے، ایک عیسائی مشہور مورخ لکھتا ہے کہ عمرؓ نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب بلا رو رعایت کیا اور مغیرہ و عمارؓ کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزوں ہوا"۔

سب سے بڑی چیز جس نے، اُن کی حکومت کو مقبول عام بنا دیا اور جس کی وجہ سے، اہل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ اُن کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ

بے لاگ عدل و انصاف
ہا جسمیں دوست دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی، ممکن تھا کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے، لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ خاص اپنی آل، و اولاد، اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی اُن کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا۔ ان کے بیٹے ابوشحمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہاتھ سے اُن کو ۸۰ کوڑے مارے۔ اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے[۱] قدامۃ بن مظعونؓ جو اُن کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے، جب اسی جرم میں ماخوذ ہوتے تو اعلانیہ اُن کو ۸۰ دُرّے لگوائے۔

---

[۱] ابوشحمہ کے قصے میں واعظوں نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔ لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن کو شرعی سزا دی اور اسی صدمہ سے انہوں نے انتقال کیا۔ دیکھو معارف ابن قتیبہ۔ ذکر اولاد عمرؓ۔

حضرت عمرؓ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور ان میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اُس کو اختیار کرتے تھے، خراج۔ عشور۔ دفتر۔ رسد۔ کاغذاتِ حساب۔ اِن تمام انتظامات میں، اُنہوں نے، ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا اُس کی اصلاح کردی۔ عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو حذیفہ اور عثمان بن حنیفؓ کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو چنانچہ یہ زمیندار مع مترجم کے اُن کے پاس آئے اور اُنہوں نے اُن سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے ہاں مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۱؎۔ جزیہ حالانکہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اُس تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیرواں نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علاّمہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نوشیرواں کے انتظامات اور بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے۔

قدیم سلطنتوں کے حالات اور انتظامات سے واقفیت

وَهِيَ الوضائِعُ التی اقتدیٰ بها عمر بنُ	یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب فارس کا
الخطاب حینَ افتتح بلادالفرس ۔۲؎	ملک فتح کیا تو ان کی اقتدا کی۔

اِس سے زیادہ صاف اور مُصَرّح، علاّمہ ابن مسکویہ نے اِس مضمون کو لکھا ہے، علاّمۂ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی، اور شیخ بوعلی سینا کا معاصر وہم پایہ تھا، تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارب الامم ہے۳؎۔ اُس میں جہاں حضرت عمرؓ کے انتظاماتِ ملکی کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ۔

وکان عمر یکثر الخلوة بقوم من الفرس	یعنی عمرؓ فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے
یقرؤن علیه سیاسات الملوك ولاسیما	یہ لوگ اُن کو بادشاہوں کے آئین حکومت پڑھ کر سنایا
ملوك العجم الفضلاء وسیما انوشروان فانه	کرتے تھے، خصوصاً شاہانِ عجم اور اُن میں بھی خاص کر
کان معجبا بها کثیر الاقتداء بها۔	نوشیرواں کے اس لئے کہ اُن کو نوشیرواں کے آئین بہت

۱؎ کتاب الخراج صفحہ ۲۱ ۲؎ تاریخ کبیر طبری صفحہ ۹۶۲ ۳؎ یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ مسجد ایاصوفیا میں موجود ہے۔ اور میں نے اسی نسخہ سے نقل کیا ہے۔

marfat.com

پسند تھے اور وہ ان کی بہت پیروی کرتے تھے۔

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اِس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مورخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہرمزان اسلام لایا تو حضرت عمرؓ نے اُسکو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا اور انتظاماتِ مُلکی کے متعلق اُس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

واقفیت حالات کیلیے پرچہ نویس اور واقعہ نگار

حضرت عمرؓ کی بڑی کوشش اِس بات پر مبذول رہتی تھی کہ مُلک کا کوئی واقعہ اُن سے مخفی نہ رہنے پاتے، اُنہوں نے انتظاماتِ ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے جس کی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ اُن تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں۔

وکان عمرؓ لا یخفی علیہ شی فی عملہ	یعنی عمر پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی، عراق میں جن لوگوں
کتب الیہ من العراق بخروج من	نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے،
خرج ومن الشام بجائزۃ من اجیز فیھا۔[1]	سب کی تحریری اطلاعیں اُن کو پہنچیں۔

عراق کے ایک معرکہ میں سردارِ لشکر نے عمرو معدیکربؓ کو دوہرا حصّہ نہیں دیا، عمرو معدیکربؓ نے وجہ پوچھی، اُنہوں نے کہا تمہارا گھوڑا دوغلا ہے، اِس لئے اِس کا حصّہ کم ہو گیا، معدیکربؓ کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا۔ بولے کہ ہاں دوغلاہی دوغلے کو پہچان بھی سکتا ہے، حضرت عمرؓ کو فوراً خبر ہوئی، عمرو معدیکرب کو سخت تنبیہ کی جس کی وجہ سے اُن کو آئندہ پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی، نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے، دولت و نعمت کے مزے میں پڑکر اُنہوں نے اپنی بیوی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

لعلّ امیرَ المؤمنینَ یسُوءُہٗ	غالباً امیر المؤمنین کو خبر پہنچے گی تو وہ بُرا مانیں گے
تنادُمنا بالجوسَقِ المتھدَّمِ	کہ ہم لوگ محلوں میں رندانہ صحبتیں رکھتے ہیں،

حضرت عمرؓ کو فوراً خبر ہوئی اور اُن کو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھ کو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی۔[2] صحابہ میں حذیفہ بن الیمانؓ ایک بزرگ تھے جن کو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگتا تھا، عہد

[1] طبری صفحہ ۲۵۲۶ [2] اسد الغابہ ذکر نعمان بن عدی۔

marfat.com

نبوّت میں وہ آنحضرتؐ کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحبُ السّر کہلاتے تھے، حضرت عمرؓ نے ایک دن، اُن سے پوچھا کہ "منافقین کا جو گروہ ہے اُن میں سے کوئی شخص میرے عمّالوں اور عہدہ داروں میں بھی ہے"، انہوں نے کہا "ہاں ایک شخص ہے"۔ حضرت عمرؓ نے نام پوچھا لیکن انہوں نے رازداری کے لحاظ سے نام نہیں بتایا، حذیفہؓ کا بیان ہے کہ "اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ نے اُس کو معزول کر دیا، جس سے میں نے قیاس کیا کہ اُنہوں نے خود پتہ لگا لیا[1]"۔ اسی تفحص اور بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام افسر اور عمّال اُن کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔

وکانوا لا یدعون شیئاً ولا یاتونه الا وامروه فیه[2] — یعنی لوگ کوئی کام، اُن سے بغیر دریافت کئے نہیں کرتے تھے۔

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور کسی قسم کی رقم کو اس کی احاطہ سے باہر نہیں سمجھتے تھے۔ خانہ کعبہ میں مدت کا چڑھاوا جمع تھا اُس کی نسبت فرمایا کہ۔ بیت المال کا خیال

لقد هممت ان لا ادع فیها صفراء ولا بیضاء الا قسمته[3] — یعنی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہے سب لوگوں کو تقسیم کر دوں۔

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا حضرت حفصہؓ (حضرت کی بیٹی اور رسول اللہؐ کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ "امیر المومنین! اسمیں سے میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے کیونکہ میں ذوی القربیٰ میں سے ہوں"۔

حضرت عمرؓ نے کہا جانِ پدر! تیرا حق میرے خاص مال میں ہے، لیکن یہ غنیمت کا مال ہے، تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا، وہ بیچاری خفیف ہو کر اُٹھ گئیں[4]۔

شام کی فتح کے بعد، قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط کتابت رہتی تھی، ایک دفعہ ام کلثومؓ (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے، قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کی

---

[1] اسد الغابہ ذکر حذیفہ بن الیمان۔ [2] طبری صفحہ ۲۷۴۸۔ [3] صحیح بخاری باب کسوۃ الکعبۃ۔ [4] مسند امام احمد حنبل۔

طور پر چند شیشیاں بھیجیں، اُس نے اُس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا، حضرت عمرؓ کو یہ حال معلوم ہُوا تو فرمایا گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لیکر گیا وہ سرکاری تھا اور اُس کے مصارف عام کی میں سے ادا کیے گئے۔ غرض جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑے، لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے، مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں۔[1] اِس کارروائی سے طلبِ اجازت کے سوا، یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانۂ عامرہ پر خلیفۂ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعے سے بسر کرتے تھے، خلافت کے مہمات میں یہ شغل قائم نہیں رہ سکتا تھا، صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضرورت بیان کی اور کہا کہ بیت المال سے، میں کس قدر اپنے مصارف کے لئے لے سکتا ہوں؟ لوگوں نے مختلف رائیں دیں، حضرت علیؓ چُپ تھے، حضرت عمرؓ نے اُن کی طرف دیکھا، اُنہوں نے کہا، صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس، چنانچہ اُن کے اور اُن کی بی بی بچوں کے لئے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہوگیا۔[2] فوجی روزینہ داروں میں جب بدریین (وہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لئے تنخواہیں مقرر ہوئیں تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ ہزار درہم سال، اُن کے بھی مقرر ہو گئے، کہ دروں روپے کی آمدنی میں سے فاروق اعظمؓ کو سال بھر میں جو ملتا تھا اُس کی یہ تعداد تھی۔

اُن کی معاشرت کے حالات میں آگے چل کر تم پڑھو گے کہ وہ اکثر پھٹے کپڑے پہنتے تھے، زمین پر سو رہتے تھے، مہینوں گیہوں کا آٹا گھر میں نہیں پکتا تھا، اُس کی وجہ کچھ رہبانیت اور جوگی پن نہ تھا بلکہ درحقیقت اِس سے زیادہ اُن کو ملک کی آمدنی میں نصیب

---

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۴ [2] تاریخ طبری واقعات ۱۵ھ

نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آجاتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ بھی کرتے تھے چنانچہ ام کلثومؓ سے جب نکاح ہوا تو اُن کے شرف اور خاندانِ نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہر باندھا اور اُسی وقت ادا بھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو مُلکی عہدے نہیں دیئے اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اُن کو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس میں اپنا حصّہ، ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اس لئے باوجود دولتمندی کے خمس میں سے اپنا حصّہ لے لیں گے، حالانکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک خمس کے مصارف، امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں۔ چنانچہ اُس کی بحث مفصّل آگے آئیگی، اُنہوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا، حمص کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کرنا چاہا، لیکن چونکہ اِن کی طرف سے مطمئن نہ تھے، اِس لئے بُلا کر اُن سے کہا کہ فِي نَفْسِيْ مِنْكَ شَيْءٌ یعنی میرے دل میں تمہاری طرف سے ذرا کھٹکا ہے، اُنہوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا۔

انی خَشِیتُ عَلَیكَ ان تالی علی الفی الَّذِی هُوَاتٍ [1] — یعنی مجھ کو ڈر ہے کہ تم عاملِ ملکی پر تصرّف نہ کرو۔

یہ صرف سوءِ ظن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا، حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب حضرت عبداللہؓ کو عامل مقرر کیا تو انہوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی، اور جب حضرت علیؓ نے باز پُرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے بارہ میں جو کفایت شعاری، اور تنگ ورزی، برتی وہ خلافتِ فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شورشیں کیں، اُس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی

[1] کتاب الخراج قاضی ابویوسف صفحہ ۴۶، ۶۵

marfat.com

کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاو کیا یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوی القربیٰ کی بنا پر بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر چہ ان کو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے، دار الخلافہ سے سیکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں پھیلی ہوئی تھیں جن کی ایک ایک حرکت، ان کے اشاروں پر موقوف تھی، انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو، فقہ کی ترتیب اور افتا جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا، الگ تھا اپنے ذاتی اشغال جُدا تھے، تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام میں کبھی ہرج نہیں ہوتا تھا، نہاوند کا سخت معرکہ جس میں تمام ایران اُمنڈ آیا تھا، پیش تھا کہ عین اُسی زمانے میں سعد وقاصؓ گورنر کوفہ کی شکایت گذری، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر چہ یہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رُک سکتی۔ چنانچہ کوفہ سے فوجوں کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا اور ساتھ ہی بڑی کدو کاوش سے سعدؓ کی تحقیقات بھی ہوئی۔ جزیرہ والوں نے قیصر سے مل کر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجیں کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دیئے اور اہلِ جزیرہ۔ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔ تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا

زیاد بن حدیر، عراق میں۔ دہ یکی کی تحصیل پر مامور تھے، اُنہوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت بیس۲۰ ہزار قرار دے کر محصول طلب کیا، اُس نے کہا گھوڑا آپ رکھ لیجئے اور ۱۹ ہزار مجھ کو حوالہ کیجئے، دوبارہ وہ عیسائی اُن کی سرحد سے گزرا، تو اُس سے پھر محصول مانگا۔ وہ مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی، حضرت عمرؓ نے صرف اس قدر کہا کہ تم مطمئن رہو، عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس واپس آیا اور دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار دے کر گھوڑے کو واپس لے، یہاں حضرت عمرؓ کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ "سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جاسکتا"۔ ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اُس وقت۔ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے، اسی حالت میں اُس نے

marfat.com

شکایت پیش کی، فرمایا۔ نہیں۔ دوبارہ محصول نہیں لیا جا سکتا۔ عیسائی چندروز مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس جا کر کہا کہ "میں وہی نصرانی ہوں جس نے محصول کے متعلق شکایت کی تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں میں وہی حنیفی (مسلمان) ہوں جس نے تمہارا کام انجام کر دیا، عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمرؓ پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے[1]۔

اِس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالکِ محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے، عام حکم تھا اور اِس کی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاہج، ضعیف، از کار رفتہ، مفلوج، وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں، لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے، جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اوّل یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک جریب[2] آٹا پکایا جائے پک کر تیار ہوا تو ۳۰ آدمیوں کو بُلا کر کھلایا۔ شام کو پھر اُسی قدر آٹا پکوایا اور اُسی قدر آدمیوں کو کھلایا، دونوں وقت کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینے بھر کی خوراک کے لئے دو جریب آٹا کافی ہے پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لئے اِس قدر آٹا مقرر کر دیا جائے۔ اعلانِ عام کے لئے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر کہا کہ میں نے تم لوگوں کے لئے اِس قدر خوراک مقرر کر دی ہے۔ جو شخص اس کو گھٹائیگا اُس سے خدا سمجھے گا، ایک روایت میں ہے کہ پیمانہ ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے۔ رفاہ عام

انی قد فرضت لکل نفس مسلمۃ — یعنی میں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو مد گیہوں اور

فی شہر مدی حنطۃ و قسطی خل — دو قسط سر کہ مقرر کیا۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی، فرمایا ہاں غلام کے لئے بھی[3]۔ غربا ٔ

---

[1] یہ دونوں روایتیں کتاب الخراج صفحہ ۷۸، ۷۹ میں ہیں۔

[2] قریباً ۲۵ سیر کا ہوتا ہے۔ [3] یہ پوری تفصیل فتوح البلدان صـ۴۵۴ میں اور تمام تاریخوں میں بھی ذرا ذرا اختلاف کے

۲ ساتھ یہ روایت مذکور ہے۔

marfat.com

اور مساکین، کے لئے بلاتخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے اُن کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ (جیسا کہ ہم اوپر ذمیوں کے حقوق میں لکھ آئے ہیں) بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسَاکِیْنِ۔ فقراء سے مراد مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔ اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا، چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔ مدینہ منورہ میں جو لنگر خانہ تھا اکثر وہاں خود جا کے اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے۔

غربا اور مساکین کے روزینے

مہمان خانے

اولاد لقطہ یعنی گمنام بچے جن کو اُن کی مائیں شاہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھیں، اُن کے لئے ۱۸ھ میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اِس قسم کا کوئی بچہ ملے اُس کے دُودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے، چنانچہ اِن مصارف کے لئے اوّل ۱۰۰ درم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بسال ترقی ہوتی جاتی تھی[۱]۔ یتیموں کی پرورش، اور اگر اُن کی جائداد ہوتی تھی تو اُس کی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے۔ اور اکثر تجارت کے ذریعہ سے اُسکو ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس یتیموں کا جو مال جمع ہے وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے تم اُسکو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو واپس دو، چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچی۔

لاوارث بچے

یتیموں کی خبرگیری

۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو عجیب و غریب سرگرمی ظاہر کی، اوّل بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے، چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے، عمرو بن العاصؓ نے بحر قلزم کی راہ سے بیس جہاز روانہ کئے جن میں سے ایک ایک میں تین تین ہزار اردب غلہ تھا، حضرت عمرؓ ان جہازوں کے ملاحظہ کے لئے خود بندرگاہ تک گئے جس کا نام جار تھا اور جو مدینہ منورہ سے تین منزل ہے، بندرگاہ میں دو بڑے بڑے

قحط کا انتظام

[۱] بلاذری صفحہ ۴۵۳ و یعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۷۱۔

marfat.com

مکان بنوائے، اور زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا مفصل نقشہ بنائیں، چنانچہ بقید نام اور مقدارِ غلّہ رجسٹر تیار ہوا، ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی جس کے مطابق اُسکو روزانہ غلّہ ملتا تھا، چک پر حضرت عمرؓ کی مہر ثبت ہوتی تھی[1] اس کے علاوہ ہر روز ۲۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے ذبح کراتے تھے اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے۔ اِس موقع پر یہ بات خاص طور پر جتا دینے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ کو اگرچہ مُلک کی پرورش اور پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا، لیکن اُن کی یہ فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جس کا نتیجہ کاہلی اور مفت خواری کا رواج دینا ہوتا ہے۔ ایشیا میں سلاطین و امراء کی فیاضیوں کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے، لیکن لوگ اِس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اِس سے جہاں ایک بادشاہ کی مدح نکلتی ہے، دوسری طرف قوم کا دریوزہ گر ہونا اور انعام و بخشش پر لو لگائے رہنا ثابت ہوتا ہے۔ یہی ایشیائی فیاضیاں تھیں جس نے آج ہماری قوم میں لاکھوں آدمی ایسے پیدا کر دیئے ہیں، جو خود ہاتھ پاؤں ہلانا نہیں چاہتے اور نذر و نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہیں۔

رفاہِ عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی نکتہ سنجی

لیکن حضرت عمرؓ اِس سے بیخبر نہ تھے، وہ اِس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاہلی اور مفت خوری کا مادّہ نہ پیدا ہونے پائے، جن لوگوں کی تنخواہیں اور خوراک مقرر کی تھیں، وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی۔ یا جنہوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی تھی، یا وہ جو ضعف اور بیماری کی وجہ سے خود کسبِ معاش نہیں کر سکتے تھے۔ اِن اقسام کے علاوہ وہ کبھی اِس قسم کی فیاضی کو روا نہیں رکھتے تھے۔ محدّث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمرؓ کے پاس آیا، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو اُس کی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی۔ چھین کر اونٹوں کے آگے

[1] یہ تفصیل یعقوبی صفحہ ۱۷۷ میں ہے۔ اخیر کے فقرے یہ ہیں: ثم اَمر زیدَ بن ثابتٍ ان یکتبَ النَّاسَ علیٰ مَنَازِلِہم وامرانْ یُکتَبَ لہم صِکَاکًا من قراطیس ثم یختمَ اسافلہا فکانَ اوّلَ من صکّ وختم اسفلَ الصِکَاکِ
اردب کم وبیش ۲ من کا ہوتا ہے۔

marfat.com

ڈال دی اور فرمایا کہ اَب جو مانگنا ہو مانگ" علامہ ماوردی نے احکام السلطانیۃ میں لکھا ہے کہ محتسب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل ہیں اور باوجود اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہ و تادیب کرے" اس کے بعد علامہ موصوف نے اس کی سند میں حضرت عمرؓ کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے وَقَدْ فَعَلَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ مِثْلَ ذٰلِكَ بِقَوْمٍ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ[1]

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے؟ اور جب لوگ کہتے کہ "نہیں" تو فرماتے کہ یہ شخص میری آنکھ سے گر گیا، اُنکا مقولہ تھا مَكْسَبَةٌ فِيهَا دَنَاءَةٌ خَيْرٌ مِنْ مَسْأَلَةِ النَّاسِ "یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کے بہ نسبت اچھا ہے" مفت خوری کا موقع زیادہ تر علماء اور صوفیہ کو ملتا ہے، ان کے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن عُلماء کو انہوں نے اعلانیہ مخاطب کر کے کہا تھا لَا تَكُوْنُوْا عِيَالًا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو۔[2]

حضرت عمرؓ کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو ہمیشہ بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا، تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے، اور جزئیات پر توجہ اِس کے لئے اُن کو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ اِن میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جن کا اختیار کرنا بظاہر شانِ خلافت کے خلاف تھا لیکن اُن کو کسی کام سے عار نہ تھا، روزینہ داروں کے جو روزینے مقرر تھے، اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے۔ قدید اور عسفان۔ مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں جہاں قبیلہ خزاعۃ کے لوگ آباد تھے۔ اِن دونوں مقاموں میں خود تشریف لے جاتے تھے۔ روزینہ داروں کا دفتر ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اِن کو دیکھ کر چھوٹے بڑے، سب گھروں سے نکل آتے تھے، اور حضرت عمرؓ خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے۔[3] اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دار الصدقہ میں جاتے اور ایک ایک اونٹ کے پاس

---

[1] الاحکام السلطانیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۳۰۵ [2] سیرۃ العمرین لابن الجوزی [3] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۴

کھڑے ہوکر اُن کے دانت گنتے اور اُن کا حُلیہ قلمبند کرتے۔

محب طبری نے ابو حذیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "اُن کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ تم کو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لا دوں، وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں، حضرت عمرؓ خود چیزیں خریدتے اور ان کے حوالہ کرتے۔ مقام جنگ سے قاصد آتا اور اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے، اور کہتے کہ فلاں تاریخ تک قاصد واپس جائے گا، تم جواب لکھوا رکھو کہ اسوقت تک روانہ ہو جائے، کاغذ، قلم، دوات، خود مہیا کر دیتے، اور جس کے گھر میں کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چوکھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھواتے لکھتے جاتے۔"

رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے وسائل

اُن کی سب سے زیادہ توجہ اِس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت، ان تک پہنچنے سے رہ نہ جائے، یہ معمول رکھا تھا کہ ہر نماز کے بعد صحن مسجد میں بیٹھ جاتے، اور جس کو جو کچھ اُن سے کہنا سننا ہوتا کہتا، کوئی نہ ہوتا، تو تھوڑی دیر انتظار کرکے اٹھ جاتے۔ راتوں کو دَورہ کیا کرتے، سفر میں راہ چلتوں سے حالات پوچھتے، بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے اُن سے ہر قسم کی پُرس وجو کرتے۔

ایک بڑا عمدہ طریقہ دریافتِ حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وُہ ان مقامات کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتیں، اِس سفارت کو وفد سفارت کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آج کل جمہوری سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہیں، حضرت عمرؓ کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آئیں اور جسطرح انہوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں، اسکا حال عقد الفرید وغیرہ میں تفصیل ملتا ہے۔

ان تمام باتوں پر اُن کو تسلی نہ تھی۔ فرماتے کہ عُمّال، رعایا کی پرواہ نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ سکتا۔" اِس بنا پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، کا

لے کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۲۰۔

marfat.com

دَورہ کریں اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھیریں، لیکن موت نے فرصت نہ دی، تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی شکایتیں سُنیں اور دادرسی کی۔ اِس سفر میں ایک پُرعبرت واقعہ پیش آیا۔ دارالخلافہ کو واپس آرہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا، سواری سے اُتر کر خیمہ کے قریب گئے، ایک بڑھیا عورت نظر آئی۔ اُس سے پوچھا کہ عمرؓ کا کچھ حال معلوم ہے؟ اُس نے کہا ہاں، شام سے روانہ ہو چکا لیکن خدا اُس کو غارت کرے۔ آج تک مجھ کو اُس کے ہاں سے ایک حبّہ بھی نہیں ملا۔" حضرت عمرؓ نے کہا اتنی دُور کا حال عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔" بولی کہ اُسکو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے؟ حضرت عمرؓ کو سخت رقّت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے۔

شام کا سفر اور رعایا کی خبرگیری

ہم اِس موقع پر متعدد حکایتیں اور روایتیں نقل کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ رعایا کی آرام و آسائش اور خبرگیری میں اُن کو کس قدر سرگرمی اور ہمدردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اُترا۔ اُس کی خبرگیری اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ اُدھر متوجہ ہوتے دیکھا کہ ایک شیرخوار بچہ، ماں کی گود میں رُو رہا ہے ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اُدھر سے گزرے تو بچے کو روتا پایا۔ غیظ میں آکر فرمایا۔ کہ "تو بڑی بے رحم ماں ہے" اُس نے کہا کہ "تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دُودھ نہ چھوڑیں بیت مال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اِس غرض سے اس کا دُودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اِس وجہ سے روتا ہے" حضرت عمرؓ کو رقّت ہوئی اور کہا کہ "ہائے عمرؓ! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا"، اُسی دن مُنادی کرادی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اُسی تاریخ سے اُن کے روزینے مقرر کر دیے جائیں۔

اسلم (حضرت عمرؓ کا غلام تھا) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت

marfat.com

کے لئے نکلے، مدینہ سے تین میل پر صرار ایک مقام ہے، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقتِ حال دریافت کی، اُس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے، اُن کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھادی ہے۔ حضرت عمرؓ اُسی وقت اُٹھے۔ مدینہ میں آکر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی، اور کھجوریں لیں اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو۔ اسلم نے کہا میں لئے چلتا ہوں۔ فرمایا۔ ہاں۔ لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اُٹھاؤ گے، غرض سب چیزیں خود لاد کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں، اُس نے آٹا گوندھا، ہانڈی چڑھائی، حضرت عمرؓ خود چولہا پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اُچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، عورت نے کہا خدا تم کو جزائے خیر دے۔ سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ عمرؓ۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک بدو اپنے خیمے سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا، پاس جا کر بیٹھے اور اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کیں، دفعۃً خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کون روتا ہے؟ اُس نے کہا میری بی بی دردِ زہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمرؓ گھر آئے، اور اُمّ کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں)، کو ساتھ لیا۔ بدو سے اجازت لے کر اُمّ کلثوم کو خیمہ میں بھیجا، تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا، اُم کلثوم نے حضرت عمرؓ کو پکارا کہ امیر المومنین! اپنے دوست کو مبارک باد دیجئے! امیر المومنین کا لفظ سُن کر بدو چونک پڑا، اور مؤدب ہو بیٹھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا میں اُس بچے کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔"

عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو میرے مکان پر آئے، میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی، مجھ کو بلا لیا ہوتا، فرمایا کہ ابھی مجھ کو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ اُترا ہے۔ لوگ تھکے ماندے ہوں گے، آؤ ہم تم چل کر

marfat.com

پہرہ دیں، چنانچہ دونوں صاحب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب میں قحط پڑا اُن کی عجیب حالت ہوئی۔ جب تک قحط رہا گوشت، گھی، مچھلی، غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دُعائیں مانگتے رہے، کہ اے خدا! محمدؐ کی اُمت کو میری شامتِ اعمال سے تباہ نہ کرنا، اسلم اُن کے غلام کا بیان ہے کہ موقحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ کو جو فکر و تردد رہتا تھا، اِس سے قیاس کیا جاتا تھا، کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے [۱]۔

قحط کا جو انتظام حضرت عمرؓ نے کیا تھا اُس کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

ایک دفعہ ایک بدّو اُن کے پاس آیا، اور یہ اشعار پڑھے۔

یا عُمَرَ الخَیرِ خیر الجنَّۃِ	اے عمرؓ! لطف اگر ہے تو جنت کا لُطف ہے،
اکسُ بُنَیَّاتی وَ اُمَّھُنَّہ	میری لڑکیوں کو، اور اُن کی ماں کو کپڑے
اقسَمَ باللہِ لتفعلنَّہ	پہنا، خدا کی قسم تجھ کو یہ کرنا ہوگا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اور میں تمہارا کہنا نہ کروں تو کیا ہوگا۔ بدّو نے کہا۔

تکُوْنُ عَنَ حالی لتسئلنَّہ	تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہوگا
وَالواقفُ المسئول یبھتنَّہ	اور تو ہکا بکا رہ جائے گا۔ پھر یا دوزخ
اما الیٰ نارٍ وَّ اِمّا جَنَّہ	کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہوگا۔

حضرت عمرؓ اِس قدر روئے کہ داڑھی تر ہوگئی۔ پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتہ اِس کو دیدے اِس وقت اِس کے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں [۲]۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے، ایک عورت اپنے بالا خانہ پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی۔

---

[۱] یہ تمام روایتیں کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۳ میں مستند حوالوں سے منقول ہیں۔ [۲] سیرۃ العمرین و ازالۃ الخفاء۔

marfat.com

تطاول ھذا اللیل واذورجانبہ
رات۔ کالی ہے اور لمبی ہوتی جاتی ہے۔

ولیس الیٰ جنبی خلیل الاعبہ
اور میرے پہلو میں یار نہیں جس سے خوش فعلی کروں۔

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا، اور وہ اُس کے فراق میں یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کو سخت قلق ہوا، اور کہا کہ میں نے زنانِ عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انہوں نے کہا چار مہینے۔ صبح ہوتے ہر جگہ حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

سعید بن یربوعؓ ایک صحابی تھے، جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں، حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے۔ اُنہوں نے کہا۔ "میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھ کو راستہ بتا لے۔" حضرت عمرؓ نے ایک آدمی مقرر کر دیا جو ہمیشہ اُن کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔[۱]

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے پاس جا کر کہا کہ "داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔" اُس نے کہا جنگ موتہ میں میرا داہاں ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمرؓ کو رقت ہوئی، اُس کے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے کہ افسوس تم کو وضو کون کراتا ہوگا؟ سر کون دُھلاتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اس کے لئے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں۔

امامت اور اجتہاد

امامت کا منصب، در حقیقت، نبوت کا ایک شائبہ ہے اور امام کی فطرت، قریب قریب، پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "و از میانِ امت جمعے ہستند کہ جوہر نفس ایشاں قریب بجوہر انبیاء مخلوق شدہ وایں جماعہ دراصل فطرت، خلفائے انبیاء اند در اُمت۔"[۲]

---

۱ اسد الغابہ تذکرہ سعید بن یربوع ۲ ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ ۹۔

marfat.com

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں، کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد، اُس صفات کمال کا اعتراف، سزا و جزا کا یقین، زہد و عبادت، محاسن و اخلاق، یہی چیزیں تمام مذاہب کی اصلی اُصول اور حکام ہیں اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں، لیکن ان مسائل میں اشتباہ اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر نہایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ لیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے، تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں، اسلام انہی غلطیوں کے مٹانے کے لئے آیا اور اُس نے نہایت اہتمام اور تاکید کے ساتھ ان پر توجہ دلائی لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں۔ اِس لئے ہر زمانے میں اکثر لوگ، اصل حقیقت سے دُور ہوتے جاتے تھے اور اسی لئے آئمہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر دہ نہ پڑنے پائے۔ مثلاً اسلام نے شرک کو کس زور شور سے مٹایا لیکن غور سے دیکھو تو قبروں اور مزاروں کے ساتھ عوام ایک طرف، خواص کا جو طرز عمل ہے اُس میں اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہے، گو استفادہ عن القبور، اور حصولِ برکت کے خوشنما الفاظ نے اُن پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اِن نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح، اصل حقیقت کو سمجھا اور جس جرأت و دلیری سے اُس کو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا، اُس کی نظیر صحابہؓ کے زمانے میں بھی بہت کم ملتی ہے۔

مسئلہ قضا و قدر

الٰہیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے جسمیں عموماً بڑے بڑے آئمہ مذہب کو غلطیاں واقع ہوئیں یہاں تک کہ اکابر صحابہؓ میں سے بھی بعضوں کو اشتباہ ہوا۔ طاعون عمواس میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو مقام سرغ میں پہنچکر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے، حضرت عمرؓ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے، قضائے الٰہی سے ہوتا ہے، نہایت طیش میں آکر کہا افرارًا من

قدر اللہ یعنی کیا قضائے الٰہی سے بھاگتے ہو؟"

حضرت عمرؓ نے اِس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا[1]

نعم نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ یعنی ہاں، ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھاگتے ہیں۔"

اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے، اسی بنا پر کعبہ اور حجرِ اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اِسی اُصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہوگئی۔ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اِس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا۔ ایک بار حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر اعلانیہ کہا:۔

انی اعلم انک حجر وانک لا تضر ولا تنفع[2] — میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔"

تعظیم شعائر اللہ

حضرت عمرؓ کا یہ فعل مذاق عام سے جس قدر الگ تھا اس کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ وہ اُسی وقت حضرت علیؓ نے اُن کو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجرِ اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وُہ قیامت میں لوگوں کی نسبت کی شہادت دے گا، لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے چنانچہ ناقدین فن نے اس کی تصریح کی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی۔ اِس بنا پر یہ درخت متبرک سمجھا جانے لگا تھا۔ اور لوگ اُس کی زیارت کو آتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر اُس کو جڑ سے کٹوا دیا[2]۔

ایک دفعہ سفرِ حج سے واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں ایک مسجد تھی، جس میں ایک دفعہ آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی۔ اِس خیال سے لوگ اس کی طرف دوڑے۔ حضرت عمرؓ

---

[2] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۹۱ علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں بیعتِ رضوان کے واقعہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اس واقعہ کو بسندِ صحیح روایت کیا ہے۔ [1] یہ واقعہ مفصل طور پر مسلم باب الطاعون میں مذکور ہے۔

marfat.com

نے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اہل کتاب، انہی باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انہوں کے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا[1]۔"

نبی کے اقوال وافعال کہاں تک منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آتے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے، باقی امور، وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلے کو جس قدر حضرت عمرؓ نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا۔ خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعین، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعیؒ نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمرؓ کا طریق عمل مختلف ہے، بڑی دلیری سے اُن پر قدح کی ہے۔ لیکن امام شافعیؒ نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے۔ اس لئے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے۔ چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے۔

شریعت کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمرؓ نے قائم کیا یہ تھا، کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق، شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُن میں عقل کو دخل نہیں، دوسرا یہ کہ اُس کے تمام احکام، اُصول عقلی پر مبنی ہیں۔ یہی دوسرا خیال، علم اسرار الدین کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ خاص اسی فن میں ہے۔ تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اُصول

---

[1] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۹۱

marfat.com

تسلیم کرتے تھے، جس کی وجہ سے کچھ تو یہ تھی کہ یہ دقیق فن، عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا، اور کچھ یہ کہ مذہبی محویت اور دلدادگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات، بغیر چون وچرا کے مان لی جائے اور رائے عقل کو کچھ دخل نہ دیا جائے۔

لیکن حضرت عمرؓ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جس نے علم اسرار الدین کی گویا بنیاد ڈالی، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہؓ نے اِس علم سے بحث کی اور اِس کے وجوہ ظاہر کئے[1]۔ حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی بنیاد ڈالی

شاہ صاحبؒ نے جن لوگوں کا نام لیا، اُن میں عبداللہ بن عباسؓ کی عُمر، آنحضرتؐ کی وفات کے وقت ۱۳ برس کی تھی۔ حضرت علیؓ کا سِن جناب رسول اللہؐ کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا۔ زید بن ثابتؓ کا سِن آنحضرتؐ کی ہجرت کے وقت ۱۱ برس کا تھا۔ حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت کل ۱۸ برس کی تھیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو۔ یہ سب بزرگ اِس علم کے ترقی دینے والے ہوں گے، لیکن اوّلیت کا منصب حضرت عمرؓ ہی کو حاصل ہوگا۔

حضرت عمرؓ، مسائلِ شریعت، کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلافِ عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلعم سے دریافت کرتے تھے، سفر میں جو قصرِ نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں خود اس کا اشارہ ہے لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ لیکن جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمرؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اب سفر میں، قصر کیوں کیا جاتا ہے؟

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۶

marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ خدا کا انعام ہے۔"[1]

حج کے ارکان میں رمل ایک رُکن ہے یعنی طواف کرتے وقت، پہلے تین دوروں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں، اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلعم، جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہوگئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کرسکتے۔ آنحضرتؐ نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا۔ اس کے بعد یہ فعل معمول ہوگیا، چنانچہ آئمہ اربعہ اُس کو حج کی ایک ضروری سُنّت سمجھتے ہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے صاف کہا مالنا و للرّمل انما کنا رأینا به المشرکین وقد اھلکھم اللہ[2] یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض! اس سے مشرکوں کو رُعب دلانا مقصود تھا، سو اُن کو خدا نے ہلاک کر دیا۔" حضرت عمرؓ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے۔ رمل کے ترک کا ارادہ بھی کرلیا تھا لیکن پھر آنحضرتؐ کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا، عبد اللہ بن عباسؓ جو حضرت عمرؓ کے خاص تربیت یافتہ تھے، اُن سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنّت سمجھتے ہیں، تو کہا کہ "غلط سمجھتے ہیں۔"[3]

حضرت عمرؓ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ تیار ہوسکتا ہے، ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقلی کے موافق ہیں، اس سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے اُستاد اور ماہر تھے۔

اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا

منصب امامت کے لحاظ سے، حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے دُنیا کو جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی اور جو آپ کی بعثت کا اصلی مقصد تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بُعِثتُ لاتمم مکارمَ الاخلاق۔ حضرت عمرؓ کے فیض سے (قوم میں)

---

[1] صحیح مسلم [2] صحیح بخاری باب الرمل۔ [3] ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۹۵ حصہ دوم

marfat.com

وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں، اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں ؛

حضرت عمرؓ، خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے، اُن کا خلوص، انقطاع الی اللہ، لذائذِ دُنیا سے اجتناب، حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی، یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں اثر کرتے جاتے تھے، اور ہر شخص جو اُن کی صحبت میں رہتا تھا، کم و بیش اس قالب میں ڈھل جاتا تھا مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقوےٰ سیکھ جائیں ؛ مورخ مسعودی نے حضرت عمرؓ کے حالات اس جملے سے شروع کئے ہیں کہ " ان میں جو اوصاف تھے وہ ان کے تمام افسروں اور عہدہ داروں میں پھیل گئے تھے " پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسیؓ، ابو عبیدہؓ، سعید بن عامرؓ وغیرہ کے نام اور اُن کے اوصاف لکھے ہیں۔

عرب میں جو اخلاق ذمیمہ، جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے، وہ نسب کا فخر وغرور، عام لوگوں کی تحقیر، ہجو و بدگوئی، عشق و ہوا پرستی، بادہ نوشی اور مے پرستی تھی، حضرت عمرؓ نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر و غرور کی علامت تھیں بالکل مٹا دیں۔ لڑائیوں میں قبائل، اپنے قبیلوں کی بجے پکارا کرتے تھے اُس کو حکماً بند کر دیا۔ فخر وغرور کا استیصال " آقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اُٹھا دی، ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جب بہت سے معزز لوگوں کے ساتھ اُن کی دعوت کی، اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا، تو نہایت افروختہ ہو کر کہا کہ " خدا اُن سے سمجھے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں "

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعبؓ سے جو بڑے رُتبہ کے صحابی تھے ملنے گئے، جب وہ مجلس سے اُٹھے تو ادب اور تعظیم کے لئے لوگ انکے ساتھ ساتھ چلے، اتفاق سے حضرت عمرؓ ادھر سے آنکلے، یہ حالت دیکھ کر ابیؓ کے ایک کوڑا لگایا۔ ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے! یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا اوما ترىٰ فِتنۃ للمتبوع

وَمذلۃ لِلتابعِ یعنی ورتم نہیں جانتے یہ امر متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے۔[۱]

ہجو کی ممانعت

ہجو و بدگوئی کا ذریعہ شعر و شاعری تھا، شعراء جا بجا لوگوں کی ہجویں لکھتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواجِ عام حاصل تھا، اس لئے یہ ہجویں نہایت جلد مشتہر ہو جاتی تھیں اور اُن سے سیکڑوں مفاسد پیدا ہوتے تھے، حضرت عمرؓ نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا اور اُس کے لئے سزا مقرر کی، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے، حُطیئہ اس زمانے کا مشہور شاعر تھا۔ اور سودا کی طرح فنِ ہجو میں کمال رکھتا تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو طلب کر کے ایک تہہ خانے میں قید کیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر کبھی کسی ہجو نہیں لکھیگا۔[۲] آنحضرتؐ کے زمانے میں قریش نے جب اور تدبیروں سے عاجز ہو کر، مسلمانوں کی، اور خود آنحضرتؐ کی شان میں ہجویں کہنی شروع کیں تو آنحضرتؐ نے حسانؓ کو ترکی بترکی جواب دینے کی اجازت دی تھی یہ اشعار، قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حکم دے دیا کہ وہ پڑھے پڑھائے نہ جائیں، کیونکہ اُن سے پُرانی رنجشیں تازہ ہوتی ہیں۔[۳]

ہوا پرستی کی روک

عشق و ہوا پرستی کا بھی بڑا ذریعہ یہی شعر شاعری تھا، شعراء زیادہ تر رندانہ اور اوباشانہ اشعار لکھتے تھے اور ان میں اپنے معشوقوں کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے۔

شاعری کی اصلاح

مذاق کے عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کے زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس وجہ سے رندی و آوارگی اُن کے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے قطعی حکم دیا کہ شعراء عورتوں کی نسبت عشقیہ اشعار نہ لکھنے پائیں، چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرہ میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے تَقَدَّمَ عُمَرُ بنُ الخطابِ اِلَی الشُّعَرَاءِ اَن لَّا یَشبِبُ اَحَدٌ بِامرَأۃٍ اَلاَّجلدہ۔

شراب خوری کی روک

شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اُس کو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ دُرّے مارے جاتے تھے اُنہوں نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیئے۔

۱؎ مسند دارمی ۲؎ اسد الغابہ تذکرہ زبرقان ۳؎ اغانی تذکرہ حسان بن ثابت۔

marfat.com

ان سب باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں دولت کی کثرت اور فتوحات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے لئے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ عیش و عشرت میں مبتلا نہ ہونے پاتے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔

آزادی اور حق گوئی کا قائم رکھنا

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ، آزادی اور خودداری ہے۔ اس لئے حضرت نے اس پر بہت توجہ کی، اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمرؓ کے سوا اور خلفا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے یہاں تک کہ عبدالملک نے قطعی حکم دے دیا کہ کوئی شخص اس کے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے۔ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا لیکن اُس کے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے، جس کی بدولت حضرت عثمانؓ کی شہادت کی نوبت پہنچی، اور جناب امیرؑ کو جمل و صفین کے معرکے جھیلنے پڑے، برخلاف اس کے حضرت عمرؓ نے نہایت اعلیٰ درجے کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ حکومت کے جبروت میں ذرا کمی نہ آنے دی۔

مختلف موقعوں پر تقریر و تحریر سے جتادیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے، اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاصؓ کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خود اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاصؓ اور اُن کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

مُذ کم تعبّدتم الناس وقد ولدتهم اُمّهاتهم احراراً[1] — یعنی "تم لوگوں نے آدمیوں کو غلام بنالیا؟ ان کی ماؤں نے تو اُن کو آزاد جنا تھا۔"

عرب میں جو لوگ بہت معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے، اور ان سے کم رتبہ لوگ اُن کو ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے "جعلنی اللہ فداءک" "بابی" "وامی" "یعنی خدا مجھ کو آپ پر قربان کر دے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں"۔

---

[1] کنز العمال، ج۶، ص ۳۵۵

marfat.com

چونکہ اِن الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بو آتی تھی مختلف موقعوں پر اُن کی نسبت ناراضی ظاہر کی۔ ایک شخص نے خود ان کی شان میں کہا تھا کہ جعلنی اللہ فداک تو فرمایا کہ اذاً یُھِنیکَ اللہ یعنی "اگر خدا ایسا کرے گا تو تجھ کو ذلیل کرے گا"۔ حضرت عمرؓ کے اِس طریقِ عمل نے لوگوں کو جس قدر آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا اس کا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہو گا۔

ایک دفعہ اُنہوں نے ممبر پر چڑھ کر کہا، صاحبو! اگر میں دُنیا کے طرف جُھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سر اُڑا دیں گے"۔ حضرت عمرؓ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کہ کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے؟ اس نے کہا "ہاں ہاں تمہاری شان میں"۔ حضرت عمرؓ نے کہا "الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہوں گا تو مجھ کو سیدھا کر دیں گے"۔

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لیں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے حذیفہؓ بن الیمانؓ کو لکھا کہ مَیں اس کو ناپسند کرتا ہوں، اُنہوں نے جواب میں لکھا کہ یہ حکم آپکی ذاتی رائے ہے یا کوئی شرعی حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے، حذیفہؓ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضرور نہیں، چنانچہ باوجود حضرت عمرؓ کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیاں کیں۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ جب حضرت عمرؓ نے تمام عاملوں کا مال و اسباب نیلام کر کے، آدھا بیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل جس کا نام ابوبکرۃ تھا، صاف کہا کہ اگر یہ مال خُدا کا تھا تو کُل بیت المال میں داخل کرنا چاہیئے تھا، اور ہمارا تھا تو اُس میں سے تم کو لینے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمرؓ کی تقلید اور اُن کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعتِ اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفسی، نیکخوئی، حلم و تواضع، جرأت و آزادی، حق پرستی، و بے نیازی کی تصویر بن گیا، تاریخ کے مرقع میں اُس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے حُلیہ میں یہ خط و خال

marfat.com

صاف نظر آتے ہیں۔"

اجتہاد کی حیثیت محدث و فقیہ ہونا

حدیث و فقہ کا فن، درحقیقت، تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ صحابہ میں اور لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے چنانچہ اُن کی تعداد ۲۰ سے متجاوز بیان کی گئی ہے لیکن فن کی ابتداء حضرت عمرؓ سے ہوئی اور فن کے اُصول و قواعد، اوّل انہی نے قائم کئے۔

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جس کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرتؐ سے دریافت کر لیتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں، اس لئے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ نکلا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نومسلموں کی کثرت نے سیکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے، اس لحاظ سے اُنہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ یہ مسائل آنحضرتؐ کے اقوال کے موافق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمرؓ، مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہؓ موجود ہوتے تھے، پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت۔ جزیہ مجوس۔ اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت، کتب حدیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہؓ سے استفسار کر کے احادیث نبوی کا پتہ لگایا۔

احادیث کا تفحص

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشتہر کی جاتے اُسی قدر اُس کو قوت حاصل ہوتی ہے اور نیز پچھلوں کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے۔ اس لئے اس کی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

حدیثوں کی اشاعت

(۱) احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے

marfat.com

اُن کی عام اشاعت ہوجاتی تھی، یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

(۲) صحابہؓ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے اُن کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا، شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں، "چنانچہ فاروقِ اعظمؓ عبداللہ بن مسعودؓ را با جمعے بکوفہ فرستاد و معقل بن یسارؓ و عبداللہ بن مغفلؓ، و عمران بن حصینؓ را بہ بصرہ و عبادہ بن صامتؓ، و ابو درداءؓ، را بشام و بمعاویہ بن ابی سفیانؓ کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند[1]"

ایک دقیق نکتہ

اِس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کی اشاعت میں گو بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث جو اُن سے بروایتِ صحیح مروی ہیں ستر سے زیادہ نہیں، یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلّم ہے کہ صحابیؓ جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلعم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہوگا کہ اُس نے رسول اللہ سے سُنا ہے۔ اور واقع میں یہ اُصول بالکل عقل کے مطابق ہے، حضرت عمرؓ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ "زکوٰۃ فلاں فلاں چیزوں پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے" تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمرؓ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں، لامحالہ اسکے یہی معنی ہوں گے کہ آنحضرتؐ نے زکوٰۃ کے متعلق یہ احکام صادر فرمائے تھے، زیادہ سے زیادہ اِس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اس لئے ممکن ہے کہ رسول اللہؐ نے اِس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کہا ہو۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے اُسکو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا، لیکن یہ احتمال خود اُن احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابیؓ نے اعلانیہ آنحضرتؐ کا نام لیا ہو۔

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۴۱ حصہ دوم

marfat.com

اِس اصول کی بناء پر، حضرت عمرؓ نے خطبوں میں، تحریری ہدایتوں میں، فرامین میں، نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ وغیرہ کے متعلق جو اُصولی مسائل بیان کئے وہ درحقیقت آنحضرتؐ کے احکام ہیں گو۔ انہوں نے آنحضرتؐ کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں، "وہفتم آنکہ مضمونِ احادیث در خطب خود ارشاد فرمایند تا اصل احادیث بآن موتوفِ خلیفہ قوت باید، یارانیکہ بغورِ سخن نمیر سند در بند آنکہ در متفق علیہ از حضرت صدیقؓ صحیح نشد مگر شش حدیث، واز فاروق اعظم بہ صحت نرسید مگر قریب ہفتاد حدیث، ایں رانمی فہمند ونمی دانند کہ حضرت فاروقؓ تمام علم حدیث را اجمالاً تقویت دادہ واعلان نمودہ۔[1]

حدیث کے تفحص وجستجو، اور اشاعت وترویج کے متعلق، حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا، اگرچہ وہ خود بھی مہتم بالشان کام تھے لیکن اِس باب میں، اُن کی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور چیز ہے جو اُنہی کے ساتھ مخصوص ہے، احادیث کی طرف اسوقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اسمیں جو نکتہ سنجیاں کیں اور جو فرقِ مراتب پیدا کیا اُس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے اُنہوں نے اِس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابلِ اعتنا کس قسم کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو۔ رسول اللہؐ کا ہر قول وفعل عقیدت کیشوں کے لئے گنجینۂ مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الاَهَمُّ فَالاَهَمُّ اِس بنا پر حضرت عمرؓ نے تمام تر توجہ اُن احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے، جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں، اُن کی روایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا۔ اِسمیں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے وہ اقوال وافعال جو منصبِ رسالت سے تعلق رکھتے ہیں، اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں، باہم مختلط نہ ہونے پائیں۔

احادیث میں فرقِ مراتب

شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں، "باستقراء تام معلوم شد کہ فاروق اعظمؓ۔ نظر دقیق در

[1] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۶۔

تفریق، میانِ احادیث کہ بہ تبلیغ شرائع و تکمیلِ افرادِ بشر تعلق دارد، از غیر آں، مصروف می ساخت، لہذا احادیثِ شمائل آنحضرت صلعم و احادیثِ سُنن زوائد در لباس و عادات کمتر روایت می کرد۔ بدو وجہ، یکی آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ و تشریعیہ نیست، محتمل کہ چوں اہتمام تام بر روایت آں بکار برند بعض اشیاء از سُننِ زوائد بہ سُننِ ہدیٰ مشتبہ گردد۔[1]

حضرت عمرؓ نے ان حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جس میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعائیں منقول تھیں، حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا دفتر اسی قسم کی حدیثوں کا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اس بات کو جانتے تھے کہ "دعا کے قبول و عدم قبول کا مدار خلوص و تضرع پر ہے نہ الفاظ پر"۔[2]

سب سے بڑا کام جو حضرت عمرؓ نے اس فن کے متعلق کیا، وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

روایات کی چھان بین

آجکل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے گو صحیح نہ ہو۔ اُس کو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے، اسی بنا پر یہودیوں کی تمام خرافات احادیثِ نبوی کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح و تعدیل کی روک ٹوک سے تعمیم کو روک دیا لیکن جب کسی راوی کی تعدیل اُن کے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر اُن کو زیادہ پُرسش وجو نہیں ہوتی تھی، اس کے ساتھ۔ قرنِ اول کی نسبت اُنہوں نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں اُن سے کوئی زمانہ مستثنےٰ نہیں ہو سکتا، اس لئے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانۂ مابعد میں پیدا کئے۔ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ، ان سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کی طور پر کہا کہ "السلام علیکم۔ ابو موسیٰ حاضر ہے"، حضرت عمرؓ اُسی وقت کسی کام میں مصروف تھے اس

[1] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۱۴۱ [2] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۱۴۱

marfat.com

لیے متوجہ نہ ہوسکے۔ کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابوموسیٰ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے، تو واپس جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو، ورنہ میں تم کو سزا دوں دونگا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ صحابہؓ کے پاس گئے اور حقیقتِ حال بیان کی، چنانچہ ابوسعید نے آکر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہؐ سے یہ حدیث سنی ہے، حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ عمرؓ! تم رسول اللہؐ کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور اس کی تصدیق کرنی چاہی[۱]۔

فقہ کا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاقِ باین دی جائے اسکو عدت کے زمانے تک نان ونفقہ اور مکان ملنا چاہیئے یا نہیں؟ قرآن مجید میں ہے کہ اسکنوھن من حیث سکنتم جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیئے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھیں ان کو ان کے شوہر نے طلاق بائن دی، وہ آنحضرتؐ کے پاس گئیں کہ مجھ کو نان ونفقہ کا حق ہے یا نہیں، ان کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ”نہیں“ فاطمہ نے یہ روایت، حضرت عمر کے سامنے بیان کی تو حضرت عمرؓ نے کہا:۔

لَا نترك كتابَ اللهِ بقول امرءةٍ لا ندري لعلّها حفظت او نسيت یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں اس کو حدیث یاد رہی۔ یا نہیں“

سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ مغیرہؓ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہؓ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا، اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے

---

[۱] یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ متعدد طرق سے صحیح مسلم باب الاستیذان میں مذکور ہے۔

marfat.com

لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو تمہاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔

حضرت عمرؓ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ اس لئے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی، اس کے متعلق انہوں نے جو بندشیں کیں۔ آج کل لوگوں کو۔ ان پر مشکل سے یقین آسکتا ہے، اس لئے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا بلکہ بہت بڑے بڑے محدثوں نے جو کچھ لکھا ہے اُس کو نقل کر کے لفظی ترجمہ کر دوں گا۔ علامہ ذہبیؒ جن سے بڑھ کر۔ ان کے بعد کوئی محدث نہیں گزرا، اور جو حافظ ابن حجر، سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

کثرت روایت سے روکنا

وَقَد كَانَ عُمَرُ مِن وجله يخطى الصَّاحب عَلىٰ رَسُولِ اللهِ۔ يَامُرُهُمْ اَنْ يُّقلّوا الرِّوَايَةَ عَن نَبِيِّهِمْ وَلِئَلا يتشاغل بِالاحاديث عَن حِفْظِ الْقُرانِ + عَنْ قرظة بن كعب قَالَ لَمَّا سَيَّرَنَا عُمَر الى الْعُرَاق۔ مَشىٰ مَعَنَا عُمَرُ وَقَالَ اَتَدرُونَ لِمَ شَيَّعتُكُم قَالُوا نَعَم مَكرمةٌ لنا۔ قَالَ وَمَعَ ذٰلِكَ فَانكم تَاتُونَ اَهلَ قَريةٍ لَهُمْ دَوِيٌّ بِالْقُرانِ

یعنی حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہؓ، آنحضرتؐ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کریں اور تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں۔ قرظہ بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمرؓ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے، اور کہا تم کو معلوم ہے میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھانے کو، فرمایا کہ ہاں لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے لوگ

لے یہ دونوں روایتیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمر کے حالات میں مذکور ہیں۔

marfat.com

كدوي النحل فلا تصدّهم بالاحاديث فتشغلوهم جرّدوا القرآن واقلوا الرواية عن رسول الله وانا شريككم فلما قدم قرظة قالوا احدثنا فقال نهانا عمر ++ عن ابي هريرة قلت له كنت تحدث في زمان عمر هكذا فقال لو كنت احدث في زمان عمر مثل ما احدثكم لضربني بمخفقته ++ ان عمر حبس ثلثه - ابن مسعود - وابا الدرداء وابا مسعود الانصاري - فقال قد اكثرتم الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم -

کی آواز شہد کی مکھی کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے۔ تو ان کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا، قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہؐ سے کم روایت کرو اور میں تمہارا شریک ہوں پس جب قرظہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ عمرؓ نے ہم کو منع کیا ہے، ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ کہ آپ عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو، عمر مجھ کو درّے سے مارتے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود ابودرداءؓ و ابومسعودؓ کو محبوس کیا کہا کہ تم لوگوں نے آنحضرتؐ سے بہت حدیثیں روایت کرنی شروع کیں۔

مسندِ دارمی میں قرظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "حضرت عمرؓ کا یہ مطلب تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جاتے، اِس سے فرائض اور سُنن مقصود نہیں" شاہ صاحب ولی اللہ۔ دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں، میرے نزدیک، آنحضرتؐ کے شمائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی غرضِ شرعی متعلق نہیں یا وہ حدیثیں مقصود ہیں۔ جن کے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا[1]

ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمرؓ کا مقصد خود انہی کی حضرت عمرؓ کے تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے، مورخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں، انساب الاشراف

کم روایت کرنیکی وجہ

[1] ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۴۱ حصہ دوم

marfat.com

میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے اُن سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا:۔

لولا انی اکرہ ان ازید فی الحدیث او انقص لحدثتکم بہ؛

یعنی اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کمی بیشی ہو جائے گی تو میں حدیث بیان کرتا۔

مورخ مذکور نے اِس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے اور اُس کے رُواۃ یہ ہیں، محمد بن سعد، عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی، نعمان بن ثابت (یعنی امام ابوحنیفہ) موسیٰ بن طلحہ، ابوالحوتکیہ۔

حضرت عمرؓ کو اپنی نسبت جو ڈر تھا وہی اوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اِس خیال کی تصدیق اِس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ جو مقاماتِ علمی میں حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ خاص تھے، اُن کی نسبت: محدثین نے لکھا ہے۔

یسدد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن التھاون ضبطا للالفاظ۱

یعنی وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پرواہی نہ کریں۔"

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بھر "قال رسول اللہ" نہیں کہتے تھے۲۔ حضرت عمرؓ کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی۔ اگرچہ اُن سے پہلے بھی اکابر صحابہ کو تھی، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکرؓ کے حال میں لکھا ہے کہ "سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابوبکرؓ تھے، علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ "حضرت ابوبکرؓ نے ۵۰۰ حدیثیں قلمبند کی تھیں لیکن پھر ان کو آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اُس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو۔"

---

۱ تذکرۃ الحفاظ تذکرہ عبداللہ بن مسعود۔ ۲ تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۱۴ سطر ۳۔

marfat.com

لیکن حضرت عمرؓ کی احتیاط اور دیگر صحابہ کی احتیاط میں فرق تھا، اور صحابہؓ صرف۔ راوی کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ۔ راوی کے ثقہ ہونے کے ساتھ بھی اِس بنا پر احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں حضرت عائشہؓ نے اسی بنا پر حضرت ابوہریرہؓ پر اکثر مواخذات کئے ورنہ حضرت ابوہریرہؓ کے ثقہ ہونے میں۔ اُن کو بھی کلام نہ تھا۔"

حضرت عمرؓ کی روک ٹوک اور ضبط واحتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں لیکن جس قدر روایت کی گئیں وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں، ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے نہایت سچ لکھا کہ "ہر چند جمیع صحابہؓ۔ عدول اند روایت ہمہ مقبول، وعمل بموجب انچہ بروایت صدوق از نسیان ثابت شود، لازم، اما درمیان انچہ از حدیث وفقہ در زمن فاروق اعظمؓ بود، وانچہ بعدوی حادث شدہ فرق مَا بَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ست[۱]۔

حضرت عمرؓ نے احادیث کے متعلق احتیاط اور تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پاسکا، لیکن محققین صحابہؓ میں یہ خیال بے اثر نہیں رہا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی نسبت عام شہرت ہے اور مسند دارمی وغیرہ میں جا بجا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت، اُن کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا اور جب آنحضرتؐ کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرتؐ نے یہ لفظ فرمایا تھا یا شاید اس کے مشابہ، یا اِس کے قریب، یا اس کے مثل" ابو درداءؓ اور حضرت انسؓ جو بڑے بڑے صحابی تھے ان کا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ سال بھر رہا۔ اِس مدت میں اُن سے صرف ایک حدیث سُنی۔ ثابت بن قطبۃ الانصاری کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ مہینہ بھر میں صرف

صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے تھے

[۱] ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۴۱۔

دو تین حدیث روایت کرتے تھے، سائب بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد وقاصؓ کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا۔ لیکن اُنہوں نے اِس مدت میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کی، چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں، صحیح دارمی میں بہ سند متصل منقول ہیں[1]۔

سند اور روایت کے متعلق۔ حضرت عمرؓ نے جو مقدم اُصول قائم کیے۔ ان کو، اجمالاً یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۱) روایت کا باللفظ ہونا ضروری ہے۔

(۲) محض راوی کا ثقہ ہونا۔ روایت کے اعتماد کے لیے کافی نہیں۔

(۳) خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔

(۴) خبر واحد ہمیشہ قابلِ حجت نہیں ہوتی۔

(۵) روایت کے اعتبار میں۔ موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔

علم فقہ

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے، اِس فن کے متعلق ان کی قابلیت اور افضلیت کا تمام صحابہؓ کو اعتراف تھا۔ مسند دارمی میں ہے کہ حذیفہ بن الیمانؓ نے کہا کہ فتویٰ دینا اُس شخص کا کام ہے جو، یا امام ہو، یا قرآن کے ناسخ و منسوخ کو جانتا ہو" لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے؟ حذیفہؓ نے کہا عمر بن خطابؓ"۔ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ "اگر تمام عرب کا علم، ایک پلّہ میں رکھا جاتے اور عمر کا علم، دوسرے پلّہ میں، تو عمرؓ کا پلّہ بھاری رہے گا[2]" علامہ ابواسحٰق شیرازی نے جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے، فقہا کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے، اُسمیں حضرت عمرؓ کے تذکرہ میں، صحابہؓ و تابعین کے اِس قسم کے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے۔

"ولولا خوف الاطالة لذکرت من" یعنی اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمرؓ کے

---

[1] مسند دارمی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور از صفحہ ۵۴ تا ۴۸۔ [2] استیعاب قاضی بن عبدالبر و ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۸۵ حصہ دوم

marfat.com

فقہہ ما یتحیر فیہ کل فاضلٍ۔ فتویٰ اور ان میں جو فقہ کے اصول پائے جاتے ہیں، اس قدر لکھتا کہ فضلا حیران رہ جاتے۔

فقہ کے تمام سلسلوں کے مرجع حضرت عمرؓ ہیں۔

علامۂ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہم اُس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگے چل کر لکھیں گے لیکن پہلے یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں، سب کا مرجع، حضرت عمرؓ کی ذات بابرکات ہے۔ بلادِ اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ مکۂ معظمہ۔ مدینہ منورہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ اِس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانیِ فن، انہی مقامات کے رہنے والے تھے۔ مثلاً۔ مکۂ معظمہ کے شیخ عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ مدینۂ منورہ کے زید بن ثابتؓ، وعبداللہ بن عمرؓ، کوفہ کے حضرت علی۔ عبداللہ بن مسعودؓ۔ وابوموسیٰ اشعریؓ، شام کے ابو درداءؓ ومعاذ بن جبلؓ۔ اِن میں (حضرت علیؓ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمرؓ ہی کے صحبت سے مستفید ہوتے تھے، اور خاصکر عبداللہ بن عباسؓ وعبداللہ بن عمرؓ وعبداللہ بن مسعودؓ تو اُن کے ساختہ پرداختہ تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں[1]"، عبداللہ بن عباسؓ کو حضرت عمرؓ نے گویا اپنے دامنِ تربیت میں پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اِس پر رشک ہوتا تھا۔ صحیح بخاری[2] میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھ کو شیوخِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اِس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اِس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، اور ہمارے لڑکوں کو جو اِن کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے، حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔

محدّث عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے "کان عمر یحبُّ ابن عبّاسٍ ویُقرّبہٗ" یعنی حضرت عمر۔ ابن عباسؓ کو محبوب رکھتے تھے اور اُن کو تقرّب دیتے تھے"، اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمرؓ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہ بن عباسؓ اس کا جواب دینا چاہتے، لیکن کم سِنی

---

[1] استیعاب قاضی ابن عبدالبر وازالۃ الخفا صفحہ ۳۱۹ حصہ اوّل۔ [2] صحیح بخاری صفحہ ۶۱۵ مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ

marfat.com

کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمرؓ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ علم، سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے "، کوئی شخص اگر عبد اللہ بن عباسؓ کے مجتہدات کو، حضرت عمرؓ کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئے گا کہ دونوں میں اُستاذ اور شاگرد کا تناسب ہے[1]۔

عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ کے فرزند ہی تھے۔ زید بن ثابتؓ۔ برسوں حضرت عمرؓ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ عمرؓ۔ عبد اللہ بن مسعودؓ۔ اور زید بن ثابتؓ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں[2]۔

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمر، علی، عبد اللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعریؓ، امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے سِتَّۃٌ مِنْ اَصْحَابِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتذاکرون الفقہ بینہم علی بن ابی طالب وَ اُبَیٌّ والبوموسیٰ علیحدۃٍ وَعُمر وزید وابن مسعود، چھ شخص فقہ کے امام تھے یعنی اصحاب رسولؐ اللہ میں چھ شخص تھے جو باہم مسائل فقہیہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے علیؓ، اُبیؓ۔ اور ابوموسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ، اور حضرت عمرؓ زیدؓ اور ابن مسعودؓ ایک ساتھ، صفوان بن سلیم کا قول ہے۔ لم یکن یُفتی فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عُمر و علی ومعاذ و ابی موسیٰؓ یعنی آنحضرتؐ کے زمانے میں صرف چار شخص فتوے دیتے تھے عمرؓ، علیؓ، معاذؓ، ابوموسیٰؓ امام شعبی کا مقولہ ہے کانَ العلم یُؤخذ عن ستۃ من الصحابۃ[3] یعنی علم چھ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔

اگرچہ تحدید، بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۴ یا ۶ مفتیوں کی تعداد، خلافِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں حدیثِ صحیح، صاف اور مصرح موجود ہے اور کوئی دوسری حدیث اُس

۱ے فتح المغیث صفحہ ۳۸۱ ۲ے تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ذکر ابوموسیٰ اشعری

۳ے فتح المغیث صفحہ ۳۸۱

marfat.com

کے معارض بھی نہیں، اِن مسائل کے لئے فقط احادیث کا جاننا کافی ہے۔ اِس کے برخلاف بہت سے مسائل ایسے ہیں جس کی نسبت، حدیث میں کوئی حکم بتصریح موجود نہیں۔ بلکہ قواعدِ استنباط کے ذریعہ سے حکم مستخرج ہوتا ہے، یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثیں اس کی معارض ہیں، ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے۔ صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے تھے اور مفتی کہلاتے تھے چنانچہ اُن کی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے، لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجے کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جن کا ذکر اوپر گذرا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ چار صاحبوں یعنی عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ کا نام لکھ کر لکھتے ہیں:۔

وَامَّا غَیْرُ ھٰؤُلَاءِ الاربعۃ فکانوا یروون	یعنی ان چار کے سوا باقی جو لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے
دلالۃً ولکن ما کانوا یمیزون الرکن	لیکن آداب وسنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و
والشرط من الآداب والسنن ولم یکن	تفریق نہیں کر سکتے تھے۔ اور جہاں حدیثیں متعارض ہوتی
لھم قول عند تعارض الاخبار و تقابل	تھیں اور دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں وہ (بجز بعض
الدلائل الا قلیلاً کابن عمر و عائشۃ	بعض موقعوں کے) دخل نہیں دیتے تھے۔ مثلاً ابن عمرؓ،
و زید بن ثابت[۱]۔	عائشہؓ، زید بن ثابتؓ۔

بہرحال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فنِ حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ "عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھیوں کے سوا، حضرت علیؓ سے جن لوگوں نے روایتیں کیں، اُن پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا" مُعاذ بن جبلؓ کو خود حضرت عمرؓ نے تعلیم و روایت کے لئے شام بھیجا تھا لیکن ان کا ۱۸ھ میں انتقال ہو گیا، اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ

---

[۱] حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۱۳۷۔

marfat.com

نے لکھا ہے "حدیث اوچنداں باقی نماند"[1] عبداللہ بن مسعودؓ، اور ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے خاص شاگردوں میں تھے، ابوموسیٰ اشعری کو حضرت عمرؓ اکثر تحریر کے ذریعہ سے حدیث و فقہ سے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید ابن ثابتؓ بھی دراصل حضرت عمرؓ کے مقلد تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں "وزید بن ثابتؓ نیز در اکثر متبع اوست"[2]۔ اِن واقعات سے معلوم ہوگا کہ صحابہ میں جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے مسائلِ فقیہہ میں جس قدر فکر اور خوض کیا تھا صحابہؓ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ اُنھوں نے آغازِ اسلام ہی سے فقہ کو مطمعِ نظر بنا لیا تھا۔ قرآنِ مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں، ان میں جہاں ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلعم سے دریافت کر لیتے تھے۔ اور جب تک پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے، یہ بات اور صحابہؓ کو حاصل نہ تھی کیونکہ اُن کے برابر کوئی شخص رسولؐ اللہ کی خدمت میں کہنے سُننے کی جرأت نہیں رکھتا تھا، کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے، اُنھوں نے آنحضرتؐ سے اس قدر بار بار دریافت کیا کہ آپ دِق آگئے اور فرمایا کہ سورۂ نساء کی اخیر آیت تیرے لیے کافی ہو سکتی ہے[3]۔

مشکل مسائل کو قلمبند کرنا

جو مسائل زیادہ مشکل ہوتے اُن کو یادداشت کی طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ اُن پر غور کیا کرتے، وقتاً فوقتاً ان کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اُس کو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے اس میں بھی محو و اثبات کیا کرتے، پھوپھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اس کو محو کر دیا اس کا حال امام محمد نے موطا میں لکھا ہے[4]۔ قسطلانی نے شرح بخاری میں معتمد حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمرؓ نے سو مختلف رائیں قائم کیں، بعض بعض مسائل کے متعلق اُن کو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے، مسند دارمی میں ہے، کہ دادا کی میراث کے متعلق انھوں نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرنے کے قریب اُس کو منگوا کر

دقیق مسائل میں وقتاً فوقتاً خوض کرتے رہنا

---

[1] ازالۃ الخفار صفحہ ۸۱ حصہ دوم [2] ازالۃ الخفار صفحہ ۸۳ حصہ دوم [3] مسند امام احمد حنبل [4] موطا امام محمد صفحہ ۳۱۶۔

مٹادیا اور کہا کہ آپ لوگ خود اِس کا فیصلہ کیجئے گا"، اِسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کی نسبت رائے قائم کی تھی، اگر آپ لوگ چاہیں تو اُس کو قبول کریں، حضرت عثمان نے کہا آپکی رائے ہم لوگ قبول کریں تب بھی بہتر ہے لیکن ابوبکرؓ کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب رائے تھے، اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہؐ تین مسئلوں کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے کلالہ، دادا کی میراث۔ ربا کی بعض اقسام" مسائل فقہیہ کے متعلق اُن کو جو کد و کاوش رہتی تھی اُس کے اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔ ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید میں اِس کی تعریف مفصل مذکور نہیں اِس لئے صحابہؓ میں اختلاف تھا کہ کلالہ میں کون کون ورثہ داخل ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خود آنحضرت سے چند بار دریافت کیا۔ اس پر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حفصہؓ کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسول اللہؐ سے دریافت کرنا، پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہؓ کو جمع کر کے اِس مسئلے کو پیش کیا۔ لیکن اِن تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جاتے تو مجھ کو دنیا ومافیہا سے زیادہ عزیز ہوتی۔ خلافت، کلالہ۔ ربا۔ چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین بن کثیر نے۔ صحیح حدیثوں کے حوالہ سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے نئے مسئلوں کا پیدا ہونا

چونکہ اُن کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تمدن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا اس لئے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر، اکابر صحابہؓ میں سے تھے، تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے تھے اور بارگاہِ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، اس بنا پر حضرت عمرؓ کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور کرنے کی ضرورت پیش آئی، اُن کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں، زیادہ تر

marfat.com

انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ سے اُن کے پاس جواب کے لئے آئے، چنانچہ مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ میں فتووں کے ساتھ، فتوے پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں، مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوعبیدہ جراحؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، وغیرہ وغیرہ۔

دوسروں کا حضرت عمرؓ سے استفتا کرنا

حضرت عمرؓ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور تنہا اُن کی رائے بھی فتوے کے لئے کافی ہو سکتی تھی تاہم احتیاط کے لئے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ کرام کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور اُن پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں، علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی ایسے مسئلہ کو، جو اُن سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورے کے فیصل نہیں کیا، شاہ ولی اللہ صاحب۔ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

صحابہ سے مشورے سے مسائل کو طے کرنا

كَانَ مِن سِيرَةِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يُشَاوِرُ الصَّحَابَةَ وَيُنَاظِرُهُم حَتّٰى تَنكَشِفَ الغُمَّةُ وَيَاتِيَهُ الثَّلجُ فَصَارَ غَالِبُ قَضَايَاهُ وَفَتَاوَاهُ مُتَّبَعَةً فِي مَشَارِقِ الاَرضِ وَمَغَارِبِهَا۔

حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ صحابہ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آجاتا تھا اسی وجہ سے حضرت عمرؓ کے فتووں کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی۔

حضرت عمرؓ نے جن مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا اُن کی تعداد کچھ کم نہیں اور کتب احادیث و آثار میں اُن کی پوری تفصیل ملتی ہے مثلاً بیہقی نے روایت کی ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں (بیہقی نے اس کی تصریح بھی کی ہے) صحابہ میں اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کئے جائیں چنانچہ متفقہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا، تمام صحابہ نے ایک رائے پر اتفاق کیا لیکن حضرت علیؓ اور معاذؓ مخالف رہے، حضرت عمرؓ نے کہا جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر مختلف الرائے

مسائل اجماعیہ

marfat.com

ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہوگا؟ غرض ازواج مطہراتؓ کے فیصلے پر معاملہ اُٹھا رکھا گیا اور انہوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمرؓ نے اسی کو نافذ جاری کر دیا۔ اِسی طرح جنازہ کی تکبیر کی نسبت صحابہ میں بہت اختلاف تھا حضرت عمرؓ نے صحابہ کی مجلس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرتؐ نے پڑھی اسمیں چار تکبیریں کہی تھیں"، اِس طرح اور بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں؛

حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد

فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمرؓ سے بروایت صحیحہ منقول ہیں ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے ان میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں آئمہ اربعہ نے ان کی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "وہمچنیں مجتہدین، در روس مسائل فقہ، تابع مذہب فاروق اعظم اند وایں قریب ہزار مسئلہ باشد تخمیناً"[1] مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں، یہ مسائل منقول ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اِن کی مدد سے فقہ فاروقی پر ایک مستقل رسالہ لکھ کر ازالۃ الخفاء میں شامل کر دیا ہے"۔

یہ تمام بحث، تدوینِ مسائل کی حیثیت سے تھی، لیکن فن فقہ کے متعلق، حضرت عمرؓ کا اصلی کارنامہ اور چیز ہے، اُنہوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی۔ بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دیئے جس کو آج کل اصولِ فقہ کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

اصول فقہ

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ سے جو اقوال، و افعال منقول ہیں وہ کلیۃً، مسائل کا ماٰخذ ہو سکتے ہیں یا اُن میں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اِس بحث پر حجۃ اللہ البالغہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ "آنحضرتؐ سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں، ان کی دو[2] قسمیں ہیں، ایک[1] وہ جو منصبِ نبوت سے

۱؎ ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ ۸۴۔

marfat.com

تعلق رکھتے ہیں، ان کی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۔ یعنی پیغمبر جو چیز تم کو دے وہ لو، اور جس چیز سے روکے اُس اُس سے باز رہو۔" دوسری وہ جن کو منصبِ رسالت سے تعلق نہیں چنانچہ اُن کے متعلق خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِنْ دِیْنِکُمْ فَخُذُوْا بِہٖ وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِنْ رَأْیٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ ۔

یعنی "میں آدمی ہوں، اس لئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم دوں، تو اُس کو لو، اور جب اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔"

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا۔ یا جو افعال، آنحضرتؐ سے عادتاً صادر ہوتے نہ عبادۃً، یا اتفاقاً واقع ہوتے نہ قصداً، یا جو باتیں آنحضرتؐ نے، مزعوماتِ عرب کے موافق بیان کیں۔ مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث، یا جو باتیں کسی جزئی مصلحت کے موافق اختیار کیں۔ مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے اور بہت سے احکام، یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں[1]۔"

شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحبِ نظر، انکار نہیں کر سکتا، اِس تفریق مراتب کے موجد در اصل حضرت عمرؓ ہیں کتبِ سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی، مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عبداللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ، منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔"

قیدیانِ بدر کے معاملے میں اُن کی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی، صُلح حدیبیہ میں انہوں نے، آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۱۳۳۔

marfat.com

صُلح کی جائے ،، اِن تمام مثالوں سے تم خُود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمرؓ اِن باتوں کو منصبِ نبوّت سے الگ سمجھتے تھے ، ورنہ اگر باوجود اِس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصبِ رسالت سے تعلق رکھتی تھیں ، اُن میں دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار ، ہم ان کو ، اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے ۔ اِسی فرقِ مراتب کے اُصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک اُمّہاتِ اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جاتے ، برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمرؓ نے اس کو بالکل روک دیا ، آنحضرتؐ نے جنگ تبوک میں جزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی ، حضرت عمرؓ نے مختلف مُلکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں ، آنحضرتؐ کے عہد میں ، شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے مقرر کئے ۔

یہ ظاہر ہے کہ اِن معاملات میں ، آنحضرتؐ کے اقوال و افعال ، اگر تشریعی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمرؓ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے ، اور خدانخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ ایک لحظہ کے لئے بھی مسندِ خلافت پر اُن کا بیٹھنا کب گوارا کر سکتا تھا ،

حضرت عمرؓ کو اِس امتیازِ مراتب کی جرأت ، اس وجہ سے ہوئی کہ آنحضرتؐ کے متعدد احکام میں جب اُنہوں نے دخل دیا تو آنحضرتؐ نے اُس پر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی ، بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر خُود ، وحیِ الٰہی نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی ۔ قیدیانِ بدر ۔ حجاب ۔ ازواجِ مطہرات ۔ نماز بر جنازہ منافق ۔ اِن تمام معاملات میں ، وحی جو آئی وہ حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق آئی ۔

اِس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے ، فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا ۔ کیوں کہ جن چیزوں میں آنحضرتؐ کے ارشادات ، منصبِ رسالت کی حیثیت سے نہ تھے ، اِن میں اِس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالاتِ موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں ، چنانچہ معاملات میں حضرت عمرؓ نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے ، بہت سے نئے نئے

marfat.com

قاعدے وضع کیے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں، برخلاف اس کے امام شافعیؒ کو یہاں تک کد ہے کہ ترتیبِ فوج، تعیینِ شعار، تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں، اور حضرت عمرؓ کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل نہیں۔

خبر احاد کے قابلِ احتجاج ہونیکی بحث

اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبر احاد (یعنی وہ حدیث[1] جس کا راوی ایک سے زیادہ نہ ہو) کی حیثیتِ احتجاج کا تھا، بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ نہیں دیتے ہیں کہ اُن سے قرآنِ مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآنِ مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر احاد سے اس کی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اُس کے ذریعے سے قرآنِ مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک، خبر احاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر اذنِ ملاقات، اسقاطِ جنین، خریداری مکان عباس بن عبد المطلب، تیممِ جنابت، کے مسئلوں میں اُنھوں نے عمار بن یاسرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، اُبی بن کعبؓ، کی روایتوں کو اُس وقت تک قابلِ حجت نہیں قرار دیا جب تک اور تائیدی شہادتیں نہیں گزریں، چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بنا پر وہ خبر احاد سے، قرآن مجید کی تنسیخ یا تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے تھے، فاطمہ بنت قیسؓ نے جب زنِ مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق، اپنی روایت سے، آنحضرتؐ کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک وہ حکم، قرآن کی نص کے مخالف تھا۔ فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن کا حکم نہیں بدل سکتا۔

امام شافعیؒ اور اُن کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے بہت

---

[1] اصول حدیث میں جس حدیث کے راوی —— ایک سے زیادہ لیکن شہرت یا تواتر کی حد سے کم ہوں وہ بھی خبر احاد میں داخل ہے، لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے، حضرت عمرؓ کے زمانے تک اس کا وجود نہ تھا۔

marfat.com

سے واقعات میں اخبارِ احاد کو قبول کیا، لیکن امام صاحبؒ نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمرؓ کے اصول میں فرق نہیں۔ حضرت عمرؓ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبرِ احاد قابلِ احتجاج نہیں، نہ یہ کہ کوئی خبرِ احاد قابلِ احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے، چنانچہ روز مرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے، لیکن بعض اوقات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں جن کی نسبت ایک دو شخص کی شہادت کافی نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ انہوں نے الفاظِ روایت، یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو، غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے، اور اس وجہ سے کوئی عام قاعدہ نہیں قرار پاسکتا۔ حضرت عمرؓ نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبارِ احاد سے استدلال کیا لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔ اس طریقِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبارِ احاد میں خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اخبارِ احاد کے متعلق فقہا و محدثین میں سخت اختلاف آرا رہے اور بڑی بڑی طویل بحثیں پیدا ہوگئی ہیں۔ لیکن جہاں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ کے مذہب میں جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ لیکن اس موقعہ پر یہ تنبیہہ کر دینی ضرور ہے کہ اخبارِ احاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضرت عمرؓ کا جو اصول تھا اس کی بنا صرف تحقیقِ حق تھی اس زمانے کے آزاد خیالوں کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور جس کو چاہا غلط کہہ دیا۔

ے

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر　　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

قیاس

فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اس کا کافی ہونا، قیاس پر موقوف ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں، تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں، اس لئے ضرور ہے، کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاسِ شرعی سے کام لیا جاتے، اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد حنبلؒ، سب قیاس کے قائل

marfat.com

ہوئے ہیں اور اُن کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے، لیکن قیاس کی بنیاد اوّل جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروقؓ ہیں:

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبلؓ ہیں، اِن لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ نے معاذؓ کو یمن بھیجا تو اُن سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئیگا تو کیا کروگے، اُنھوں نے کہا کہ قرآنِ مجید سے جواب دوں گا، اور اگر قرآن و حدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوگی تو اجتہاد کروں گا[۱] لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا کہ ان کی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد۔ قیاس پر منحصر نہیں، ابن حزم و داود ظاہری وغیرہ بہرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ مسند دارمی میں بہ سند مذکور ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے، قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی، تو حدیث سے جواب دیتے، حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور اُن کے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اُس کے مطابق فیصلہ کرتے[۲]، اِس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک، مسائل کے جواب میں قرآنِ مجید۔ حدیث؛ اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔

حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو قضا کے متعلق جو تحریر بھیجی اُس میں قیاس کی صاف ہدایت کی چنانچہ اُس کے یہ الفاظ ہیں:۔

الفهمُ الفهمُ فيما تلجلجُ فِي صدرِكَ مما لم يبلغُكَ في الكتابِ والسُّنّةِ. وَاعرِفِ الأمثالَ وَالأشباهَ ثُمّ قِسِ الأمورَ عِندَ ذٰلِكَ[۳]	جو چیز تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تم کو اسکی نسبت شبہ ہو اس پر غور کرو اور خوب غور کرو، اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر اُن سے قیاس کرو۔

---

۱ یہ حدیث مسند دارمی مطبوعہ نظامی صفحہ ۳۴ میں مذکور ہے۔ ۲ مسند دارمی صفحہ ۳۲ ۳ یہ روایت دار قطنی میں مذکور ہے دیکھو ازالۃ الخفا صفحہ ۸۴۔

marfat.com

اصولِ فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تَعدِیۃ الحُکمِ مِنَ الاَصلِ اِلَی الفَرعِ لِعِلَّۃٍ مُتّحِدۃٍ۔ — اصل کے حکم کو فرع تک پہنچانا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو۔

مثلاً آنحضرتؐ نے گیہوں، جو، وغیرہ کا نام لے کر فرمایا کہ "ان کو برابر برابر دو برابر سے زیادہ لوگے تو سود ہو جائیگا" اس مسئلے میں، قیاس اس طرح جاری ہوگا کہ آنحضرتؐ نے گو چند خاص اشیاء کے نام لئے۔ لیکن یہ حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہوگا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر چونہ دے، اور اس سے اسی قسم کا چونہ سوا سیر لے یا سیر بھر ہی لے لیکن اس سے عمدہ قسم کا لے تو سود ہو جائے گا"

اصولیین کے نزدیک قیاس کے لئے مقدم دو شرطیں ہیں۔ (۱) جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے، وہ منصوص نہ ہو، یعنی اس کے بارے میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو۔

(۲) مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک ہو۔

حضرت عمرؓ کی تحریر میں۔ ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا مَا لَمْ یَبْلُغْکَ فِی الْکِتَابِ وَ السُّنَّۃِ اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے وَاعْرِفِ الْاَمْثَالَ وَالْاَشْبَاہَ ثُمَّ قِسِ الْاُمُوْرَ۔

ان مہمات اصول کے سوا، حضرت عمرؓ نے استنباط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قاعدے مقرر کئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں۔ لیکن ان کی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیے۔

یہ امر مسلم ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ وغیرہ مسائل فقہیہ میں نہایت مختلف الرائے ہیں، اس اختلاف رائے کی وجہ کہیں کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث صحیح ملی اور دوسرے کو نہیں، لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے، چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مختلف فیہ اصولوں

marfat.com

کو تبفصیل لکھا ہے۔ لیکن اُس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اِن آئمہ نے صراحۃً وہ اُصول بیان کئے تھے، امام شافعیؒ نے بے شبہ ایک رسالہ لکھا ہے جسمیں اپنے چند اُصول منضبط کئے ہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ و امام مالکؒ وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحۃً منقول نہیں، بلکہ

استنباط احکام کے اصول

اِن بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا استنباط خواہ مخواہ اِن اُصول کی بناء پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اِس آیت سے اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نہ کرنا چاہیئے۔ کسی نے اُن سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اُتری تھی۔ اُنہوں نے کہا کہ آیت کسی بارے میں اُتری ہو لیکن حکم عام ہے" اِس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اِس اُصول کے قائل تھے۔ العِبْرَۃُ لِعُمُوْمِ اللفظ لا لخصوص السَّبَبِ یعنی سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصولِ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے جو اُصول مذکور ہیں، وہ اِسی قسم کی صورتوں سے مستنبط کئے گئے ہیں، ورنہ اِن بزرگوں سے صراحۃً یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمرؓ کی نسبت ہمارا یہ دعوےٰ ہے کہ اُنہوں نے استنباط مسائل کے اُصول قائم کئے، اِسی بناء پر ہے، اکثر مسائل جو اُنہوں نے طے کئے صحابہؓ کے مجمع میں بحث و مناظرہ کے بعد طے کئے۔ اِن موقعوں پر اُنہوں نے جو تقریریں کیں، ان کے استقصاء سے بہت سے اُصول قائم کئے ہیں۔ اکثر مسائل میں متناقض روایتیں یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے اِس لئے اُن کو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ دونوں میں سے کسکو ترجیح دی جائے۔ کسکو ناسخ ٹھہرایا جائے کس کو منسوخ، کس کو عام ٹھہرایا جائے۔ کس کو خاص، کس کو موقت مانا جائے کس کو مؤبّد، اس طرح نسخ، تخصیص، تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اُصول قائم ہو گئے، عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی اُن کی تقریر سے اکثر کسی اُصول کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے اُن سے آکر کہا کہ "میرے غلام کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیجئے کیونکہ اُس نے میری

marfat.com

بی بی کا آئینہ چُرایا جس کی قیمت ۶۰ درہم تھی،، فرمایا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری ہی چیز چرائی اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ اِس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لئے یہ ضرور ہے کہ سارق کو مالِ مسروقہ میں کسی طرح کا حق نہ ہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چُرا لیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کو بھی اِسی بنا پر چھوڑ دیا کہ بیت المال میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے۔ ایک دفعہ، سفر میں ایک تالاب کے قریب اُترے، عمرو بن العاصؓ بھی ساتھ تھے، اُنہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں درندے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو روک دیا کہ نہ بتانا۔[۲] اِس سے دو اصول ثابت ہوتے ایک یہ کہ اصل اشیاء اباحت ہے، دوسرے یہ کہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو تفحص اور جستجو پر ہم مکلف نہیں ہیں۔ ایک دفعہ، رمضان میں، بدلی کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانے کا دھوکا ہوا، حضرت عمرؓ نے روزہ کھول لیا، تھوڑی دیر کے بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متردد ہوئے، حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔ الخطبُ یَسیرٌ وَقد اجتہدنا۔[۳] یعنی معاملہ چنداں اہم نہیں، ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے۔"

ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ کوئی شخص چاہے تو اُن سے اصولِ فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے مسائل فقہ کی تعداد

حضرت عمرؓ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے ان میں اکثر ایسے ہیں جن میں اور صحابہؓ نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا، اور ائمہ مجتہدین نے ان کی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں، لیکن بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں دیگر صحابہ نے اُن سے اختلاف کیا۔ ان میں سے بعض مسائل میں جن صحابہؓ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہیں۔ مثلاً۔ تیمم جنابت۔ منع تمتع حج۔ طلقات ثلث، وغیرہ میں حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے، دیگر صحابہؓ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے،

[۱] موطا امام مالک [۲] موطا امام محمد صفحہ ۶۶ [۳] موطا امام محمد صفحہ ۱۸۴۔

marfat.com

لیکن اکثر مسائل میں، اور خصوصاً، اُن مسائل میں جو معرکۃ الآراء رہے ہیں اور جن کو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے، عموماً حضرت عمرؓ کا اجتہاد نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظری پر مبنی ہے اور انہی مسائل سے حضرت عمرؓ کے کمال اور اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

اُن میں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں:

ایک بڑا معرکۃ الآراء مسئلہ خمس کا ہے، قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْئٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔

جو کچھ تم کو جہاد کی لوٹ میں ہاتھ آئے، اس کا پانچواں حصہ۔ خدا کے لئے ہے، اور پیغمبر کے لئے، اور رشتہ داروں کے لئے، اور یتیموں کے لئے، اور غریبوں کے لیے اور مسافرین کے لئے۔

خمس کا مسئلہ

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہؐ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو صحابہ میں "دریائے علم" کہلاتے تھے، نہایت زور کے ساتھ اِس آیت سے خمس پر استدلال کرتے تھے، حضرت علیؓ نے اگرچہ مصلحۃً بنو ہاشم کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ لیکن رائے اُن کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حق دار ہیں، [1]

یہ صرف حضرت علیؓ و عبداللہ بن عباسؓ کی رائے نہ تھی، بلکہ تمام اہل بیت کا اِس مسئلہ پر اتفاق تھا، ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ اسی مسلک کے قائل تھے اور اپنی کتابوں میں بڑے زور شور کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ قرابت دارانِ پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ انہوں نے اہل بیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۱ روایت محمد بن اسحاق۔

marfat.com

سے امام ابو حنیفہ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے، اُن کی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرتؐ کے بعد، آنحضرتؐ کا حصّہ جاتا رہا۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے قرابت داروں کا حصّہ بھی جاتا رہا۔ اب ہم کو غور سے دیکھنا چاہیئے کہ قرآنِ مجید سے کیا حکم نکلتا ہے، اور رسول اللہؐ کا طریق عمل کیا تھا۔

قرآنِ مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہے، کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ، خمس کے مصرف ہیں، لیکن اُس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے، قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہیں وہاں بھی، بعینہٖ اسی قسم کے الفاظ ہیں اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ فِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِس میں زکوٰۃ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیئے ہیں، فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے، مولفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مسافر، ان میں سے جس کو زکوٰۃ دی جائے ادا ہو جائے گی یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھوں گروہ پیدا کئے جائیں۔ آٹھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائے گا کہ کون فرقہ اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے، کون کم، اور کون بالکل نہیں۔ اور اسی اعتبار سے کسی کو زیادہ دیا جائے گا کسی کو کم۔ اور کسی کو بالکل نہیں یہ التزام مالایلزم صرف امام شافعیؒ نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصّے کئے جائیں اور آٹھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت بے کم و بیش تقسیم کیا جائے، اسی طرح خمس کے مصارف جو خدا نے بتائے، اُس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس، ان لوگوں کے سوا، اور کسی کو نہ دیا جائے، یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اُس کے پانچ برابر حصّے کئے جائیں اور پانچوں فرقے کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہؐ کا طریق عمل کیا تھا؟ احادیث و روایات کے استقرار سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے:-

(۱) ذوی القربیٰ میں سے صرف آپؐ بنو ہاشم و بنو المطلب کو حصّہ دیتے تھے، بنو نوفل و بنو عبد شمس، حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے، لیکن آپؐ نے اُن کو باوجود طلب کرنے

marfat.com

کے بھی کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ اِس واقعہ کو علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں کتبِ حدیث سے بتفصیل نقل کیا ہے۔ ؎ا

(۲) بنو ہاشم و بنو المطلب کو جو حصّہ دیتے تھے وہ سب کو مساویانہ نہیں دیتے تھے علامہ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

وَلٰكِنْ لَمْ يَكُنْ يُقَسِّمُهُ بَيْنَهُمْ عَلَى السَّوَآءِ بَيْنَ اَغْنِيَآئِهِمْ وَفُقَرَائِهِمْ وَلَا كَانَ يُقَسِّمُهُ قِسْمَةَ الْمِيْرَاثِ ... بَلْ كَانَ يَصْرِفُهُ فِيْهِمْ بِحَسَبِ الْمَصْلَحَةِ وَالْحَاجَةِ فَيُزَوِّجُ مِنْهُمْ اَعْزَبَهُمْ وَيَقْضِيْ مِنْهُ عَنْ غَارِمِهِمْ وَيُعْطِيْ مِنْهُ فَقِيْرَهُمْ كِفَايَتَهٗ۔ ؎۲

لیکن دولتمندوں اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے تھے۔ نہ میراث کے قاعدے سے تقسیم کرتے تھے، بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق۔ عطا فرماتے تھے یعنی کنواروں کی شادی کرتے تھے، مقروضوں کا قرض ادا فرماتے تھے۔ غریبوں کو بقدر حاجت دیتے تھے۔

اِن واقعات سے اوّلاً تو یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربیٰ کے لفظ میں تعمیم نہیں ہے، ورنہ بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو بھی آنحضرتؐ، حصّہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرتؐ کے قرابت دار تھے۔ دوسرے یہ کہ، بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کی تمام افراد کو، مساوی طور سے حصّہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے جہاں تک صحیح روایتوں سے ثابت ہے، بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا لیکن وہ دو باتوں میں، اُن سے مخالف تھے۔ ایک یہ کہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ خمس کا پورا پانچواں حصّہ ذوی القربیٰ کا حق ہے، دوسرے یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا، خلیفۂ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اِس کے عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ کا یہ دعوےٰ تھا کہ پانچواں حصّہ پورے کا پورا خاص ذوی القربیٰ کا حق

؎ا زاد المعاد جلد دوم صفحہ ۱۶۱ ؎۲ زاد المعاد جلد ثانی صفحہ ۱۶۲

marfat.com

ہے اور کسی کو اسمیں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ قاضی ابو یوسف صاحبؒ نے کتاب الخراج میں اور نسائیؒ نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

عَرَضَ عَلَيْنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِؓ اَنْ نُزَوِّجَ مِنَ الْخُمُسِ اَيِّمَنَا وَنَقْضِيَ مِنْهُ عَنْ مُغْرَمِنَا فَاَبَيْنَا اِلَّا اَنْ يُسَلِّمَهُ لَنَا وَاَبٰى ذٰلِكَ عَلَيْنَا [1]

عمر بن الخطابؓ نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگ خمس کے مال سے اپنے بیواؤں کے نکاح، اور مقروضوں کے ادائے قرض کے مصارف لے لیا کریں لیکن ہم بجز اس کے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ سب ہمارے ہاتھ میں دیدیا جائے۔ عمرؓ نے

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں۔ صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے ذوی القربیٰ کا حق مطلقاً ساقط کر دیا تھا لیکن کلبی نہایت ضعیف الروایہ ہے، اس لئے اس کی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے فحویٰ اور آنحضرتؐ کے طریق عمل، کو منطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن و حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعیؒ وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ آنحضرتؐ ہمیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے، قرآن مجید سے یہ تعیین و تحدید بالکل ثابت نہیں ہو سکتی۔ باقی ذوی القربیٰ کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمرؓ کو ہرگز انکار نہ تھا۔

اب اُصولِ عقلی کے لحاظ سے اس مسئلے کو دیکھو، یعنی خُمس ہیں سے آنحضرتؐ، اور آنحضرتؐ کے قرابت داروں کا حصّہ قرار پانا کس اُصول کی بنا پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ تبلیغ احکام اور مہماتِ رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے، معاش کی تدابیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے، اس لئے ضرور تھا کہ مُلک کی آمدنی میں سے کوئی حصّہ آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے، اس وقت، مالِ غنیمت، فے انفال یہی آمدنیاں تھیں چنانچہ اس سب میں سے خُدا نے آپکا حصّہ مقرر کیا تھا جس کا ذکر قرآنِ مجید کی مختلف آیتوں میں ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۱

marfat.com

کے ذاتی مصارف کے لئے خالصہ مقرر کردیا جاتا ہے۔ ذوی القربیٰ کا حق اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ اُن لوگوں ابتدائے اسلام میں آنحضرتؐ کا ساتھ دیا تھا چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام بنو ہاشم نے جنمیں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اسوقت تک اسلام نہیں لائے تھے، آنحضرتؐ کا ساتھ دیا اور جب آنحضرت مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزیں ہوئے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اِس بناپر، آنحضرتؐ اور ذوی القربیٰ کے لئے جو کچھ مقرر تھا، وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت آپ کے قرابت داروں کے لئے، پانچواں حصّہ مقرر کردیا گیا ہے۔ اور گو اُن کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو، اور گو وہ کتنے ہی دولتمند اور غنی ہوجائیں تاہم اُن کو یہ رقم ہمیشہ ملتی رہے گی، ایسا قاعدہ ہے جو اصولِ تمدن کے بالکل خلاف ہے، کون شخص یقین کرسکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت، یہ قاعدہ بنائیگا کہ اُس کی تمام اولاد کے لئے قیامت تک ایک معیّن رقم ملتی رہے، اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اس میں اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہوگا۔ حضرت علی و عبداللہ بن عباسؓ جو خمس کے مدعی تھے اُن کا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کیلئے ہے، بلکہ جو لوگ آنحضرتؐ کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے، اُنہی کی نسبت ان کو ایسا دعوےٰ ہوگا۔

فئے کا مسئلہ

ایک اور مہتم بالشان مسئلہ فئے کا ہے، یعنی وہ زمین یا جائداد جس کو مسلمان نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اِس قدر معرکۃ الآرا ہے کہ صحابہؓ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی، اِسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

بڑا خلط مبحث اس میں اسوجہ سے ہوا کہ فئے کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی نفل، غنیمت، سلب۔ ان میں لوگ تفرقہ نہ کرسکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔

marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، تمام لڑنے والوں کو برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ سردار قبیلہ کو البتہ سب سے زیادہ یعنی چوتھ ملتا تھا۔ آنحضرتؐ مبعوث ہوتے تو ابتدا میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں، یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا، چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا ہے، غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہؐ کے عہد میں بھی قائم رہا اس لئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مالِ غنیمت، غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اُس کے پانے کا ہر حالت میں دعوے کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ ایک دفعہ اس پر جھگڑا اُٹھا۔ جنگِ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دُور تک چلے گئے، کچھ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر رہے۔ تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آئے ہیں، اُن لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہؐ کے محافظ تھے، اس لئے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی[1]

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ. قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ ۔	تجھ سے لوگ، مالِ غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔

اس آیت نے اس اُصول کو مٹا دیا کہ تمام مالِ غنیمت لڑنے والوں کا خاص حق ہے اور افسر کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں، لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف نہیں بیان گئے تھے، پھر یہ آیت اُتری:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۔	جان لو کہ کوئی چیز جو غنیمت میں ہاتھ آئے تو اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے ہے، اور پیغمبر کے لئے، اور رشتہ داروں کے لئے، اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے۔

---

[1] زاد المعاد ابن القیم جلد ثانی صفحہ ۱۵۸۔ کتب حدیث میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔

اِس آیت سے یہ قاعدہ قائم ہوا کہ مالِ غنیمت کے پانچ حصّے کئے جائیں۔ چار حصّے، مجاہدین کو تقسیم کئے جائیں اور پانچویں حصّے کے پھر پانچ حصّے ہو کر، آنحضرت اور ذوی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں۔ لیکن یہ تمام احکام، نقد و اسباب سے متعلق تھے، زمین اور جائداد کے لئے کوئی قاعدہ نہیں قرار پاتا تھا۔ غزوہ بنی نضیر میں جو ۵ھ میں واقع ہوا۔ سورہ حشر کی یہ آیت اُتری۔

فدک کا مسئلہ

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا

یعنی جو زمین یا جائداد، ہاتھ آئے، وہ خدا اور پیغمبر اور یتیموں، اور مسکینوں اور مسافروں اور فقراء مہاجرین، اور اُن سب لوگوں کی ہے جو آئندہ دُنیا میں آئیں۔

اِس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کی جائے گی، بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہیگی۔ اور اس کے منافع سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان متمتع ہوں گے، یہ ہے حقیقت نفل اور غنیمت اور فےؔ کی۔

ان احکام میں لوگوں کو چند مغالطے پیش آئے۔ سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور فے کو ایک سمجھا، ائمۂ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے اور اُن کے مذہب کے موافق، زمین مفتوحہ، اُسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہیئے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اِسی بنا پر حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ممالکِ مفتوحہ ان کو تقسیم کر دیئے جائیں چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زبیر بن العوامؓ، بلال بن رباحؓ نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے نہ مانا۔ اِس پر (جیسا کہ ہم صیغۂ محاصل میں لکھ آئے ہیں) بہت بڑا مجمع ہوا، اور کئی دن تک بحثیں رہیں۔ آخر حضرت عمرؓ نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ پڑھ کر فرمایا کہ:۔

فَكَانَتْ هٰذِهٖ عَامَّةً لِمَنْ جَاءَ

تو یہ تمام آئندہ آنیوالوں کے لئے ہے۔ اور

مِنْ بَعْدِ هِمْ فَقَدْ صَارَ هٰذَا الْفَیْ بَیْنَ ھٰؤُلَاءِ جَمِیْعًا فَکَیْفَ نَقْسِمُهٗ لِھٰؤُلَاءِ وَنَدَعُ مَنْ تَخَلَّفَ بَعْدَھُمْ[1]

اور اس بناپر یہ مالک، تمام لوگوں کا حق ٹھہرے پھر یہ کہنا ہوسکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو تقسیم کردوں اور ان لوگوں کو محروم کردوں جو آئندہ پیدا ہوں گے۔"

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیالوں کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کردیا تھا لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی تو فتح ہوئے یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہوچکا تھا۔ لیکن آنحضرتؐ نے کہیں چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی؟

فدک کا مسئلہ

اسی سلسلے میں، باغِ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکۃ الآراء رہا ہے ایک فرقہ کا خیال ہے کہ یہ باغ، خاص آنحضرتؐ کی جائداد تھی کیونکہ اُس پر چڑھائی نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہاں کے لوگوں نے خود آنحضرتؐ کو سپرد کردیا تھا اور اس وجہ سے وُہ اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔

وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْھُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تو تم لوگ اُس پر اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے، لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا ہے مسلط کردیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے

اور جب وہ آنحضرتؐ کی مملوکہ خاص ٹھہری تو اُس میں وراثت کا عام قاعدہ، جو قرآنِ مجید میں مذکور ہے جاری ہوگا، اور آنحضرتؐ کے ورثہ اس کے مستحق ہوں گے، لیکن حضرت عمرؓ نے، باوجود حضرت علیؓ کے طلب و تقاضا کے آل نبی کو اِس سے محروم رکھا۔"

یہ بحث اگرچہ، طرفین کی، طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۵۔ اس معرکہ کا پورا حال کتاب الخراج کے صفحہ ۱۴، ۱۵ میں مذکور ہے ۱۲

marfat.com

یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی، اور اب جبکہ سیاستِ مُدن کے اُصول، زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں، یہ مسئلہ اس قابل بھی نہیں رہا کہ بحث کے دائرہ میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی، یا امام، یا بادشاہ۔ کے قبضہ میں جو مال یا جائداد ہوتی ہے، اسکی دو قسمیں ہیں ایک مملوکہ خاص جس کے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا مثلاً حضرت داؤدؑ، زرہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے یا عالمگیرؒ۔ قرآن لکھ کر بسر کرتا تھا۔ یہ آمدنی ان کی ذاتی آمدنی تھی اور اُس پر ہر طرح کا اُن کو اختیار تھا دوسری مملوکہ حکومت، مثلاً حضرت داؤدؑ کے مقبوضہ ممالک۔ جو حضرت سلیمانؑ کے قبضے میں آتے۔

اِس دوسری قسم میں وراثت نہیں جاری ہوتی بلکہ جو شخص پیغمبری، یا امامت یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اس کا مالک یا متولی ہوتا ہے، یہ مسئلہ آج کل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے، مثلاً سلطان عبدالحمید خان کے بعد، اُن کے ممالکِ مقبوضہ، یا اُن کی جاگیر خالصہ۔ اُن کے بیٹے، بھائی، ماں، بہن، وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی۔ بلکہ جو تخت نشین ہوگا اُس پر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں۔ یہ قاعدہ ہمیشہ مُسلّم رہا۔ مثلاً جو لوگ باغ فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشرہ کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اُس میں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری کرتے۔ مثلاً حضرت علیؓ اپنے زمانے میں اُس کے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ اُن کی وفات کے بعد۔ وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسینؓ، وعباسؓ۔ ومحمد بن حنفیہؓ وزینبؓ وغیرہ کو جو حضرت علیؓ کے وارث تھے اِس کا کچھ حصّہ۔ سِہام کے بڑتہ سے ملتا، بلکہ صرف حضرت امام حسن علیہ السلام کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علیؓ کے جانشین تھے۔

غرض یہ عام اور مُسَلَّم قاعدہ ہے کہ جو جائداد۔ نبوت یا امامت یا بادشاہت

marfat.com

کے منصب سے حاصل ہوتی ہے وہ مملوکۂ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ باغِ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا، اس کی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرتؐ جب خیبر کی فتح سے پھرے، تو محیصہ بن مسعود الانصاریؓ کو، فدک والوں کے پاس تبلیغِ اسلام کے لئے بھیجا، فدک، یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور ان کا سردار یوشع بن نون نام ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے صُلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں آدھی زمین دینی منظور کی[1] اُسوقت سے یہ باغ، اسلام کے قبضے میں آیا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائداد، آنحضرتؐ کی مملوکۂ خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ فدک کی ملکیتِ خاص کا دعوے اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعہ سے فتح نہیں ہوا بلکہ اس آیت کا مصداق ہے۔ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ لیکن کیا جو ممالک، صُلح کے ذریعہ سے قبضہ میں آتے ہیں وہ امام یا بادشاہ کی ملکیتِ خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی، کیا اُن کو کسی نے آنحضرتؐ کی ملکِ خاص سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے، کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اِس قسم کا کبھی خیال نہیں کیا، تو فدک میں کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی؟ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اور مفتوحہ زمینیں علانیہ وقفِ عام رہیں، لیکن فدک کو آنحضرتؐ نے اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اِس سے اِس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرتؐ کی جائداد خاص ہے۔ اِس خیال کی تائید زیادہ اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی اور اِس لئے اس پر اور لوگوں کو کسی قسم کا حق نہیں حاصل تھا۔ لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں، فدک کو بے شبہ آنحضرتؐ نے اپنے ذاتی مصارف کے لئے خاص کر لیا تھا، لیکن کیونکر؟ اُس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری۔ ذکر فدک۔

marfat.com

فَكَانَ نِصْفُ فَدَكَ خَالِصًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَانَ يَصْرِفُ مَا يَاتِيهِ مِنْهَا اِلٰى اِبْنِ السَّبِيْلِ [1]

یعنی آدھا فدک، خاص رسول اللہ کا تھا۔ آنحضرت اُس میں سے مسافروں پر صرف کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

اِنَّ فَدَكَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صلعم فَكَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَيَاكُلُ وَيَعُوْدُ عَلٰى فُقَرَاءِ بَنِي هَاشِمٍ وَيُزَوِّجُ اَيِّمَهُمْ [2]

یعنی فدک آنحضرتؐ کا تھا۔ آپ اس میں سے خرچ کرتے تھے۔ اور فقرائے بنی ہاشم کو دیتے تھے، اور اُن کی بیواؤں کی شادی کرتے تھے۔

بخاری وغیرہ میں بہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرتؐ سال بھر اپنا خرچ اُس میں سے لیتے تھے۔ باقی عام مسلمین کے مصالح میں دیدیتے تھے۔

اِن روایتوں سے ظاہر ہے کہ فدک کا مملوکۂ نبوت ہونا ایسا ہی تھا جیسا سلاطین کے لئے کوئی جائداد خالصہ کر دی جاتی ہے۔ اِس بنا پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اُس سے زائل نہیں ہوئی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی ان اُصول سے واقف تھے؟ اور اسی بنا پر اُنہوں نے فدک میں وراثت نہیں جاری کی یا یہ کہ یہ نکات بعد الوقوع ہیں؟

عراق اور شام کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اِس آیت سے مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ الخ استدلال کر کے صاف کہہ دیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں بلکہ وقفِ عام ہیں، چنانچہ فے کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے، البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اِس آیت سے پہلے جو آیت ہے اُس سے فدک وغیرہ کا آنحضرتؐ کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے، اور خود حضرت عمرؓ اسکے یہی معنی قرار دیتے تھے،

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۹ [2] فتوح البلدان ص ۳۱

marfat.com

آیت یہ ہے :-

وَمَآ اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ۔

"اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہود بنی نضیر اسے) خدا نے اپنے پیغمبر کو دلوایا تو تم لوگ اس پر چڑھ کر نہیں گئے تھے، بلکہ خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔"

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ فَکَانَتْ خَالِصَۃً لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اور یہ واقعہ صحیح بخاری۔ باب الخمس، اور باب المغازی، اور باب المیراث میں تفصیل موجود ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ اس آیت کی بنا پر فَدَک وغیرہ کو آنحضرتؐ کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اسی قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا، جس طرح سلاطین کے مصارف کے لئے کوئی زمین خاص کر دی جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ نہیں جاری ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے تنہا وہی اس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے۔ جب آیت مذکورۂ بالا کی بنا پر فدک کو آنحضرتؐ کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرماتے جیسا کہ صحیح بخاری باب الخمس و باب المغازی میں مذکور ہے۔

فَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یُنْفِقُ عَلٰی اَھْلِہٖ نَفَقَۃَ سَنَتِھِمْ مِنْ ھٰذَا الْمَالِ ثُمَّ یاخذ مابقی فیجعلہ مَجْعَلَ مَالِ اللّٰہِ فعمل رَسُوْلُ اللّٰہِ بِذٰلِکَ حَیَاتَہٗ۔ ثم توفی اللّٰہ نبیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال ابوبکر انا ولی رَسُوْلِ اللّٰہِ فقبضھا ابوبکرٍ

آنحضرتؐ۔ اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے، باقی کو خدا کے مال کے طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر اسی پر عمل کیا۔ پھر وفات پائی تو ابوبکرؓ نے کہا کہ میں ان کا جانشین ہوں پس اُس پر قبضہ کیا اور اسی طرح کارروائی کی جس طرح رسول اللہؐ کرتے

marfat.com

فَعَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللهِ ۔۔ ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ اَبَا بَكْرٍ فَكُنْتُ اَنَا وَلِيَّ اَبِي بَكْرٍ فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ مِنْ اِمَارَتِي اَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِمَا عَمِلَ فِيهَا اَبُوبَكْرٍ

تھے انہوں نے وفات پائی تو میں ابوبکر کا جانشین ہوا، پس میں نے اُس پر دو برس قبضہ رکھا اور وہی کارروائی کی جو رسول اللہ صلعم کرتے تھے۔

اِس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ باوجود اس کے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے، تاہم آنحضرتؐ کی ذاتی جائداد نہیں سمجھتے تھے (جس میں وراثت جاری ہو) اور اور اس وجہ سے اُس کے قبضہ کا مستحق صرف اُسکو قرار دیتے تھے جو رسولؐ اللہ کا جانشین ہو، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اور خود اپنے قبضہ کی وجہ یہی بتائی۔

حضرت عمرؓ نے یہ تقریر اُسوقت فرمائی تھی جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ ان کے پاس فدک کے دعویدار ہو کر آئے تھے اور انہوں نے کہدیا تھا کہ اسمیں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری ہوسکتا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک۔ فدک وغیرہ آنحضرتؐ کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے چنانچہ عراق کی فتح کے وقت، حضرت عمرؓ نے اُسی آیت کو جس سے آنحضرتؐ کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھ کر یہ الفاظ کہے فَهٰذِهِ عَامَّةٌ فِي الْقُرٰى كُلِّهَا یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا دو حیثیں ہونا ہی تمام غلط فہمی کا منشاء تھا۔ چنانچہ حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں[1]

فهو ملك يخالف حكمه غيره من المالكين ۔۔ وَهٰذَا النَّوْعُ مِنَ الْاَمْوَالِ

[1] زاد المعاد صہ ۱۶۳ جلد دوم

marfat.com

هُوَ الْقِسْمُ الَّذِیْ وَقَعَ بَعْدَہٗ فِیْہِ مِنَ النِّزَاعِ مَا وَقَعَ اِلَی الْیَوْمِ ... وَلَوْلَا اِشْکَالُ اَمْرِہٖ عَلَیْھِمْ لَمَا طَلَبَتْ فَاطِمَۃُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللہِ صلعم مِیْرَاثَھَا مِنْ تَرِکَتِہٖ وَظَنَّتْ اَنَّہٗ یُوْرَثُ عَنْہُ مَا کَانَ مِلْکًا لَہٗ کَسَائِرِ الْمَالِکِیْنَ وَخَفِیَ عَلَیْھَا رضی اللہ عنہا حَقِیْقَۃُ الْمِلْکِ الَّذِیْ لَیْسَ مِمَّا یُوْرَثُ عَنْہُ۔

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ اُن مسائل کو جو ابتداء سے آج تک معرکہ آراء رہے ہیں اور جن میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہُوا، حضرت عمرؓ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف تو قرآن و حدیث کا صحیح محمل وہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اُصولِ سلطنت و نظامِ تمدّن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔"

ذاتی حالات

اور

اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا، لیکن اسلام سے پہلے بھی اہلِ عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تمغائے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم، ہر زمانہ، میں ناز کر سکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش، تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے۔ ان اوصاف میں فصاحت

وبلاغت، قوتِ تقریر، شاعری، نسابی، سپہگری، بہادری، آزادی، مقدم چیزیں تھیں، اور ریاست وافسری میں انہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو قدرت نے ان سب میں کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خداداد تھا اور عکاظ کے معرکوں نے اسکو اور زیادہ جلا دے دی تھی۔ یہی قابلیت تھی جس کی وجہ سے قریش نے ان کو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے۔ اُن کے معمولی جملوں میں آرٹیری کا اثر اور برمحل فقرے جو اُن کے منہ سے نکل جاتے تھے ان میں بلاغت کی رُوح پائی جاتی تھی۔ عمر بن معدیکربؓ کو جب پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن وتوش کے آدمی تھے اس لئے متحیر ہو کر کہا "اللہ! اس کا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے" مطلب یہ کہ ہمارے جسم میں اور اس میں اس قدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

وبا کے واقعہ میں ابو عبیدہؓ نے جب اُن پر اعتراض کیا کہ آپ قضائے الٰہی سے بھاگتے ہیں تو کس قدر بلیغ لفظوں میں جواب دیا کہ "ہاں قضائے الٰہی سے طرف بھاگتا ہوں"

قوتِ تقریر مختلف وقتوں میں جو خطبے اُنہوں نے دیئے وہ آج بھی موجود ہیں ان سے اُن کے زورِ تقریر و برجستگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ

خطبے جو خطبہ دیا، اُس کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ غَلِیْظٌ فَلَیِّنِّیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ	اے خدا! میں سخت ہوں مجھ کو نرم کر، میں کمزور ہوں
ضَعِیْفٌ فَقَوِّنِیْ اَلَا دَاِنَّ الْعَرَبَ	مجھ کو قوت دے (قوم سے خطاب کر کے) ہاں عرب والے
جَمَلٌ اٰنِفٌ وَقَدْ اُعْطِیْتُ خِطَامَہٗ	سرکش اونٹ ہیں جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے،
اَلَا دَاِنِّیْ حَامِلُہٗ عَلَی الْمَحَجَّۃِ۔	لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا۔"

خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب اُنہوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے

marfat.com

لئے لوگوں کو جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چراتے تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالدؓ وہاں سے بلالئے گئے تھے، اس موقع پر حضرت عمرؓ کے زورِ تقریر کا اثر تھا کہ مثنیٰ شیبانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا، اور پھر تمام مجمع میں آگ سی لگ گئی، دمشق کے سفر میں جابیہ میں ہر قوم اور ہر ملت کے آدمی جمع تھے، عیسائیوں کا لارڈ بشپ تک شریک تھا، اُس کے ساتھ، مختلف مذہب، اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا تھا، مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی، غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے، فوج کے سامنے، خالدؓ کی معزولی کا عذر کرنا تھا، اِن تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک اُن کی تقریر کے جستہ جستہ فقرے لوگوں کی زبانوں پر رہے، فقہاء نے اُس سے فقہی مسائل استنباط کئے۔ اہل ادب نے قواعدِ فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں، تصوّف و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام لیا۔

۲۳ھ میں جب حج کیا اور یہ اُن کا اخیر حج تھا، تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا۔ کہ عمرؓ مرجائیں گے تو میں طلحہؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا، حضرت عمرؓ مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا، اِس واقعہ کی خبر ہوئی تو برافروختہ ہوکر فرمایا کہ آج رات کو میں اِس مضمون پر خطبہ دوں گا۔ عبدالرحمن بن عوفؓ نے عرض کی کہ امیرالمومنین، حج کے مجمع میں ہر قسم کے برے بھلے آدمی جمع ہوتے ہیں، اگر آپ نے یہاں تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پیرایہ نہ سمجھیں گے اور نہ ادا کرسکیں گے، مدینہ چل کر خواص کے مجمع میں تقریر کیجئے، وہ لوگ بات کا ہر پہلو سمجھ سکتے ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ رائے تسلیم کی، آخر ذی الحجہ میں مدینہ آئے۔ جمعہ کے دن۔ لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے آکر جمع ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ زیادہ مشتاق تھے،

marfat.com

اِس لئے ممبر کے قریب جا کر بیٹھے اور سعید بن زیدؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "آج عمرؓ ایسی تقریر کریں گے کہ کبھی نہیں کی تھی۔ سعیدؓ نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو اُنہوں نے پہلے نہیں کی؟ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا، یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ، صحیح بخاری[1] میں مذکور ہے، اِس میں سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ، انصار کے خیالات، حضرت ابوبکرؓ کے جواب، بیعت کی کیفیت، خلافت کی حقیقت، کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر ناممکن تھا۔ اِس تقریر کو پڑھ کر بالکل ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ اسوقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہیئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا،

جن مجمعوں میں غیر قومیں بھی شریک ہوتی تھیں۔ اُن میں اُن کے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا، چنانچہ دمشق میں بمقام جابیہ جو خُطبہ دیا۔ مترجم۔ ساتھ کے ساتھ اُس کا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا[2]

اگرچہ اکثر برمحل اور برجستہ خطبہ دیتے تھے۔ لیکن معرکے کے جو خُطبے ہوتے تھے اُن میں تیار ہو کر جاتے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خُود اُن کا بیان ہے کہ "میں خوب تیار ہو کر گیا تھا"

حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوتے، اور خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھے تو دفعۃً رُک گئے اور زبان نے یاری نہ دی، اُسوقت یہ عُذر کیا کہ "ابوبکرؓ و عمرؓ خطبہ کے لئے تیار ہو کر آتے تھے اور آئندہ سے میں بھی ایسا کروں گا۔"

نکاح کا خطبہ اچھا نہیں دے سکتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دے سکتے تھے لیکن ان کا خود بیان ہے کہ "نکاح کا خُطبہ مجھ سے بن نہیں آتا۔" عبداللہ بن المقفع جو دولتِ عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا اس سے لوگوں نے حضرت عمرؓ کی اِس معذوری کی وجہ پوچھی، اُس نے

---

[1] صحیح بخاری جلد دوم مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ صہ ۱۰۰۹ [2] ازالۃ الخفا صہ ۱۳۵ حصہ دوم

marfat.com

کہا[1] "نکاح کے خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے، خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے عام خطبوں میں خطیب جب ممبر پر چڑھتا ہے تو تمام آدمی اُس کو۔ محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اسوجہ سے خود بخود اُس کی تقریر میں بلندی اور زور آجاتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک اس کی یہ وجہ ہے کہ نکاح کے خُطبہ میں موضوعِ سخن تنگ، اور محدود، ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔"

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پند و موعظت، فخر و ادّعا، قدرتی واقعات کا بیان، رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ ملکی پُرپیچ معاملات، خُطبے میں نہیں ادا ہو سکتے تھے، حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جس نے پولیٹکل خطبے دیئے۔ اِس کے ساتھ وہ خطبوں میں اِس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اُس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

پولیٹکل خطبے

خطبہ کے لئے ملکۂ تقریر کے علاوہ، اور عارضی باتیں جو درکار ہیں، حضرت عمرؓ میں سب موجود تھیں، آواز بلند اور پُر رعب تھی، قد اِتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ممبر پر کھڑے ہیں۔ اِس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اُن کے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں۔ ایک موقع پر عُمّال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اُس کے یہ الفاظ ہیں:۔

خطبے کے لئے جو باتیں درکار ہیں

اِنِّیْ لَا اَجِدُ هٰذَا الْمَالَ یُصْلِحُهُ اِلَّا خِلَالٌ ثَلٰثٌ۔ اَنْ یُّؤْخَذَ بِالْحَقِّ وَیُعْطٰی بِالْحَقِّ وَیُمْنَعَ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَسْتُ اَدَعُ اَحَدًا یَظْلِمُ اَحَدًا حَتّٰی اَضَعَ خَدَّهٗ عَلَی الْاَرْضِ وَاَضَعَ قَدَمِیْ عَلَی الْخَدِّ الْاٰخَرِ حَتّٰی یُذْعِنَ لِلْحَقِّ۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ عَظَّمَ حَقَّهٗ فَوْقَ حَقِّ خَلْقِهٖ فَقَالَ فِیْمَا عَظَّمَ مِنْ حَقِّهٖ وَلَا یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَةَ

[1] کتاب البیان والتبیین للجاحظ مطبوعہ مصر صہ ۵۰۔

marfat.com

اَرْبَاباً۔ اَلَا وَاِنِّی لَمْ اَبْعَثْکُمْ اُمَرَاءَ وَلَا جَبَّارِیْنَ وَلٰکِنْ بَعَثْتُکُمْ اَئِمَّۃَ الْھُدٰی یُھْتَدٰی بِکُمْ وَلَا تُغْلِقُوا الْاَبْوَابَ دُوْنَھُمْ فَیَاکُلَ قَوِیُّھُمْ ضَعِیْفَھُمْ۔

ایک اور خطبے کے چند جملے یہ ہیں :۔

فَاَنْتُمْ مُسْتَخْلِفُوْنَ فِی الْاَرْضِ قَاھِرُوْنَ لِاَھْلِھَا۔ قَدْ نَصَرَ اللّٰہُ دِیْنَکُم فَلَا تُصْبِحُ اُمَّۃٌ مُخَالِفَۃٌ لِدِیْنِکُمْ اِلَّا اُمَّتَانِ۔ اُمَّۃٌ مُسْتَعْبَدَۃٌ لِلْاِسْلَامِ وَاَھْلِہٖ۔ یَتَجَرُّوْنَ لَکُمْ۔ عَلَیْھِمُ الْمُؤْنَۃُ وَلَکُمُ الْمَنْفَعَۃُ وَاُمَّۃٌ یَنْتَظِرُوْنَ وَقَائِعَ اللّٰہِ وَسَطْوَاتِہٖ فِی کُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ قَدْ مَلَاءَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ رُعْباً۔ قَدْ دَھَمَتْھُمْ جُنُوْدُ اللّٰہِ وَنَزَلَتْ بِسَاحَتِھِمْ مَعَ رِفَاھَۃِ الْعَیْشِ وَاسْتِفَاضَۃِ الْمَالِ وَتَتَابُعِ الْبُعُوْثِ وَسَدِّ الثُّغُوْرِ الخ[1]

حضرت عمرؓ کے خطبوں کا خاتمہ ہمیشہ اِن فقروں پر ہوتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَدَعْنِی فِی غَمْرَۃٍ وَلَا تَاخُذْنِی عَلٰی غِرَّۃٍ وَلَا تَجْعَلْنِی مَعَ الْغَافِلِیْنَ[2]

قوتِ تحریر

قوتِ تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی ان کو کمال تھا، ان کے فرامین، خطوط، دستور العمل، توقیعات، ہر قسم کی تحریریں آج بھی موجود ہیں، جو تحریر جس مضمون پر ہے اُس باب میں بے نظیر ہے، چنانچہ ہم بعض بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ لِلنَّاسِ نَفْرَۃً عَنْ سُلْطَانِھِمْ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ تُدْرِکَنِیْ وَاِیَّاکَ عَمْیَاءُ مَجْھُوْلَۃٌ وَضَغَائِنُ مَحْمُوْلَۃٌ وَاَھْوَاءٌ مُتَّبَعَۃٌ۔ کُنْ مِنْ مَالِ اللّٰہِ عَلٰی حَذَرٍ وَخِفِ الْفُسَّاقَ وَاجْعَلْھُمْ یَدًا یَدًا وَرِجْلًا رِجْلًا وَاِذَا کَانَتْ بَیْنَ الْقَوْمِ ثَائِرَۃٌ یَالَفُلَانٍ یَالَفُلَانٍ فَاِنَّمَا تِلْکَ نَجْوَی الشَّیْطَانِ فَاضْرِبْھُمْ بِالسَّیْفِ حَتّٰی یَفِیْئُوْا اِلٰی اَمْرِ اللّٰہِ وَیَکُوْنَ

---

[1] ازالۃ الخفاء ماخوذ از تاریخ طبری۔ [2] عقد الفرید خطبات عمرؓ

دَعُوتُهُمْ اِلَی الاسلام۔

ایک اور تحریر ابوموسیٰؓ کے نام

اما بعد فان القوۃ فی العمل ان لا تؤخروا عمل الیوم لِغَدٍ فانکم اذا فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ تَدَارَكَتْ عَلَيْكُمُ الْاَعْمَالُ فَلَمْ تَدْرُوْا ايها تاخذون فاضعتم۔

عمرو بن العاصؓ کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا، تو اُنہوں نے خراج کے بھیجنے میں دیر کی، حضرت عمرؓ نے تاکید کی، عمرو بن العاصؓ نے لیت و لعل کیا، حضرت عمرؓ نے غصہ میں آکر زجر و تہدید کا خط لکھا۔ عمرو بن العاصؓ نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا، یہ تحریریں مقریزی نے تاریخ مصر میں بعینہٖ نقل کی ہیں، ان کے دیکھنے سے حضرت عمرؓ کے زورِ قلم کا اندازہ ہوتا ہے، بعض فقرے یہ ہیں :-

وَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّهٗ لَمْ يَمْنَعْكَ مِنْ ذٰلِكَ اِلَّا اَنَّ عُمَّالَكَ عُمَّالُ السُّوْءِ۔ اِتَّخَذُوْكَ كَهْفًا وَعِنْدِيْ بِاِذْنِ اللّٰهِ دَوَاءٌ فِيْهِ شِفَاءٌ۔ اِنِّيْ عَجِبْتُ مِنْ كَثْرَةِ كُتُبِيْ اِلَيْكَ فِيْ اِبْطَائِكَ بِالْخِرَاجِ وَكِتَابُكَ اِلَيَّ بِثَنِيَّاتِ الطُّرُقِ عَمَّا اَسْاَلُكَ فِيْهِ۔ فَلَا تَجْزَعْ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ اَنْ يُؤْخَذَ مِنْكَ الْحَقُّ وَتُعْطَاهُ فَاِنَّ النَّهْرَ يُخْرِجُ الدُّرَّ۔

مذاق شاعری

شعر و شاعری کی نسبت اگرچہ ان کی شہرت، عام طور پر کم ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ شعر بہت کم کہتے تھے، لیکن شعر و شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ ان کی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا، عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام، کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر اُن کی خاص خاص رائیں تھیں، اہلِ ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ اُن کے زمانے میں اُن سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا، علامہ ابن رشیق القیروانی، کتاب العمدہ میں جس کا قلمی نسخہ میرے

marfat.com

پاس موجود ہے لکھتے ہیں:

وَكَانَ مِنْ اَنْقَدِ اَهْلِ زَمَانِهٖ لِلشِّعْرِ وَ اَنْفَذِهِمْ فِيْهِ مَعْرِفَةً۔[1] | یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے نقّاد اور رازداں تھے۔"

جاحظ نے کتاب البیان و التبیین میں لکھا ہے:-

كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِؓ اَعْلَمَ النَّاسِ بِالشِّعْرِ۔[2] | یعنی عمر بن خطابؓ۔ اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے شناسا تھے۔"

نجاشی ایک شاعر تھا جس نے تمیم بن مقبل کے خاندان کی ہجو کی تھی۔ اِن لوگوں نے حضرت عمرؓ سے اِس کی شکایت کی، حضرت عمر نے حسان بن ثابتؓ کو جو مشہور شاعر تھے۔ حَکَم قرار دیا اور جو فیصلہ اُنہوں نے کیا اُسی کو نافذ کیا۔ اِس واقعہ سے چونکہ اِس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمرؓ خود شعر فہم نہ تھے۔ اِس لئے اہلِ ادب نے جہاں اِس واقعہ کو لکھا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی حکمتِ عملی تھی کہ وہ بدزبان شعرا کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے" ورنہ شعر کے دقائق اُن سے کون بڑھ کر سمجھ سکتا تھا۔[3]

حضرت عمرؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا۔ لیکن تین[3] شاعروں کو اُنہوں نے سب میں انتخاب کیا تھا، امرالقیس، زہیر، نابغہ، ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اُس کو اشعر الشعرآ کہا کرتے تھے اہلِ عرب اور علمائے ادب کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اِس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت اِنہی تینوں میں محدود ہے۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی، جریر

حضرت عمرؓ زہیر کو اشعر الشعراء کہتے تھے

[1] کتاب العمدۃ ذکر اشعار الخلفاء ۱۲ [2] کتاب البیان و التبیین مطبوعہ مصر صہ ۹۷ [3] دیکھو کتاب البیان و التبیین للجاحظ صہ ۹۷ و کتاب العمدۃ باب تعرض الشعراء ۱۲

marfat.com

بھی اسی کا قائل تھا، ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرؓ کے ساتھ تھے، حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو عبداللہ بن عباسؓ نے کہا وہ کون؟ فرمایا زہیر اُنہوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کا ریمارک

لانہ لا یتبع حوشیّ الکلام ولا یعاظل من المنطق ولا یقول الاما یعرف ولا یمتدح الرجل الا بما یکون فیہ - وہ زہیر ناما نوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا۔ اُس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی، اور اُسی مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہے، جب کسی کی مدح کرتا ہے تو اُنہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو واقعی اُس میں ہوتے ہیں۔"

پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

اذا ابتدرت قیس بن عیلان غایۃً من المجد من یسبق الیھا یسوّد!

ولو کان حمدٌ یخلد النّاس لم تمت ولکنّ حمد النّاس لیس بمخلدِ

ناقدین فن نے، زہیر کا تمام کلام پڑھ کر جو خصوصیتیں اسمیں بتائی ہیں وہ یہ ہیں، کہ اُس کا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اُس کی زبان ایسی شُستہ ہے، کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے، اِس کے ساتھ وہ بیجا مبالغہ نہیں کرتا"، حضرت عمرؓ نے اِن تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر الفاظ میں ادا کر دیا۔

زہیر، کا ممدوح، ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا، اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم، دونوں کی اولاد نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا اور اُن کے دربار میں حاضر ہوتے، حضرت عمرؓ نے ہرم کے فرزند سے کہا کہ اپنے باپ کی مدح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو، اُس نے ارشاد کی تعمیل کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا تھا، اُس نے کہا ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں،

marfat.com

لیکن تم نے جو دیا تھا وہ فنا ہوگیا اور اُس کا دیا ہوا آج بھی باقی ہے"، زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو خلعت دیئے تھے کیا ہوئے۔ اُس نے کہا بوسیدہ ہوگئے۔ فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو خلعت عطا کئے تھے۔ زمانہ اُن کو بوسیدہ نہ کرسکا۔[۱]

نابغہ کی تعریف

زہیر کے بعد، وہ نابغہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر اشعار اُن کو یاد تھے، امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ سب سے بڑھ کر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے، فرمایا۔ یہ شعر کس کا ہے۔

الا سلیمَان اِذ قَالَ الاِلٰہ لہٗ　　　قُمْ فی البریۃ فاحددھا عن الفند

لوگوں نے کہا نابغہ کا، پھر پوچھا یہ شعر کسکا ہے؟

اَتَیتُکَ عَارِیًا خَلِقًا ثِیَابِیْ　　　عَلٰی خَوْفٍ تَظُنَّ بِیَ الظُّنُوْنِ

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ پھر پوچھا یہ اشعار کس کے ہیں؟

حَلَفْتُ فَلَمْ اَتْرُکْ لِنَفْسِکَ رِیْبَۃً　　　وَلَیْسَ وَرَاءَ اللّٰہِ لِلْمَرْءِ مَذْھَبُ

لوگوں نے کہا نابغہ کا۔ فرمایا "یہ شخص اشعر العرب ہے۔[۲]

باایں‌ہمہ وہ امرء القیس کی اُستادی اور ایجادِ مضامین کے مُنکر نہ تھے، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے شعراء کی نسبت اُن کی رائے پوچھی تو امراء القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

سَابِقُھُمْ خَسَفَ لَھُمْ عَیْنَ الشِّعْرِ وَافتقر عن مَعَانٍ عُوْدٍ اَصَحَّ بَصَرٍ

وہ سب سے آگے ہے۔ اسی نے شعر کے چشمے سے پانی نکالا۔ اسی نے اندھے مضامین کو بینا کردیا۔

امرأ القیس کی نسبت اُنکی رائے

اخیر کا فقرہ اِس لحاظ سے ہے کہ امرء القیس یمنی تھا اور اہلِ یمن فصاحت و بلاغت میں کم درجہ پر مانے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن رشیق نے حضرت عمرؓ کے اس قول کا

---

[۱] آغانی تذکرۂ زہیر۔ [۲] اغانی تذکرۂ نابغہ ۱۲

marfat.com

یہی مطلب بیان کیا ہے[1]۔

حضرت عمرؓ کے ذوقِ سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سُنتے تھے تو بار بار مزے لے لیکر پڑھتے تھے، ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے، یہ شعر آیا۔

شعر کا ذوق

وَاِنَّ الحَقَّ مَقْطَعُہٗ ثَلَاثٌ یَمِیْنٌ اَوْ نِفَارٌ اَوْجِلَاءٌ

تو حُسنِ تقسیم پر بہت محظوظ ہوتے، اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کئے، ایک دفعہ دفعہ، عبدۃ ابن الطیب کا لامیہ قصیدہ سُن رہے تھے اِس شعر کو سُنکر

وَالمَرْءُ سَاعٍ لِاَمْرٍلَیْسَ یدرکہ وَالعِیْشُ شُحٌّ وَاَشْفَاقٌ وَتَامِیْلٌ

پھڑک اُٹھے اور دوسرا مصرع بار بار پڑھتے رہے، اسی طرح ابوقیس بن الاصلت کا قصیدہ سُنا تو بعض اشعار کو دیر تک دُہرایا کیے[2]۔

عفظِ اشعار

اگرچہ اُن کو مہماتِ خلافت کی وجہ سے اِن اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے سیکڑوں ہزاروں شعر یاد تھے۔ عُلمائے ادب کا بیان ہے کہ اُن کے حفظِ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے۔

جس قسم کے اشعار وہ پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خودداری، آزادی، شرافت نفس، حمیت، غیرت، کے مضامین ہوتے تھے، اِسی بنا پر، اُمرائے فوج اور عُمّال اضلاع کو حکم بھیجدیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعریؓ کو یہ فرمان بھیجا۔

مُرْمَنْ قِبَلَکَ بِتَعَلُّمِ الشِّعْرِ فَاِنَّہٗ یَدُلُّ عَلیٰ مَعَانِی الْاَخْلَاقِ وَصَوَابِ الرَّأْیِ وَمَعْرِفَۃِ الْاَنْسَابِ۔

لوگوں کو اشعار کے یاد کرنے کا حکم دو، کیونکہ وہ اخلاق کی بلند باتیں اور صحیح رائے

---

[1] کتاب العمدہ باب المشاہیر من الشعراء۔ [2] یہ تمام روایتیں جاحظ نے کتاب البیان والتبیین (صہ ۹۶، ۹۸) میں نقل کی ہیں۔

marfat.com

اور انساب کی طرف رستہ دکھاتے ہیں۔"

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اُس کے الفاظ یہ تھے:[1]

اشعار کا تعلیم میں داخل کرنا

عَلِّمُوْا اَوْلَادَكُمُ الْعَوْمَ وَالْفُرُوْسِيَّةَ وَرَوُّوْهُمْ مَا سَارَ مِنَ الْمَثَلِ وَحَسُنَ مِنَ الشِّعْرِ۔ اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسواری سکھلاؤ اور ضرب المثلین اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔"

شاعری کی اصلاح

اِس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیئے۔ اُسوقت تک تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء، شریف عورتوں کا نام علانیہ اشعار میں لاتے تھے اور اُن سے اپنا عشق جتاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اِس رسم کو بالکل مٹا دیا اور اِس کی سخت سزا مقرر کی، اِسی طرح ہجوگوئی کو ایک جرم دیا۔ اور حطیہ کو جو مشہور ہجوگو تھا اِس جرم میں قید کیا۔

لطیفہ

لطیفہ۔ بنو العجلان، ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ایک شاعر نے ان کی ہجو لکھی، اُنہوں نے حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا وہ اشعار کیا ہیں؟ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

اِذَا اللّٰهُ عَادٰى اَهْلَ لُؤْمٍ وَدِقَّةٍ	نَعَادٰى بَنِي الْعَجْلَانِ رَهْطَ ابْنِ مُقْبِلِ
خدا اگر کمینہ آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے	تو قبیلۂ عجلان کو بھی دشمن رکھے!

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ تو ہجو نہیں بلکہ بددُعا ہے اور ممکن ہے کہ خُدا اُس قبول نہ کرے، انہوں نے دوسرا شعر پڑھا:

قُبَيِّلَتُهُمْ لَا يَغْدِرُوْنَ بِذِمَّةٍ	وَلَا يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ حَبَّةَ خَرْدَلِ
یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہیں کرتا	اور نہ کسی پر، رائی برابر ظلم کرتا

حضرت عمرؓ نے فرمایا "کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا"، حالانکہ شاعر نے اِس لحاظ

[1] ازالۃ الخفاء۔ ص ۱۹۳۔

marfat.com

سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

وَلَا یَرِدُوْنَ الْمَاءَ اِلَّا عَشِیَّۃً　　　اِذَا صَدَرَ الْوُرَّادُ عَنْ کُلِّ مَنْهَلِ

یہ لوگ چشمے یا کنوے پر، صرف رات کے وقت جاتے ہیں جب اور لوگ واپس آچکتے ہیں۔

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہلِ عرب کے نزدیک بکیس اور کمزور لوگ ایسا کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ شعر سُن کر کہا کہ بھیڑ سے بچنا تو بہت اچھی بات ہے،، انہوں نے آخر یہ شعر پڑھا۔

وَمَا سُمِّیَ الْعَجْلَانَ اِلَّا لِقَوْلِهِمْ　　　خُذِ الْقَعْبَ وَاحْلُبْ اَیُّهَا الْعَبْدُ وَاعْجَلِ

اُس کا نام عجلان اس لئے پڑا کہ لوگ اُس سے کہتے تھے کہ اے او غلام! پیالہ لے اور جلدی سے دودھ دُوہ لا

حضرت عمرؓ نے فرمایا "سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ"

علم الانساب علم الانساب یعنی قبائل کا نام ونسب یاد رکھنا، حضرت عمرؓ کا خانہ زاد علم تھا۔ یعنی کئی پشتوں سے چلا آتا تھا، ان کے باپ خطّاب مشہور نسّاب تھے۔ حضرت عمرؓ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر ان کا حوالہ دیا کرتے تھے، خطّاب کے باپ نفیل بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ ان واقعات کو ہم، حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں۔

لکھنا پڑھنا بھی جیساکہ ہم آغازِ کتاب میں لکھ آئے ہیں، اسلام سے پہلے سیکھ لیا تھا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچکر انہوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی، عبرانی زبان سے واقفیت روایات سے ثابت ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں جب توریت کا کچھ کام پڑھتا تھا تو عبرانی ہی نسخہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اور چونکہ مسلمان عبرانی نہیں جانتے تھے اس لئے یہودی پڑھ کر سُناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ۔

marfat.com

كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ[1]

یعنی اہلِ کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے، اور مسلمانوں کے لیے عربی میں اُس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔"

مسند دارمی میں روایت ہے کہ "ایک دفعہ حضرت عمرؓ، توریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اس کو پڑھنا شروع کیا، وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا"[2] اِس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عبرانی زبان اِس قدر سیکھ گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمرؓ اکثر شریک ہوتے تھے، ان کا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن ان کے ہاں جایا کرتا تھا چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تم کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔[3]

حضرت عمرؓ کی نقّادی اور نکتہ سنجی نے یہاں بھی کام دیا۔ یعنی جس قدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے، اُسی قدر ان کے بیہودہ افسانوں اور قصوں سے اُن کو نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات ہاتھ آئیں تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نہایت سختی سے اُن کے پڑھنے سے روکا، اُن کی ذہانت و طباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ اُن کے فقہی اجتہادات سے ہوسکتا ہے جس کا ذکر علمی کمالات میں اوپر گزر چکا۔ لیکن اُن کی معمولی سے معمولی بات بھی، ذہانت و طباعی سے خالی نہیں ہوتی تھی چنانچہ ہم دو

ذہانت و طباعی

[1] صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۹۴۔ [2] مسند دارمی مطبوعہ کانپور صفحہ ۶۲۔ [3] کنز العمال بروایت بیہقی وغیرہ جلد اوّل صفحہ ۲۳۳۔

marfat.com

تین مثالیں نمونے کے طور پر لکھتے ہیں :

حضرت عمار بن یاسرؓ کو جب انہوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے دربارِ خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رُعب وداب اور سیاست کے آدمی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو واپس بُلا لیا اور کہا کہ میں خود بھی اِس بات کو جانتا ہوں لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید خدا آپکو اِس آیت کا مصداق بنائے۔[1]

وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ — ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر جو کمزور ہیں احسان کریں اور ان کو امام اور زمین کا وارث بنائیں۔

ایک دفعہ ایک شخص کو دُعا مانگتے سُنا کہ "خُدایا! مجھ کو فتنوں سے بچانا"، فرمایا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خُدا تم کو آل اولاد نہ دے؟[2] (قرآن مجید میں خُدا نے آل واولاد کو فتنہ کہا ہے اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔)

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں۔ قصر ہے یا نہیں؟ اُس کی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں نہیں، خُدا خود فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ — (وہ خدا) وہ ہے جو تم کو خشکی اور تری کی سیر کراتا ہے۔

حکیمانہ مقولے

اُن کے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں، اور خصوصاً مجمع الامثال میدانی کے خاتمہ پر کثرت سے نقل کئے ہیں، نمونے کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

مَنْ كَتَمَ سِرَّهٗ كَانَ الْخِيَارُ فِىْ يَدِهٖ — جو شخص اپنا راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔

---

[1] تاریخ طبری واقعہ عزل عمار بن یاسر۔ [2] ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۵

marfat.com

اِتَّقُوْا مَنْ تُبْغِضُهٗ قُلُوْبُكُمْ

جس سے تم کو نفرت ہو اُس سے ڈرتے رہو۔

اَعْقَلُ النَّاسِ اَعْذَرُهُمْ لِلنَّاسِ

سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کر سکتا ہو۔

لَا تُؤَخِّرْ عَمَلَ يَوْمِكَ اِلٰى غَدِكَ

آج کا کام، کل پر اُٹھا نہ رکھو۔

اَبَتِ الدَّرَاهِمُ اِلَّا اَنْ يُخْرِجَ اَعْنَاقَهَا

روپے، سر اونچا کئے بغیر نہیں رہتے۔

مَا اَدْبَرَ شَيْءٌ فَاَقْبَلَ۔

جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھتی۔

مَنْ لَمْ يَعْرِفِ الشَّرَّ يَقَعُ فِيْهِ۔

جو شخص بُرائی سے بالکل واقف نہیں، وہ بُرائی میں مبتلا ہو گا۔

مَا سَاَلَنِيْ رَجُلٌ اِلَّا تَبَيَّنَ لِيْ فِيْ عَقْلِهٖ۔

جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اُس کی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے۔

(واعظ سے خطاب کر کے) لَا يُلْهِكَ النَّاسُ عَنْ نَفْسِكَ۔

لوگوں کی فکر میں تم اپنے تئیں بھول نہ جاؤ۔

اَقْلِلْ مِنَ الدُّنْيَا تَعِشْ حُرًّا

دُنیا تھوڑی سی لو، تو آزادانہ بسر کر سکو گے۔

تَرْكُ الْخَطِيْئَةِ اَسْهَلُ مِنْ مُعَالَجَةِ التَّوْبَةِ۔

توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔

لِيْ عَلٰى كُلِّ خَائِنٍ اَمِيْنَانِ اَلْمَاءُ وَ الطِّيْنُ۔

ہر بددیانت پر میرے دو داروغے متعین ہیں۔ آب و گل۔

لَوْ اَنَّ الصَّبْرَ وَ الشُّكْرَ بَعِيْرَانِ مَا بَالَيْتُ عَلٰى اَيِّهِمَا رَكِبْتُ۔

اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اسکی نہ پرواہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں۔

رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَءًا اَهْدٰى اِلَىَّ عُيُوْبِيْ۔

خدا اُس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تحفے میں بھیجتا ہے (یعنی مجھ پر

marfat.com

میرے عیب ظاہر کرتا ہے)

صائب الرائے ہونا

رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "جب عمرؓ کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ میرا اِس کی نسبت یہ خیال ہے"، تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو اُن کا گمان ہوتا تھا[1]"۔ اس سے زیادہ اصابتِ رائے کی کیا دلیل ہوگی کہ اُن کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں، نماز کے اعلان کے لئے جب ایک

اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی رائے سے قائم ہوا۔

معیّن طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے ترُہی کی رائے دی، حضرت عمرؓ نے کہا ایک آدمی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو نماز کی منادی کیا کرے، آنحضرتؐ نے اُسی وقت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں، چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا، اور درحقیقت ایک مذہبی فرض کے لئے اس سے

اسیرانِ بدر

زیادہ کوئی طریقہ مؤثر اور موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔ اسیرانِ بدر کے معاملے میں جب اختلاف

ازواج مطہرات کا پردہ

ہوا، تو حضرت عمرؓ نے جو رائے دی، وحی اُسی کے موافق آئی۔ آنحضرتؐ کے ازواجِ مطہرات پہلے، پردہ نہیں کرتی تھیں، حضرت عمرؓ کو اِس پر بارہا خیال ہوا اور اُنہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا، لیکن آنحضرتؐ وحی کا انتظار فرماتے تھے، چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیتِ حجاب کہتے ہیں۔ عبداللہ بن اُبَیّ جو منافقوں کا سرگروہ تھا جب مرا، تو آنحضرتؐ

منافقوں پر نماز جنازہ

نے خُلقِ نبوی کی بنا پر اُس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی عمرؓ نے تعجبانہ عرض کیا کہ آپؐ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں! اُس پر یہ آیت اُتری وَ لَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں۔

حضرت عمرؓ ہی کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآنِ مجید مُدوّن و مُرتب ورنہ حضرت ابوبکرؓ اور زید بن ثابتؓ (کاتب وحی)، دونوں نے صاحبوں نے۔ پہلے اس تجویز سے مخالفت کی تھی، تمام مذہبی اور مُلکی اہم مسائل میں جہاں جہاں اور صحابہ کو حضرت عمرؓ سے اختلاف ہوا باستثنائے بعض موقعوں کے، عموماً حضرت عمرؓ ہی کی رائیں صائب

---

[1] صحیح بخاری باب اسلام عمرؓ

marfat.com

نکلیں، ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہ متفق الرائے[1] تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیے جائیں، ایک حضرت عمرؓ اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے اُن کی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشتکاری سے بدتر ہوگئی ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا برابر حصّہ لگاتے تھے، حضرت عمرؓ نے حقوق اور کار گزاری کے فرقِ مراتب کے لحاظ سے مختلف شرحیں قرار دیں، حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ، دونوں صاحبوں نے امّہات اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا، حضرت عمرؓ نے مخالفت کی، اِن تمام واقعات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاجِ دلیل نہیں۔"

قابلیتِ خلافت کی نسبت حضرت عمرؓ کی رائے

خلافت کے متعلّق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے بعد، کون اِس بارگراں کو اُٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہر ایک کے متعلق خاص خاص رائیں دیں اور وہ سب صحیح نکلیں۔

نکتہ سنجی اور غور رسی

وہ ہر کام میں غور اور فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ اُن کا قول تھا کہ لَا یُعْجِبَنَّکُمْ مِنَ الرَّجُلِ طَنْطَنَتُہٗ اکثر کہا کرتے تھے۔ لَا تَنْظُرُوْا اِلٰی صَلٰوۃِ امْرِءٍ وَلَا صِیَامِہٖ وَلٰکِنْ انْظُرُوْا اِلٰی عَقْلِہٖ وَصِدْقِہٖ (یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ سُنکر دھوکے میں نہ آؤ"۔ یعنی آدمی کی نماز و روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اُس کی سچائی اور عقل کو دیکھو")

ایک دفعہ ایک شخص نے اُن کے سامنے کسی کی تعریف کی، فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اُس نے کہا نہیں، پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے؟ اُس نے کہا نہیں؛

---

[1] قاضی ابویوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں ان عمر بن الخطاب استشار الناس فی السواد حین افتتح فرای عامتھم ان یقسمہ۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں: انّ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجماعۃ المسلمین ارادوا عمرؓ بن الخطاب ان یقسم الشام الخ (کتاب مذکور صہ ۱۵)

marfat.com

فرمایا کہ تو۔ تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں[1]۔ احادیث کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی یہی تھی کہ اکثر محدثین۔ جس شخص کو ظاہر میں زاہد و پارسا دیکھتے تھے ثقہ۔ سمجھ کر اس سے روایت شروع کر دیتے تھے۔ عبدالکریم بن ابی المخارق جو ایک ضعیف الروایۃ شخص تھا اُس سے امام مالکؒ نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں؟ اُنہوں نے فرمایا کہ

غرّنی بکثرۃ جلوسہ فی المسجد یعنی اس بات نے مجھ کو دھوکا دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا۔[2]

مذہبی زندگی

دن کو مہمات خلافت کی وجہ سے کم فرصت ملتی تھی اِس لئے عبادت کا وقت رات کو مقرر کیا تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نفلیں پڑھتے رہتے، جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ[3] فجر کی نمازیں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے لیکن زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ آیتیں پڑھتے، عبداللہ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو اُنہوں نے سورۂ یوسف اور سورۂ حج پڑھی تھی۔ یونس کہف، ہود کا پڑھنا بھی اُن سے مروی ہے۔ نماز، جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے، نماز

اور کہا کرتے تھے۔ کہ میں اُس کو تمام رات کی عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضروری کام آپڑتا اور وقت کی تاخیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اُس کو انجام دیتے، ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفیں درست ہو چکی تھیں کہ ایک شخص صف سے نکل کر اُن کی طرف بڑھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اُس سے باتیں کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو لو تب نماز پڑھو۔ بعض اوقات، جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اِس قدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود اُن کا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور فوجیں تیار کیا کرتا ہوں، ایک اور روایت ہے کہ میں نے نماز میں بحرین کے جزیہ کا حساب کیا[4]۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے یہ آیت فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ

[1] یہ قول ازالۃ الخفاء حصہ دوم صہ ۱۹۷ میں نقل کیا ہے [2] فتح المغیث صہ ۱۲۸۔ [3] موطا امام مالک ۱۲
[4] ازالۃ الخفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صہ ۹۰ [5] ایضاً صہ ۹۳۔

marfat.com

ھٰذَا الْبَیْتَ آئی تو کعبہ کی طرف اُنگلی اُٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ نماز میں اس قدر سا اشارہ کرنا جائز ہے[1]۔ بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہو جاتے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اُسوقت پہنچے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمرؓ نے اُن کی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ کیا وقت ہے؟ اُنہوں نے کہا میں بازار سے آرہا تھا کہ اذان سُنی، فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا؟ رسول اللہ صلعم غسل کا حکم دیا کرتے تھے، ابو بکر ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کئے تھے، لیکن انہی کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سُنا کہ صائم الدہر ہے تو اُس کے مارنے کے لئے درہ اٹھایا[2]۔ روزہ

حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔ حج

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابو موسیٰؓ! تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت اختیار کی اور رسول اللہ کی خدمت میں ہر جگہ موجود رہے ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر سرابر چھوٹ جائیں یعنی نہ ہم کو ثواب ملے نہ عذاب"۔ ابو موسیٰؓ نے کہا نہیں میں تو اس پر ہرگز راضی نہیں، ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہم کو بہت کچھ اُمید ہے، حضرت عمرؓ نے کہا "اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں"۔ مرنے کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

ظَلُوْمٌ لِنَفْسِیْ غَیْرَ اَنِّیْ مُسْلِمٌ
اُصَلِّی الصَّلٰوۃَ کُلَّھَا وَ اَصُوْمُ

[1] ازالۃ الخفا حصہ دوم صـ ۹۵۔ [2] ازالۃ الخفا صفحہ ۱۹۴۔

marfat.com

میں نے اپنی جان پر ظلم کئے ہیں۔ ہاں اتنا ہے کہ مسلمان ہوں اور نمازیں پڑھتا ہوں اور روزے رکھتا ہوں۔

حضرت عمرؓ اگرچہ مذہب کی مجسم تصویر تھے لیکن زاہد متقشف نہ تھے۔ اور آج کل کے بے نعصبی مقدس لوگوں کی طرح تصلّب اور سختی نہ تھی۔ ہمارے علماء۔ عیسائیوں کے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمرؓ کی نسبت امام بخاریؒ اور امام شافعیؒ نے روایت کی ہے[1] کہ تَوَضَّأَ مِنْ مَآءٍ جِیْئَ بِہٖ مِنْ عِنْدِ نَصْرَانِیَّةٍ۔ بغویؒ کی روایت اس سے زیادہ صاف ہے۔ تَوَضَّأَ عُمَرُ مِنْ مَاءٍ فِیْ جَرِّ نَصْرَانِیَّةٍ[2] یعنی حضرت عمرؓ نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو کیا۔ بغوی نے حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پنیر بناتے ہیں اُسکو کھاؤ[3]۔ عیسائیوں وغیرہ کا کھانا، آج کل مکروہ اور ممنوع بتایا جاتا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے معاہدات میں یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا گزر ہو تو عیسائی اُس کو تین دن مہمان رکھیں۔ آج غیر قوموں سے عداوت اور ضد رکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رعایا کو نہ بھولے چنانچہ اُن کی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو وصیت کی وہ صحیح بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس امر کو حضرت عمرؓ کے محاسن و فضائل میں شمار کیا ہے کہ وہ اہل ذمّہ (یعنی وہ عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کے مُلک میں رہتے تھے)، کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کرتے تھے چنانچہ شاہ صاحب کے خاص الفاظ یہ ہیں "و ازاں جملہ آنکہ باحسانِ اہلِ ذمّہ تاکید فرمودہ[4]"۔

محب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے افسروں کو عیسائیوں کے ملازم رکھنے سے بہت منع کرتے تھے، افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی ان روایتوں کو قبول کرلیا ہے لیکن جس شخص نے محب طبری کی کتاب (ریاض النضرہ)

---

[1] ازالۃ الخفاء صہ ۸۸ جلد دوم [2] ازالۃ الخفاء صہ ۱۳۸ [3] ازالۃ الخفاء صہ ۱۳۸ [4] ازالۃ الخفاء صہ ۷۳ جلد دوم

marfat.com

دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ ان کی روایتوں کا کیا پایہ ہے، اِن بزرگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ عراق، مصر، شام کا دفترِ مالگذاری جس قدر تھا سریانی و قبطی وغیرہ میں تھا اور اسی وجہ سے دفتر مالگذاری کے تمام عمّال مجوسی یا عیسائی تھے۔ ملازمت اور خدمت ایک طرف، حضرت عمرؓ نے تو فن فرائض کی ترتیب اور درستی کے لئے ایک رومی عیسائی کو مدینہ منوّرہ میں طلب کیا تھا؛ چنانچہ علامہ بلاذری نے اِس واقعہ کو کتاب الاشراف میں بتصریح لکھا ہے اور اُس کے یہ الفاظ ہیں۔

اِبْعَثْ اِلَیْنَا بِرُوْمِیٍّ یُقِیْمُ لَنَا حِسَابَ فَرَائِضِنَا ہمارے پاس ایک رومی کو بھیجدو جو فرائض کے حساب کو درست کر دے۔"

آج غیر مذہب کا کوئی شخص، مکّہ معظمہ میں نہیں جاسکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں غیر مذہب والے بے تکلّف مکّہ معظمہ جاتے تھے اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحبؒ نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں[1]۔ آج کل یورپ والے جو اسلام پر تنگ دلی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں اُن کو سمجھنا چاہیئے کہ آج کا زمانہ اسلام کی اصلی تصویر نہیں ہے۔ اسلام کی تصویر، خلفائے راشدین کے حالات کے آئینہ میں نظر آسکتی ہے۔

علمی صحبتیں حضرت عمرؓ کی مجلس میں اکثر علمی مسائل پر گفت گو ہُوا کرتی تھی۔ ایک دن اصحابِ بدر، (وہ صحابہ جو جنگِ بدر میں رسول اللہؐ کے شریک تھے)، مجلس میں جمع تھے، حضرت عمرؓ نے، مجمع صحابہ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا خُدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجا لائیں، بعض بالکل چُپ رہے۔ حضرت عمرؓ نے عبد اللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا۔

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۷۸، ۷۹۔

marfat.com

اُنھوں نے کہا اِسمیں آنحضرتؐ کی وفات کی طرف اشارہ ہے، یعنی اے محمدؐ! جب فتح و نصرت آچکی تو یہ تیرے دُنیا سے اُٹھنے کی علامت ہے، اِس لئے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ، بے شبہہ، خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم نے کہا یہی میرا بھی خیال ہے۔[1]

ایک اور دن، صحابہ کا مجمع تھا، عبداللہ بن عباسؓ بھی شریک تھے، حضرت عمرؓ نے اِس آیت کے معنی پوچھے اَیَوَدُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ تَکُوۡنَ لَہٗ جَنَّۃٌ۔ لوگوں نے کہا خُدا زیادہ جانتا ہے۔" حضرت عمرؓ کو اِس لاحاصل جواب پر غُصّہ آیا اور کہا کہ نہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہیئے کہ نہیں معلوم ہے، عبداللہ بن عباسؓ آیت کے صحیح معنی جانتے تھے لیکن کم عُمری کی وجہ سے جھجکتے تھے، حضرت عُمرؓ نے اُن کیطرف دیکھا کہا صاحبزادے! اپنے آپکو حقیر نہ سمجھو، جو تمہارے خیال میں ہو بیان کرو،" عبداللہ بن عباسؓ نے کہا خدا نے ایک کام کرنے والے شخص کی تمثیل دی ہے، چونکہ جواب ناتمام تھا، حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی، لیکن عبداللہ بن عباسؓ اِس سے زیادہ نہ بتا سکے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ اُس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خُدا نے دولت و نعمت دی کہ خُدا کی بندگی بجا لائے لیکن اُس نے نافرمانی کی تو اُس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے۔"[2]

ایک دفعہ، مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جُرم میں ماخوذ ہو کر حضرت عمرؓ کے سامنے آتے، حضرت عمرؓ نے سزا دینی چاہی اُنھوں نے کہا کہ قرآن کی آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اِس گناہ پر سزا کے مستوجب نہیں ہو سکتے" پھر یہ آیت۔

لَیۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیۡمَا طَعِمُوۡا۔	یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انہوں نے جو کچھ کھایا، پیا، ان پر الزام نہیں۔"

---

1. صحیح بخاری تفسیر اذا جاء۔ 2. صحیح بخاری مطبوعہ میرٹھ صد ۶۵۱۔

marfat.com

استدلال میں پیش کر کے کہا کہ "میں بدر حدیبیہ۔ خندق اور دیگر غزوات میں آنحضرتؐ کے ساتھ رہا ہوں، اِس لئے میں اُن لوگوں میں داخل ہوں جنہوں نے اچھے کام کئے" حضرت عمرؓ نے صحابہ کی طرف دیکھا۔ عبد اللہ بن عباسؓ بولے کہ یہ معافی پچھلے زمانے کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی اُن کے اور اعمال اگر صالح ہیں تو اُن پر کچھ الزام نہیں، اس کے بعد یہ آیت پڑھی جس میں شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے۔[1]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ۔

ارباب صحبت

جن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہلِ علم و فضل ہوتے تھے اور اسمیں وہ، نو عمر اور معمّروں کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے[2]

وكانَ القراء اصحابُ مجالس عمرؓ ومشاورتِهِ كهولاً كانوا او شبّاناً

یعنی حضرت عمرؓ کے اہل مجلس اور اہل مشورت علماء تھے۔ خواہ بوڑھے ہوں یا جوان۔

فقہ کا بہت بڑا حصّہ جو منقح ہوا اور جو فقہ عمری کہلاتا ہے، انہی علمی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اِس مجلس کے بڑے بڑے ارکان، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حُر بن قیسؓ تھے۔ حضرت عمرؓ اِن تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے۔ معمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے۔ تو امتیاز مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو باریابی کی اجازت دیتے۔ یعنی پہلے قُدمائے صحابہ آتے پھر اُن سے قریب رتبہ والے، وَعلیٰ ہذا۔ لیکن کبھی کبھی یہ ترتیب توڑ دی جاتی اور یہ امر خاص اُن لوگوں کے لئے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے

---

[1] ازالۃ الخفاء بحوالہ روایت حاکم۔ صہ ۲۱۳۔ [2] صحیح بخاری جلد دوم صہ ۶۶۹۔ بغوی نے زہری سے روایت کی ہے کان مجلس عمر مغتصا فی القراء (ازالۃ الخفاء صہ ۱۱۹)

تھے چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ کو قدمائے صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا تھا۔ تاہم یہ حکم دیا تھا کہ سوال و جواب میں، اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں، یعنی جو کچھ کہنا ہو۔ سب کے بعد کہیں[۱]۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر میں کم تھے۔ مسائل کے متعلق رائے دینے میں جھجکتے۔ حضرت عمرؓ اُن کو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر نہیں ہے[۲]۔" عبداللہ ابن عباسؓ اُس وقت بالکل نوجوان تھے، ان کی شرکت پر بعض اکابر صحابہ نے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے اُن کی خصوصیت کی وجہ بتائی اور ایک علمی مسئلہ پیش کیا جس کا جواب بجز عبداللہ بن عباسؓ کے اور کسی شخص نے صحیح نہیں دیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی بہت قدر کرتے تھے۔ ۲۱ھ میں جب اُن کو۔ کوفہ کا مفتی اور افسرِ خزانہ مقرر کر کے بھیجا تو اہلِ کوفہ کو لکھا کہ "میں ان کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں۔" اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ ان کو اپنے پاس سے جدا کرتا ہوں"، بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی مسئلہ کو عبداللہ بن مسعودؓ نے حل کیا تو اُن کی شان میں فرمایا۔

کَنِیفٌ مُلِیَٔ عِلْماً۔ "یعنی ایک ظرف ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے۔"

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے، حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص اُنکا ہمسر نہ تھا، تاہم اہلِ کمال کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح، خرد بزرگ کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ، ابی بن کعبؓ کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور اُن سے ڈرتے تھے، ابیؓ نے جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سردار اُٹھ گیا[۳]۔ زید بن ثابتؓ کو اکثر اپنی غیبت میں اکثر جانشین کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر اُن کو عطا کرتے تھے[۴]۔ اسی طرح، ابوعبیدہ، سلمان فارسی، عمیر بن سعد، ابوموسیٰ اشعری، سالم، ابودرداء، عمران بن حصینؓ وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے۔ بہت سے صحابہ تھے جن کے روزینے فقط اس بنا پر مقرر کئے تھے

[۱] فتح الباری شرح بخاری۔ تفسیر اذا جاء نصر اللہ [۲] ازالۃ الخفاء بحوالہ البغوی صـ۹ [۳] سیرۃ العمرین لابن الجوزی

marfat.com

کہ وہ فضل وکمال میں ممتاز ہیں۔ ابوذر غفاریؓ، جنگِ بدر میں شریک نہ تھے لیکن ان کا روزینہ اصحابِ بدر کے برابر مقرر کیا تھا اِس بِنا پر کہ وہ فضل وکمال ہیں اور لوگوں سے کم نہیں۔

اہلِ کمال کی قدردانی

اُن کی قدردانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی۔ کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہوتا تھا تو اُس کے ساتھ خاص مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن وہب الجمحی کا وظیفہ ۲۰۰ دینار سالانہ اِس بنا پر مقرر کیا تھا وہ پُرخطر معرکوں میں ثابت قدم رہتے ہیں[۱]۔ خارجہ بن حذافہ اور عثمان بن ابی العاصؓ کے وظیفے اِس بنا پر مقرر کئے کہ خارجہ، بہادر، اور عثمان، نہایت فیاض تھے[۲]۔

لطیفہ ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہؓ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جس قدر شعراء ہیں اُن کے وہ اشعار جو اُنہوں نے زمانۂ اسلام میں کہے ہیں، لکھوا کر بھیجو۔ مغیرہ نے پہلے اغلب عجلی کو بُلوایا اور شعر پڑھنے کی فرمائش کی، اُس نے یہ شعر پڑھا۔

لَقَدْ طَلَبْتَ هَنِيْئًا مَوجُوْدًا   اَرَجَزًا تُرِيْدُ اَمْ قَصِيْدًا

تم نے بہت آسان چیز کی فرمائش کی   بولو، قصیدہ چاہتے ہو! یا رجز؟

پھر لبید کو بُلا کر یہ حکم سُنایا، وہ سورہ بقر لکھ کر لائے کہ خدا نے شعر کے بدلے مجھ کو یہ عنایت کیا ہے، مغیرہؓ نے یہ پُوری کیفیت حضرت عُمرؓ کو لکھ بھیجی، وہاں سے جواب آیا کہ اغلب کے روزینے میں گھٹا کر لبید کے روزینے میں پانسو کا اضافہ کردو، اغلب نے۔ حضرت عُمرؓ کی خدمت میں عرض کی کہ بجا آوری حکم کا یہی صلہ ہے!! حضرت عمرؓ نے۔ لبید کے اضافہ کے ساتھ اُس کی تنخواہ بھی بحال رہنے دی۔

اُس زمانہ میں جس قدر اہلِ کمال تھے، مثلاً شعراء، خطباء، نسّاب، پہلوان، بہادر سب اُن کے دربار میں آتے اور ان کی قدردانی کے مشکور ہوتے، اِس زمانے کا سب سے بڑا شاعر متمم بن نویرہ تھا جس کے بھائی کو ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں حضرت خالدؓ نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اِس واقعہ نے اُس کو اِس قدر صدمہ پہنچایا کہ ہمیشہ رویا

۱؎ فتوح البلدان صہ ۴۵۶   ۲؎ کنز العمال جلد دوم صہ ۳۱۷

marfat.com

اور مرثیے کہا کرتا جس طرف سے نکل جاتا، زن و مرد اُس کے گرد جمع ہو جاتے اور اُس سے مرثیے پڑھوا کر سُنتے، مرثیہ پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا اور سب کو رُلاتا جاتا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی اس نے چند اشعار پڑھے، اخیر کے شعر یہ تھے۔

وَكُنَّا كَنَدْمَانَي جَذِيمَةَ حِقْبَةً　　مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

ایک مدت تک ہم دونوں جذیمہ (ایک بادشاہ کا نام ہے) کی ندیموں کی طرح ساتھ رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ اب یہ جدا نہ ہوں گے۔"

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّي وَمَالِكًا !　　لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا

"پھر جب ہم دونوں جدا ہو گئے، تو گویا ایک رات بھی ہم دونوں نے ساتھ بسر نہیں کی تھی۔"

حضرت عمرؓ نے متمم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر مجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا، اُس نے کہا امیر المومنین! اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح (یعنی شہید ہو کر) مارا جاتا تو میں ہرگز اُس کا ماتم نہ کرتا" حضرت عمرؓ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ متمم نے جیسی میری تعزیت کی کسی نے نہیں کی۔

اِسی زمانے میں ایک اور بڑی مرثیہ گو شاعرہ، خنساءؓ تھی، اُس کا دیوان آج بھی موجود ہے جس میں مرثیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے، علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ مرثیہ کے فن میں آج تک خنساءؓ کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو، کعبہ میں روتے اور چیختے دیکھا، پاس جا کر تعزیت و تسلی کی اور جب اس کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو چاروں کی تنخواہیں اُس کے نام جاری کر دیں۔

پہلوانی اور بہادری میں دو شخص طلیحہ بن خالد، اور عمرو معدیکربؓ تمام عرب میں ممتاز تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے دونوں کو اپنے دربار میں بار دیا، اور قادسیہ کے معرکہ میں جب ان کو بھیجا تو سعد وقاصؓ کو لکھا کہ

marfat.com

میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجتا ہوں، عمر معدیکربؓ پہلوانی کے ساتھ خطیب اور شاعر بھی تھے حضرت عمرؓ، اکثر اُن سے فنونِ حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ میں قبائلِ عرب، اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کئے اور عمر معدیکربؓ نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلیغ فقروں میں جواب دیئے اس کو اہلِ ادب نے عموماً اور مسعودی نے مروج الذہب میں تفصیل لکھا ہے۔ چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

اَخُوْكَ وَرُبَّمَا خَانَكَ۔ یعنی "وہ تیرا بھائی ہے لیکن کبھی کبھی دغا دیجاتا ہے"۔

پھر تیروں کی نسبت پوچھا تو کہا۔

بُرُدُ الْمَنَايَا تُخْطِئُ وَتُصِيْبُ۔ یعنی "موت کے قاصد ہیں کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی بھٹک جاتے ہیں۔

ڈھال کی نسبت کہا عَلَيْهِ تَدُوْرُ الدَّوَائِرُ۔ اسی طرح ایک ایک ہتھیار کی نسبت عجب عجب بلیغ فقرے استعمال کئے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قبائل آدمیوں کو دربار خلافت میں جمع کر دیا، اور حضرت عمرؓ نے ان کی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لئے۔

متعلقینِ جنابِ رسول اللہ کا پاس و لحاظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے۔ جب صحابہؓ وغیرہ کے روزینے مقرر کرنے چاہے تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمرؓ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیبِ مدارج میں سب سے مقدم آنحضرتؐ کے تعلقات کے قرب و بعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلۂ بنی ہاشم سے شروع کیا اور اس میں بھی حضرت عباسؓ و حضرت علیؓ کے ناموں سے ابتداء کی۔ بنو ہاشم کے بعد، آنحضرتؐ سے نسب میں قریب بنو امیہ تھے۔ پھر بنو عبدالشمس و بنو نوفل، پھر عبدالعزے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا قبیلہ بنو عدی پانچویں درجے میں پڑتا ہے۔ چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے۔ تنخواہوں کی مقداریں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ

marfat.com

تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحابِ بدر تھے۔ حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے لیکن اُن کی تنخواہیں اِسی حساب سے مقرر کیں، رسول اللہؐ کے ازواجِ مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی۔ اسامۃ بن زیدؓ کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلعم اسامۃ کو تجھ سے، اور اسامہؓ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے[1]۔

حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کی رائے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کس قدر شکر رنجی رہی جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے چھ مہینے تک حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر بیعت نہیں کی، چنانچہ صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہ زہراؓ کا انتقال ہو چکا تو حضرت علیؓ نے۔ حضرت ابوبکر کو، مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیں، کیونکہ حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے تھے[2]۔

لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علی کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہوگئی چنانچہ حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔ نہاوند کے معرکہ میں ان کو سپہ سالار بھی بنایا چاہا تھا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے۔ تو کار و بارِ خلافت انہی کے ہاتھ میں دے کر گئے۔ اتحاد اور یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ نے حضرت ام کلثوم کو جو فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھیں ان کے عقد میں دے دیا چنانچہ اُس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اخلاق و عادات

اُن کے اخلاق و عادات کے بیان میں، مؤرخوں نے تواضع اور سادگی کا

[1] یہ تمام تفصیل کتاب الخراج صہ ۲۴ و ۲۵ میں ہے [2] بخاری کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔ کراہیۃ لمحضر عمرؓ۔

مستقل عنوان قائم کیا ہے اور درحقیقت، اُن کی عظمت و شان کے تاج پر، سادگی کا طُرّہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ ان کی زندگی کی تصویر کا ایک رُخ یہ ہے، کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں، قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ پیش ہے، خالدؓ و امیر معاویہؓ سے باز پُرس ہے، سعد وقاص، ابوموسیٰ اشعری، عمرو بن العاصؓ کے نام احکام لکھے جارہے ہیں۔ دوسرا رُخ یہ کہ بدن پر بارہ پیوند کا کرتہ ہے، سر پہ پھٹا سا عمامہ ہے، پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہیں۔ پھر اس حالت میں یا تو کاندھے پر مشک لئے جارہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی بھرنا ہے۔ یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں اس لئے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور نیند کی جھپکی سی آگئی ہے۔[1] تواضع و سادگی

بارہا مکّہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ جہاں ٹھہرے کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اُسی کے سایہ میں پڑ رہے، ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کا روزانہ خانگی خرچ دو درہم تھا جس کے کم و بیش ادا ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ احنف بن قیس رؤسائے عرب کے ساتھ اُن کے ملنے کو گئے۔ دیکھا تو دامن چڑھائے اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ احنف کو دیکھ کر کہا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے، تم جانتے ہو، ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے، ایک شخص نے کہا امیر المومنین! آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں، کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈھ لائے گا۔ فرمایا۔ اَیُّ عَبْدٍ اَعْبَدُ مِنِّیْ یعنی "مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے"۔

موطا امام محمدؒ میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچ کر قضائے حاجت کے لئے سواری سے اُترے، اسلم ان کا غلام بھی ساتھ تھا۔ فارغ ہو کر آئے تو بھول کر یا کسی مصلحت سے، اسلم کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اُدھر اہل شام استقبال کو آرہے

[1] کتاب مذکور صفحہ ۳۸۷ باب الزہد۔

marfat.com

تھے، جو آتا تھا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کرتا تھا، لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آپس میں (حیرت سے) سرگوشیاں کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان کی نگاہیں شان و شوکت ڈھونڈھ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں)؟

ایک دفعہ خطبہ میں کہا کہ صاحبو! ایک زمانے میں۔ میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لادیا کرتا تھا وہ اُس کے صلے میں مجھ کو چھوہارے دیتے تھے وہی کھاکر بسر کرتا تھا" یہ کہہ کر ممبر سے اُتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ ممبر پہ کہنے کی کیا بات تھی، فرمایا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آگیا تھا، یہ اُس کی دوا تھی۔

۲۳ھ میں سفرِ حج کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ اُن کی سطوت و جبروت کا آفتاب، نصف النہار پر آگیا تھا، سعید بن المسیبؒ جو ایک مشہور تابعی گزرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ جب ابطح میں پہنچے تو سنگریزے سمیٹ کر اُس پر کپڑا ڈال دیا، اور اس کو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے، پھر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور کہا اے خدا! میری عمر اب زیادہ ہوگئی۔ اور قویٰ کمزور ہوگئے۔ اب مجھ کو دُنیا سے اُٹھالے۔[1]

اگرچہ خلافت کے افکار نے اُن کو خشک مزاج بنادیا تھا۔ لیکن یہ اُن کی طبعی حالت نہ تھی۔ کبھی کبھی موقع ملتا تھا تو زندہ دلی کے اشغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے رات بھر، اشعار پڑھوایا کئے، جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ "اب قرآن پڑھو"، محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ، رات کو گشت کر رہے تھے، ایک طرف سے گانے کی آواز آئی، ادھر متوجہ ہوتے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے۔ ایک دفعہ سفرِ حج میں حضرت عثمانؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ ساتھ تھے۔ عبداللہ ابن زبیرؓ۔ اپنے ہم سنوں کے ساتھ چہل کرتے اور حنظل کے دانے اُچھالتے چلتے تھے،

زندہ دلی

---

[1] موطا امام محمد ص ۳۰۰

حضرت عمرؓ صرف اس قدر فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑک نہ پائیں، لوگوں نے رباح سے حدی گانے کی فرمائش کی، وہ حضرت عمرؓ کے خیال سے رُکے، لیکن جب حضرت عمرؓ نے کچھ ناراضی نظاہر کی تو رباح نے گانا شروع کیا، حضرت عمرؓ بھی سنتے رہے، جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ "بس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے[1]"، ایک دفعہ سفرِ حج میں ایک سوار گاتا جاتا تھا۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ اس کو منع نہیں کرتے، فرمایا کہ گانا شتر سواروں کا زادِ راہ ہے[2]"۔ خوات بن جبیر کا بیان ہے کہ "ایک دفعہ سفر میں، میں حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا، ابو عبیدہ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ بھی ہمرکاب تھے، لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار گاؤ، حضرت عمرؓ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ خود اپنے اشعار گائیں، چنانچہ انہوں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا[3]"۔

مزاج کی سختی

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند، تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں تو وہ قہر مجسم تھے۔ لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک اس کا اثر نہیں گیا۔"

غزوۂ بدر میں، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا، ورنہ وہ خود کبھی نہ آتے، اس لئے اگر ابوالبختری یا عباسؓ وغیرہ کہیں نظر آئیں تو اُن کو قتل نہ کرنا، ابو حذیفہؓ بول اُٹھے کہ ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے۔ واللہ اگر عباسؓ مجھ کو ہات آئیں گے تو میں اُن کو تلوار کا مزہ چکھاؤں گا، آنحضرتؐ کو اُن کی یہ گستاخی ناگوار گذری، حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ ابو حفص! (حضرت عمرؓ کی کنیت تھی) دیکھتے ہو! عمِ رسولؐ کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمرؓ آپے سے باہر ہو گئے اور کہا اجازت دیجئے کہ

---

[1] ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۰۶ [2] ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۹۸ [3] ازالۃ الخفاء بحوالہ ابو عمر صفحہ ۲۰۸

marfat.com

مَیں اس کا سر اڑا دوں" حذیفہؓ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ اُن کی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اُن سے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔

حاطب بن بلتعہؓ ایک معزز صحابی تھے، اور غزوۂ بدر میں شریک رہے تھے۔ اُنہوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے، کفارِ مکہ سے خفیہ خط وکتابت کی، یہ راز کھل گیا، حضرت عمرؓ برافروختہ ہو کر آنحضرتؐ کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا، مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس کو قتل کر دوں، آنحضرتؐ نے فرمایا ابن الخطاب! تجھ کو کیا معلوم، ہے۔ خدا نے شاید اہلِ بدر سے کہہ دیا ہو کہ۔ تم جو چاہو کرو۔ مَیں سب کو معاف کر دونگا۔ ذوالخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرتؐ سے گستاخانہ کہا کہ "محمدؐ! عدل اختیار کر" حضرت عمرؓ غصے سے بے تاب ہو گئے اور چاہا کہ اُس کو قتل کر دیں۔ لیکن حضرتؐ نے منع کیا۔ اِن واقعات سے تم کو اندازہ ہو گا کہ کس طرح ہر موقع پر اُن کی تلوار نیام سے نکلی پڑتی تھی، اور کافر تو کافر، خود مسلمانوں کے ساتھ اِن کا کیا سلوک تھا، لیکن اسلام کی برکت اور عمرؓ کے انحطاط، اور خلافت کی مہمات نے اُن کو رفتہ رفتہ نہایت نرم اور حلیم بنا دیا یہاں تک کہ خلافت کے زمانے میں وہ کافروں کے سات جس رحمدلی اور لطف سے برتاؤ کرتے تھے، آج مسلمان سے مسلمان نہیں کرتے۔"

آل واولاد کے ساتھ محبت

اُن کی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں، قرائن سے اِس قدر ثابت ہے کہ وہ ازواج و اولاد کے بہت دلدادہ نہ تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ ان کو بالکل شغف نہ تھا جس کی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی جس قدر عزت کرنی چاہیئے نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری باب اللباس میں خود اُن کا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ، زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا اور اُس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں۔ تاہم، ہم اُن کو معاملات میں بالکل دخل نہیں دیتے تھے۔" اسی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ اُنہوں نے اپنی بیوی کو سخت کہا۔ اُنہوں نے بھی برابر کا

marfat.com

جواب دیا۔ اس پر کہا کہ اب تمہارا یہ رتبہ پہنچا۔ وہ بولیں کہ تمہاری بیٹی تو رسول اللہ سے دو بدو ایسی باتیں کرتی ہے۔

حضرت عمر کی ایک بیوی جمیلہ تھیں اُن کے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔ عاصم ابھی صغیرسن ہی تھے کہ کسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اُن کو طلاق دے دی۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ تھا، اور حضرت عمرؓ قبا سے جہاں پہلے رہا کرتے تھے۔ اُٹھ کر مدینے میں آ گئے تھے۔ ایک دن اتفاق سے قبا کیطرف جا نکلے۔ عاصم، بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت عمرؓ نے اُن کو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھالیا اور ساتھ لیجانا چاہا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی، وہ آن کر مزاحم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہے میں اپنے ساتھ رکھوں گی،، جھگڑا طول کھینچا اور وہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاں فریادی آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے، حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ کیا اور اسلئے وہ مجبور رہ گئے،، یہ واقعہ مؤطا امام مالک وغیرہ میں مذکور ہے۔ اِن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ اُن کا سلوک، محبت اور رحم کے اُس پایہ پر نہ تھا جیسا اور بزرگوں کا تھا۔ اولاد اور اہل خاندان سے بھی اُن کو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت تھی چنانچہ جب وہ یمامہ کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت قلق ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زیدؓ کی خوشبو آتی ہے۔ عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر متمم بن نویرہ جب اُن کی خدمت میں آیا تو فرمائش کی کہ زید کا مرثیہ کہو، مجھ کو تمہارا سا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔،،

مسکن حضرت عمرؓ نے جیسا کہ ہم پہلے حصے میں لکھ آئے، مکہ سے جب ہجرت کی تو عوالی میں آکر مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں آ رہے۔ یہاں جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل باب السلام اور باب الرحمہ کے بیچ میں واقع تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیچ کر اُن کا قرض ادا کیا جائے چنانچہ امیر معاویہؓ نے

marfat.com

اُس کو خریدا اور زرِ قیمت سے قرض ادا کیا گیا اس لئے یہ مکان بتت تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔[1]

وسائل معاش تجارت

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استیذان کے لاعلمی کا انہوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں قاضی ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہؐ نے مدینہ میں پہنچکر ابو بکرؓ و عمرؓ کو جاگیریں عطا کیں۔ خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک ہوتے تقسیم کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے حصے میں جو زمین آئی اُس کا نام ثمغ تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی۔ جاگیر

مورخ بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام، ایک کتاب میں قلمبند کرا دیئے تھے، یہودی حارثہ سے بھی اُن کو ایک زمین ہاتھ آئی تھی اور اُس کا نام بھی ثمغ تھا لیکن انہوں نے یہ دونوں زمینیں خدا کی راہ پر وقف کر دی[2]۔ خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف میں مذکور ہے، وقف میں جو شرطیں کیں یہ تھیں، یہ زمین نہ بیچی جائے گی۔ نہ ہبہ کی جائے گی۔ نہ وراثت میں منتقل ہوگی، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا وہ فقراء۔ ذوی القربیٰ۔ غلام، مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

مشاہرہ

خلافت کے چند برس بعد اُنہوں نے صحابہؓ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی، اِس پر حضرت علیؓ کی رائے کے موافق اِسقدر تنخواہ مقرر ہوگئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ۱۵ھ میں جب تمام لوگوں کے روزینے مقرر ہوتے تو اور اکابر صحابہ کے ساتھ اِن کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

زراعت

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچکر اول اول، زراعت بھی کی تھی لیکن اس طرح کہ کھیت

---

[1] دیکھو خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹، ۱۷۹ و حاشیہ مؤطا امام محمد صفحہ ۲۷۲ -
[2] خلاصۃ الوفاء لفظ ثمغ۔

marfat.com

بٹائی پر دے دیتے تھے تخم کبھی خود مہیا کرتے تھے اور کبھی اُس کا بہم پہنچانا بھی شریک کے ذمہ ہوتا تھا چنانچہ صحیح بخاری باب المزارعۃ میں یہ واقعہ بتصریح مذکور ہے۔

غذا

غذا نہایت سادہ تھی۔ معمولاً روٹی اور روغنِ زیتوں دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی تھی لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القحط میں جَو کا التزام کر لیا تھا۔ کبھی کبھی متعدد چیزیں دسترخوان پر ہوتی تھیں اور وہ یہ ہوتی تھیں گوشت، روغن زیتون، دودھ ترکاری، سرکہ۔ مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی اُن کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وُہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

لباس

لباس بھی معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی جو عیسائی درویش اوڑھا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اس کا رواج ہو چلا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ بھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ جوتی وہی عرب وضع کی ہوتی تھی جس میں تسمہ لگا ہوتا تھا۔

سادگی اور بے تکلفی

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اس لئے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ وہ رُہبانیت اور تقشّف کو پسند کرتے تھے، اس باب میں اُن کی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جس کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا اس صورت سے اُن سے ملنے کو آیا کہ لباس فاخرہ زیبِ تن تھا اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اُتروا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان مُو اور پھٹے پُرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کو نہ پراگندہ مُو رہنا چاہیئے۔

marfat.com

نہ پٹیاں جمانی چاہئیں"۔ حاصل یہ کہ وہ نہ بیہودہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے نہ راہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حلیہ یہ تھا۔ رنگ گندم گوں، قد نہایت لانبا یہاں تک سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہوتے تو ان کا قد سب سے نکلا ہوتا تھا۔ رخسارے کم گوشت، گھنی داڑھی۔ مونچھیں بڑی بڑی۔ سر کے بال سامنے سے اُڑ گئے تھے۔ حلیہ

حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ میں جو باتیں نئی ایجاد کیں اُن کو مورخین نے یکجا لکھا ہے اور اُن کو اَوّلیات[1] سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ہم اُن کے حالات کو۔ انہی اَوّلیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں کہ اول باخر نسبتے وارد۔

(۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔

(۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر ہوئے۔

(۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

(۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

(۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔

(۶) والینٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۷) دفتر مال قائم کیا۔

(۸) پیمائش جاری کی۔

(۹) مردم شماری کرائی۔

(۱۰) نہریں کھدوائیں۔

(۱۱) شہر آباد کرائے یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ جیزہ۔ فسطاط۔ موصل۔

(۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔

[1] اس میں سے اکثر اولیات کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری اور تاریخ طبری میں یکجا مذکور ہیں۔ باقی جستہ جستہ موقعوں سے یکجا کی گئی ہیں۔

marfat.com

(۱۳) عُشور یعنی دہ یکی مقرر کی (اِس کی تفصیل صیغہ محاصل میں گذر چکی ہے)

(۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصّل مقرر کئے۔

(۱۵) حربی تاجروں کو مُلک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔

(۱۶) جیل خانہ قائم کیا۔

(۱۷) دُرّہ کا استعمال کیا۔

(۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔

(۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

(۲۰) جا بجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

(۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مُجنّس کی تمیز قائم کی جو اُس وقت عرب میں نہ تھی۔

(۲۲) پرچہ نویس مقرر کئے۔

(۲۳) مکۂ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کی آرام کے لئے مکانات بنوائے۔

(۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے۔

(۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔

(۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جا سکتے۔

(۲۷) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے۔

(۲۸) مکاتب قائم کئے۔

(۲۹) معلموں اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر ہوئے۔

(۳۰) حضرت ابوبکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآنِ مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اِس کام کو پورا کیا۔

marfat.com

(۳۱) قیاس کا اصول قائم کیا۔

(۳۲) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔

(۳۳) فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم اضافہ کیا۔ چنانچہ مؤطا امام مالک میں میں اسکی تفصیل مذکور ہے۔

(۳۴) نماز تراویح۔ جماعت سے قائم کی۔

(۳۵) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاقِ باین قرار دیا۔

(۳۶) شراب کی حد کے لئے اسّی کوڑے مقرر کئے۔

(۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۸) بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۴۰) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔

(۴۱) مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا چنانچہ ان کی اجازت سے تمیم داری نے وعظ کہا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔

(۴۲) اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۴۳) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔

(۴۴) ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔

(۴۵) غزلیہ اشعار میں، عورتوں کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا۔

ان کے سوا اور بہت سی ان کی اوّلیات ہیں۔ جن کو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

marfat.com

ازواج و اولاد

حضرت عمرؓ نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کئے، پہلا نکاح، عثمان بن مظعونؓ کی بہن زینبؓ کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعونؓ سابقین صحابہ میں تھے، یعنی اسلام لانیوالوں میں ان کا چودھواں نمبر تھا۔ سنہ ۲ھ میں وفات پائی اور جناب رسول اللہؐ کو ان کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ ان کے لاشہ کو بوسہ دیتے تھے۔ اور بے اختیار روتے جاتے تھے۔ عثمانؓ کے دوسرے بھائی قدامہؓ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ زینبؓ مسلمان ہوکر مکہ معظمہ میں مریں، حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہ انہی کے بطن سے ہیں۔

ازواج دوسری بیوی قریبہ بنت ابی امیۃ المخزومی تھیں جو آنحضرتؐ کی زوجہ مبارک ام سلمہؓ کی بہن تھیں، چونکہ یہ اسلام نہیں لائیں اور مشرکہ عورت سے نکاح جائز نہیں، اس لئے صلح حدیبیہ کے بعد سنہ ۶ھ میں ان کو طلاق دے دی۔

تیسری بیوی ملیکہ بنت جرول الخزاعی تھیں۔ ان کو ام کلثوم بھی کہتے ہیں، یہ بھی اسلام نہیں لائیں۔ اور اسی وجہ سے سنہ ۶ھ میں ان کو بھی طلاق دے دی۔ عبداللہؓ انہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے۔ اور ملیکہ۔ خزاعہ کے قبیلہ سے تھیں؛ مدینہ منورہ میں آکر انصار میں قرابت پیدا کی، یعنی سنہ ۷ھ میں عاصم بن ثابت بن ابی الافلح جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے، ان کی بیٹی جمیلہؓ سے نکاح کیا۔ جمیلہؓ کا نام پہلے عاصیہ تھا۔ جب وہ اسلام لائیں تو آنحضرتؐ نے بدل کر جمیلہ نام رکھا۔ لیکن ان کو بھی کسی وجہ سے طلاق دے دی۔

اخیر عمر میں ان کو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کریں جو مزید شرف اور

marfat.com

اور برکت کا سبب تھا۔ چنانچہ جناب امیر سے، حضرت امِّ کلثوم کے لئے درخواست کی، جناب ممدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغر سنی کے سبب سے انکار کیا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصولِ شرف مقصود ہے، تو جناب امیر نے منظور فرمایا اور ۱۷ھ میں ۴۰ ہزار مہر پر نکاح ہوا۔ [۱]

حضرت عمرؓ کے اور بیویاں بھی تھیں، یعنی ام حکیم بنت الحارث بن ہشام المخزومی۔ فکیہتہ یمینّہ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ عاتکہ، حضرت عمرؓ کی چچیری بہن تھیں، اُن کا نکاح پہلے، حضرت ابوبکرؓ کے فرزند عبداللہ سے ہوا تھا، اور چونکہ عاتکہ نہایت خوبصورت تھیں عبداللہ ان کو بہت چاہتے تھے، عبداللہ۔ غزوۂ طائف میں شہید ہو گئے۔ عاتکہ نے ان کا نہایت

---

[۱] حضرت ام کلثوم بنتِ فاطمہ کی تزویج کا واقعہ تمام معتمد مورخوں نے بتفصیل لکھا ہے، علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں، ابن حبان نے کتاب الثقاۃ میں، ابن قتیبہ نے معارف میں، ابن اثیر نے کامل میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنتِ فاطمہؓ حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں۔ ایک دوسری ام کلثوم بھی ان کی زوجہ تھی لیکن ان دونوں میں مورخوں نے صاف تفریق کی ہے، علامہ طبری وابن حبان وابن قتیبہ کی تصریحات خود میری نظر سے گزری ہیں اور ان سے بڑھ کر تاریخی واقعات کیلئے اور کیا سند ہو سکتی ہے، میں وہ خاص عبارتیں اس موقع پر نقل کرتا ہوں۔ ثقات بن حبان ذکر خلافہ عمر واقعات ۱۷ھ میں ہے: ثم تزوج عمر ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب وہی من فاطمۃ ودخل بہا فی شہر ذی القعدہ۔ معارف بن قتیبہ ذکر اولادِ عمر میں ہے۔ وفاطمۃ وزید وامہما ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب من فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسد الغابہ فی احوال الصحابہ لابن الاثیر۔ میں جہاں حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ ان کی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بھی جابجا تصریح کی ہے جس کو ہم تطویل کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ صحیح بخاری میں ایک ضمنی موقع پر۔ حضرت ام کلثوم کا ذکر آ گیا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ عورتوں کو چادریں تقسیم کیں۔ ایک بچ رہی۔ اس کی نسبت ان کو تردد تھا کہ کس کو دی جائے۔ ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: یا امیر المومنین اَعْطِ ہذا بنت رسولُ اللہ صلعم التی عندک یریدون ام کلثوم۔

(صحیح بخاری باب الجہاد مطبوعۂ میرٹھ صہ ۴۰۳)

اس میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمرؓ کی زوجہ تھیں خاندانِ نبوت سے تھیں۔

marfat.com

دردانگیز مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فَآلَیْتُ لَا تَنفَكُّ عَیْنِي حَزِیْنَۃً عَلَیْكَ وَلَا یَنفَكُّ جِلْدِي أَغْبَرَا

میں نے قسم کھائی ہے کہ میری آنکھ ہمیشہ تیرے اوپر غمگین رہیگی، اور بدن خاک آلودہ رہیگا۔

حضرت عمرؓ نے ۱۲ھ میں اُن سے نکاح کیا۔ دعوتِ ولیمہ میں حضرت علیؓ شریک تھے۔

حضرت عمرؓ کے اولاد کثرت سے ہوئی۔ جن میں سے حضرت حفصہؓ اس لئے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ ازواجِ مطہرات میں داخل ہیں۔ ان کا نکاح پہلے خنیس بن خدافہؓ کے ساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ خنیس جب غزوہ اُحد میں شہید ہوئے تو وہ ۳ھ میں جناب رسول اللہؐ کے نکاح میں آئیں، اُن سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں، اور بہت سے صحابہؓ نے اُن سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۴۵ھ میں ۶۳ برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔

اولاد ذکور

اولاد ذکور کے یہ نام ہیں، عبداللہ، عبیداللہ، عاصم، ابوشحمہ عبدالرحمٰن۔ زید۔ مجیر۔

عبداللہ بن عمرؓ ان میں تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں، حضرت عبداللہ فقہ و حدیث کے بڑے رُکن مانے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ان کے مسائل، اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے، اور اکثر غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں، اور ابن خلقان نے وفیات الاعیان میں اُن کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، جس سے اُن کے علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت بیباک تھے، ایک دفعہ حجاج بن یوسف۔ کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا، عین اسی حالت میں اُنہوں نے کھڑے ہو کر کہا، یہ "خدا کا دشمن ہے کیوں کہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے،" چنانچہ اسی کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جس نے اُن کو مسموم آلہ سے زخمی کیا اور زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ، اور امیر معاویہؓ

marfat.com

نے اپنا معاملہ حکم میں دیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہؓ سے آکر کہا کہ "تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں، آپ آمادہ ہو جایئے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔" انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔"

سالم بن عبداللہ — حضرت عبداللہؓ کے بیٹے سالمؒ۔ فقہائے سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے اُن سات فقہا میں محسوب ہیں جن پر حدیث و فقہ کا مدار ہے اور جن کے فتوے کے بغیر، کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سالمؒ کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے نام یہ ہیں، خارجہ بن زید، عروہ بن الزبیر۔ سلیمان بن یسار۔ عبیداللہ بن عبداللہ، سعید بن المسیب۔ قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک، حدیث کے دُو سلسلے۔ سب سے زیادہ مستند ہیں اور محدثین اِس سلسلے کو۔ زنجیرِ زر کہتے ہیں۔ یعنی اوّل۔ وُہ حدیث جس کی روایت کے سلسلے میں ، امام مالکؒ۔ نافعؒ۔ عبداللہ بن عمرؓ ہوں۔ دوسری وہ حدیث جس کے سلسلے میں زہری۔ سالم۔ اور عبداللہ بن عمر واقع ہوں، امام مالک اور زُہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمرؓ ہی کے گھرانے کے ہیں۔ عبداللہؓ اُن کے بیٹے۔ اور سالمؒ پوتے۔ اور نافعؒ غلام تھے۔

عبیداللہ — حضرت عمرؓ کے دوسرے بیٹے عبیداللہؓ شجاعت اور پہلوانی میں مشہور ہیں۔

عاصم — تیسرے بیٹے عاصمؓ، نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے۔ ۷۰ھ میں جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اُن کا مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فَلَیْتَ الْمَنَایَا کُنَّ خَلَّفْنَ عَاصِمًا ۔ فَعِشْنَا جَمِیْعًا اَوْ ذَهَبْنَ بِنَا مَعًا

کاش موت۔ عاصم کو چھوڑ جاتی! ۔ تاکہ ہم سب ساتھ رہتے یا لیجانا تھا تو سبکو لیجاتی

عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے۔ اور شعر خوب کہتے تھے، چنانچہ اہلِ ادب کا قول ہے کہ "ہر شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے لیکن عاصم اس سے مستثنےٰ ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ انہی کے نواسے تھے۔[1]

---

[1] حضرت عمرؓ کے ازواج و اولاد کا حال میں نے اسد الغابۃ۔ کتاب المعارف۔ ابن خلکان، کامل ابن الاثیر اور فتح المغیث سے لکھا ہے ۱۲

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمرؓ کے پوتوں، پرپوتوں، اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

خاتمہ

لَيْسَ لِلّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ　　　اَنْ يَجْمَعَ الْعَالَمَ فِي وَاحِدٍ

خدا کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے؟　　　کہ تمام عالم ایک فرد میں سما جائے

حضرت عمرؓ کے سوانح اور حالات، تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے، دُنیا میں اور جس قدر بڑے بڑے نامور گذرے ہیں، اُن کی مفصّل سوانح عمریاں پہلے سے موجود ہیں، یہ دونوں چیزیں اب تمہارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دُنیا میں حضرت عمرؓ کا کوئی ہمپایہ گزرا ہے یا نہیں؟

قانونِ فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائلِ انسانی کی مختلف انواع ہیں، اور ہر فضیلت کا جُدا راستہ ہے، ممکن بلکہ کثیر الواقع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دُنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصّہ مِلا تھا۔ سکندر سب سے بڑا فاتح لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستان نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف۔ چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں۔ بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے، بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے، بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمرؓ کے حالات اور اُن کی مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو، صاف نظر

marfat.com

صاف نظر آئیگا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی، مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی، تیمور بھی تھے اور نوشیرواں بھی، امام ابو حنیفہؒ بھی تھے اور ابراہیم ادہمؒ بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو لو۔ دُنیا میں جس قدر حکمران گزرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہہ میں کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعتہً فتوحات بھی رُک گئیں یا نظامِ حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لے کر چلتا تھا۔ اکبرؔ کے پردے میں ابو الفضلؔ اور ٹوڈرملؔ کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت و شان برامکہ کے دم سے تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ کو صرف اپنے دست و بازو کا بل تھا۔ خالدؓ کی عجیب و غریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فتح و ظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے اُن کو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کونسا پُرزہ نکل گیا ہے! سعد وقاصؓ فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو اسی قسم کا وہم پیدا ہو چلا تھا، وہ بھی الگ کر دیئے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے اُن میں سے کسی کے پابند نہ تھے، وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پُرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا اور جہاں چاہا لگا دیا، مصلحت ہوئی تو کسی پُرزے کو سرے سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پُرزے تیار کر لئے۔

دُنیا میں کوئی ایسا حکمران نہیں گزرا جس کو مُلکی ضرورتوں کی وجہ سے، عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا۔ نوشیرواں کو، زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اُس کا دامن بھی اِس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عمرؓ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو، اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مِل سکتی۔

marfat.com

دُنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے، وہاں مدت تک حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے۔ اور اس لئے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی، قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عمرؓ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے آشنا نہ تھی خود حضرت عمرؓ نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغازِ شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گزرا تھا، ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے مُلکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع، انتظام محاصل، صیغہ عدالت، فوجداری اور پولیس۔ پبلک ورکس۔ تعلیمات۔ صیغہ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور اُن کے اُصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمرؓ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا تھا؟

تمام دُنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو؟ جس کی معاشرت یہ ہو کہ قمیض میں دس دس پیوند لگے ہوں، کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر آتا ہو۔ فرش خاک پر پڑ رہتا ہو۔ بازاروں میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جریدہ و تنہا چلا جاتا ہو، اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو، در و دربار۔ نقیب و چاؤش، حشم و خدم، کے نام سے آشنا نہ ہو، اور پھر یہ رعب و داب ہو کہ عرب و عجم اُس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رُخ کرتا ہو زمین دہل جاتی ہو۔ سکندر و تیمور تیس ۳۰ تیس ۳۰ ہزار فوج رکاب میں لے کر۔ نکلتے تھے جب اُن کا رعب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروقؓ کے سفر شام میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکزِ عالم جنبش میں آگیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو۔ صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا اور رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس۔ زید

marfat.com

ابن ثابت ۔ ابوہریرہؓ ۔ عبداللہ بن عمرؓ ۔ عبداللہ بن مسعودؓ ان کے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمرؓ کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو، صاف مجتہد و مقلد ۔ کا فرق نظر آئیگا، زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین و ائمہ فن پیدا ہوئے مثلاً امام ابوحنیفہؒ ۔ شافعیؒ ۔ بخاریؒ ۔ غزالیؒ ۔ رازیؒ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمرؓ نے جس باب میں جو کچھ ارشاد کیا اُس پر کچھ اضافہ ہوسکا؟ مسئلہ قضا و قدر، تعظیم شعائر اللہ ۔ حیثیت نبوت ۔ احکام شریعت کا عقلی یا نقلی ہونا ۔ احادیث کا درجۂ اعتبار ۔ خبر احاد کی قابلیت احتجاج ۔ احکام خمس و غنیمت ۔ یہ مسائل شروع اسلام سے آج تک معرکہ آرا رہے ہیں اور ائمہ فن نے اُن کے متعلق ذہانت طباعی کا کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو ۔ حضرت عمرؓ نے اِن مسائل کو جس طرح حل کیا تھا تحقیق کا ایک قدم بھی اُس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام ائمہ فن نے یا اُن کی پیروی کی یا انحراف کیا تو علانیہ غلطی کی ۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے سوا اور کون شخص اُن کا ہمپایہ مل سکتا ہے؟ زہد و قناعت ۔ تواضع و انکسار ۔ خاکساری و سادگی ۔ راستی و حق پرستی ۔ صبر و رضا ۔ شکر و توکل ۔ یہ اوصاف اُن میں جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے کیا ۔ لقمانؒ ، ابراہیم ادہمؒ ۔ ابوبکر شبلیؒ ، معروف کرخیؒ میں اِن سے بڑھ کر پائے جاسکتے تھے؟

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حضرت عمرؓ کی اِس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اُسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں ۔ وہ تحریر فرماتے ہیں ۔

"سینۂ فاروق اعظمؓ را بمنزلہ خانۂ تصور کن کہ درہائے مختلف دارد ۔ در ہر درے صاحب کمالے نشستہ و رنگ در مثلاً سکندر ذوالقرنین باآں ہمہ سلیقہ ملک گیری و جہان ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعداء، در در دیگر نوشیروانے

بآں ہمہ رفق ولین ورعیت پروری ودادگستری داگرچہ ذکر نوشیرواں درمبحث فضائل حضرت فاروق رضؓ سوء ادب ست) ودر دیگر امام ابوحنیفہؒ یا امام مالکے بآں ہمہ قیام بہ علم فتوے واحکام ودر دیگر مرشدے مثل سید عبدالقادر جیلانیؒ یا خواجہ بہاؤالدینؒ ودر دیگر محدثے بر وزنِ ابوہریرہؓ وابن عمرؓ + ودر دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومیؒ یا شیخ فریدالدین عطارؒ، ومردمان گرداگرد این خانہ ایسادہ اند۔ وہر محتاجے حاجت خود را از صاحب فن درخواست مے نماید و کامیاب می گردد"

شبلی نعمانی
مقام کشمیر
۵ رجولائی ۱۸۹۸ء

marfat.com

marfat.com